الفیوضات النبویۃ فی الفتاوی الحنفیۃ

فتاویٰ حنفیہ

معروف بہ

فتاویٰ اتراکھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککراوی
نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور انڈیا

کاوش:
محمد ثاقب رضا قادری پاکستان

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

الفیوضات النبویۃ فی الفتاوی الحنفیۃ

فتاوی حنفیہ

معروف بہ

فتاوی اترا کھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دارالافتاء مدنیہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور انڈیا

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

کتاب : فتاوٰی حنفیہ معروفہ بہ فتاوی اُترا کھنڈ
مصنف : مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نظر ثانی : علامہ مفتی قاضی شہید عالم صاحب دام ظلہ
جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف
علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب قبلہ برکاتی مدظلہ
دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد
کمپوزنگ : زاہد اقبال
صفحات : ۲۸۸
اشاعت پاکستان : ۲۰۱۴ء - ۱۴۳۵ھ
ناشر : اکبر بک سیلرز، زبیدہ سنٹر، اُردو بازار لاہور
قیمت : -/400 روپے

ملنے کے پتے

خزینہ علم وادب اُردو بازار لاہور
اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی
مکتبہ المجاہد، بھیرہ
کتب خانہ حاجی نیاز احمد، ملتان
الرضا کیسٹ ہاؤس، ملتان
رضا بک شاپ، گجرات
مکتبہ غوثیہ، نارووال

انتساب

میں اپنی اس ادنی سی کاوش کو افقہ الفقہاء امام المحدثین والمجتہدین شمس الاولیاء والاصفیاء مقدام العلماء والفقہاء الی یوم القیامہ حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ بابرکات سے منسوب ومعنون کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں جو بشارت نبوی

"لوکان الایمان عندالثریالذھب بہ رجل من ابناء فارس حتی یتناولہ" (اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو مردان فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اسے حاصل کرلے گا) کے اصل مصداق ہیں۔ اور قیامت تک آنے والے ان کے ہر پیروکار کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ سے مژدۂ مغفرت عطا ہوچکا ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے کہ ہاتف غیبی نے آواز دی **"یاابا حنیفۃ قدعرفتناحق المعرفۃ وخدمتنافاحسنت الخدمۃ قدغفرنالک ولمن تبعک ممن کان علی مذھبک الی یوم القیامۃ"** (اے ابوحنیفہ تم نے ہمیں جس طرح پہچاننا تھا پہچان لیا اور ہمارے دین کی بہترین خدمت کی لہٰذا ہم نے تمہاری اور قیامت تک آنے والے تمہارے ہر پیروکار کی مغفرت فرمادی۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

امیدوار کرم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

غفرلہ ولوالدیہ

ہدیہ تشکر

حدیث شریف میں ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ

جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

میں ممنون ہوں ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس مجموعہ کے منظر عام تک لانے میں میرے ساتھ تعاون کیا

☆ اپنے اساتذہ کرام خصوصاً حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد)، حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب (جامعہ نعیمیہ مرادآباد) کا۔جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔

☆ اکابر علماء کرام خصوصاً حضرت علامہ قاضی شہید عالم صاحب (شیخ الحدیث والافتاء جامعہ نوریہ بریلی شریف)، حضرت العلام مفتی صالح صاحب (شیخ الحدیث الجامعۃ الرضا بریلی)، حضرت العلام مفتی شاہد حسین صاحب (مفتی شہر رامپور) مفتی مکرم صاحب (مفتی شہر دہلی)، مفتی محمد عاقل صاحب (پرنسپل منظر اسلام بریلی شریف) اور مفتی مطیع الرحمٰن صاحب (الجامعۃ الرضا بریلی شریف)۔جنہوں نے میرے فتاوی کو شرف مطالعہ سے نوازا اور دعائیہ کلمات تحریر فرما کر میرے فتاوی کو اپنی بارگاہ سے سند قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔

☆ محبان گرامی وقار مفتی محمد حسین قادری صاحب اور مفتی محمد کاشف رضوی صاحب کا بھی ممنون ہوں۔جنہوں نے میرے اس فتاوی پر مبسوط مقدمہ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔

☆ عزیزان گرامی محترم محمد ثاقب رضا قادری اور محمد ناظم منصوی مرادآبادی۔جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نواز کر صحیح طور حق دوستی نبھایا۔

☆ آخر میں جملہ اراکین کمیٹی نوری دارالافتاء مدینہ مسجد اور اہلیان کاشی پور اور اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کرنے والے بھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی بے پناہ محبتوں اور بے لوث تعاون کے طفیل یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

اللہ عزوجل ان سب معاونین کو دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

احقر العباد

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی عفی عنہ

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

تحدیثِ نعمت

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

تبلیغ دین کے یوں تو بہت سے ذرائع ہیں لیکن قلم دین کی تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے زبان کی نسبت قلم سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی ہے۔احقر نے بھی علماء کی تقلید میں ہمیشہ قلم کو ہی ترجیح دینا مناسب جانا،دور طالب علمی ہی سے دین کے کسی نا کسی گوشہ پر لکھنا شروع کردیا۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ جب میں ملک کے مشہور ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد میں ثالثہ جماعت کا طالب علم تھا اس وقت ایک کتاب بنام ''معراج المومنین'' لکھی، مفتی قاضی شہید عالم صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی اور تقریظ بھی تحریر فرمائی جس نے میرے حوصلوں کو بے پناہ قوت وتوانائی عطا فرمائی۔

جامعہ نعیمیہ کے ایام طالب علمی میں طلباء کو اساتذہ کی جانب سے ''علماء کرام اور موجودہ سیاسی تقاضے'' کے موضوع پر مضمون لکھنے کا حکم ہوا،اور کہا گیا کہ تمام طلبہ میں جس کا مضمون اساتذہ کو پسند ہوگا وہی ماہنامہ اشرفیہ (مبارک پور) میں اشاعت کے لیے بھیجا جائے گا۔سبھی طلبہ مضمون لکھنے میں مصروف ہوگئے احقر نے بھی اوراق گردانی شروع کی اور ایک دو دن ہی میں چار پانچ صفحات پر مشتمل مضمون لکھ کر اساتذہ کو پیش کردیا۔مجھ سے پیشتر اور بعد کئی طلبا نے مضامین اساتذہ کرام کی بارگاہ میں پیش کیے۔لیکن میرے مشفق اساتذہ خصوصاً مفتی ایوب صاحب، علامہ ہاشم صاحب۔مفتی ممتاز صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی سلیمان صاحب قبلہ نے میرے مضمون کو سند پذیرائی عطا فرمائی اور دعاؤں کے ساتھ مجھے وہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ کے لئے ارسال کرنے کا حکم دیا میں نے وہ مضمون محترم قاری محمد رفیق صاحب کے توسط سے ماہنامہ کے پتہ پر روانہ کردیا اور اگلے ہی ماہ جولائی ۲۰۰۵ء میں میرا مضمون رسالہ میں شائع ہوگیا۔

اساتذۂ کرام کی شفقت سے سفرِ قلم جاری رکھنے کی ہمت بندھی،چنانچہ دوران تدریس مفتی ارشد جمال اشرفی کچھوچھہ شریف کی ایک کتاب ''عمامہ اور ٹوپی کی شرعی حیثیت'' کا مطالعہ کیا۔اس کتاب میں انہوں نے عمامہ اور ٹوپی کو مستوی العمل قرار دیا اور جا بجا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر تنقید بے جا بھی کی، بات یہیں تک محدود نہیں رکھی بلکہ عمامہ کی فضیلت پر جو احادیث فتاوی رضویہ میں نقل ہوئیں۔موصوف نے اُن سب احادیث کو موضوع وباطل قرار دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی

تشریحات کو غلط قرار دینے کی سعی کی۔ احقر نے اس کتاب کا رد بنام " **دفع الخمامہ عن احادیث العمامہ** " تحریر کیا، ۱۴۳۰ھ میں عوام الناس کے لئے ایک مختصر کتاب "**سیرت رسول عربی - تاریخ کے آئینہ میں**" تحریر کی۔ اس کے بعد صدر الافاضل کی کتاب "**فیضان رحمت**" (جو تقریباً سو سال قبل شائع ہوئی تھی) پر **حاشیہ وتخریج وتقدیم** کا کام کیا، علامہ سید وجاہت رسول صاحب قبلہ پاکستان نے اس پر دس صفحات پر مشتمل تبصرہ بھی تحریر فرمایا جو غلطی سے کتاب میں شامل نہ ہو سکا ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کتاب حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب جامع مسجد ادارہ ترویج واشاعت بولٹن کے مالی تعاون سے مکتبہ نعیمیہ (مراد آباد) سے شائع ہو چکی ہے، پاکستان میں مکتبہ برکات المدینہ، کراچی بھی اسے شائع کر چکا ہے۔

ایک سہ ماہی جریدہ بنام "**جام شرافت**" کا اجراء کیا، جس کے چند شمارے شائع ہوئے۔ یہ رسالہ بھی اکثر میرے ہی مضامین پر مشتمل رہا۔

ابھی دو ماہ پیشتر عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ایک نایاب فتوی پر تخریج وتحشیہ وتقدیم کا کام کیا جو "**انبیاے کرام گناہ سے پاک ہیں**" کے نام سے **ادارہ تحفظ عقائد اہل سنت** (پاکستان)، **مکتبہ نعیمیہ** (دہلی) اور **نوری مشن** (مالیگاؤں) سے چھپ چکا ہے۔

صدر الافاضل کی سند المسمی بالکتاب المستطاب "**المحتوی علی الاسانید الصحیحہ**" (عربی) پر کام کیا، دو سو سے زائد راویوں کی تحقیق پیش کی عربی زبان میں اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا نیز "**اسانید صدر الافاضل**" کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ بھی کیا۔

صدر الافاضل کی ایک کتاب بنام "**حق کی پہچان**" پر تخریج کا کام کیا۔

یہ کتابیں ۲۷ رمئی ۲۰۱۳ء کو منظر عام پر آ گئی ہیں۔

مزید درج ذیل کتب زیر ترتیب ہیں:

- ☆ سوانح صدر الافاضل
- ☆ شدھی تحریک اور صدر الافاضل
- ☆ محاسبۂ قادیانیت (سنی صحافت کی روشنی میں)
- ☆ تحریک التوائے حج
- ☆ رکعات نماز کا ثبوت احادیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں
- ☆ اعلیٰ حضرت کا ایک تاریخی مناظرہ

علاوہ ازیں پاک وہند کے موقر جرائد ورسائل میں مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مؤرخہ ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ سے سرزمین **کاشی پور** میں فتوی نویسی کا کام شروع کیا اور اب تک یہ خدمت جاری ہے، ان دو ڈھائی سالوں میں جو فتاوی تحریر ہوئے ان کا مجموعہ پیش نظر کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور علمی بے بضاعتی کا بھرپور احساس ہے۔ یہ سب میرے پاک پروردگار کا فضل واحسان اور اس کے پیارے حبیب نبی مکرم نور مجسم رحمت عالم شاہ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت خسروانہ ہے کہ مجھ ناچیز کو اس خدمت کی توفیق میسر آئی۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے تمام عمر دین متین کی خدمت کی سعادت عطا فرمائے اور علم نافع، عمل صالح اور اخلاص کی دولت نصیب ہو۔

میں اللہ جل مجدہ، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، اولیاء اُمت وعلمائے ملت کی ذوات علیا کے سہارے تحریر وتحقیق کی اس دشوار گزار راہ میں حصول منزل کی جستجو لیے سرگرداں ہوں۔

میں قطرہ ہو کے بھی طوفان سے جنگ لیتا ہوں
مجھے بچانا سمندر کی ذمہ داری ہے

ارباب علم ودانش مفکرین قوم وملت علماء اہل سنت کی خدمت میں بصد ادب واحترام عرض ہے کہ اگر کہیں لغزش پائیں تو طعن وتشنیع سے اپنی زبان وقلم کو پراگندہ نہ فرمائیں بلکہ اپنے مناصب جلیلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے درگزر فرمائیں اور اغلاط پر بنظر اصلاح تنبیہ فرمائیں۔

اُمیدوار کرم
محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

فہرست

کتاب الایمان و الکفر

باب الصلوٰۃ

﴿باب الجنائز﴾

﴿باب الحج و العمرہ﴾

﴿باب النکاح﴾

﴿باب الطلاق﴾

﴿باب العدة﴾

﴿باب البیوع﴾

﴿باب الذبائح﴾

﴿باب الاضحیہ﴾

﴿باب الحظر و الاباحة﴾

﴿باب المیراث﴾

دعائیہ کلمات

البحر الزاخر من المعقول والغیث الماطر من اسرار المنقول

علامہ مفتی شبیر حسن رضوی صاحب قبلہ دام بالمفاخر والمعالی

(شیخ الحدیث وزیب مسند افتاء الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ رونا ہی ضلع فیض آباد)

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! عزیزی موصوف (مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی) ایک باصلاحیت عالم دین وشرع متین ہیں درس وتدریس کے ساتھ فتاوی کا کام بھی انجام دیتے ہیں ضرورت پر وہ اس رضوی فقیر سے استصواب رائے بھی کرتے رہتے ہیں ان کے کچھ فتاوی بھی نظر سے گزرے انہیں دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کافی محنت ومطالعہ کتب دینیہ فقہیہ سے کام لیا ہے مولی تعالی عزیزی موصوف کو مزید ترقیوں سے ہمکنار فرمائے اور اس طرح کی دینی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق رفیق عطا فرمائے اور مسلک رضوی کا سچا مبلغ وناشر مروج بنائے اور انہیں اور ہم سب اہل سنن کو امام اہل سنن قدس سرہ کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے اور دارین کی سعادتوں، برکتوں سے سرفراز فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی المولی تعالی علیہ وسلم۔ فقط

شبیر حسن رضوی

الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد

تقریظ منیر

غواص بحار العلوم کشاف دقائق المنطوق والمفہوم مقدام العلماء

حضرت العلام المفتی سید شاہد علی حسنی رضوی

شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، قاضی شرع ومفتی ضلع رامپور دام ظلہ العالی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وحزبہ وعلماء امتہ وشہداء محبتہ اجمعین۔

امـــا بـعـد : محب محترم ذی المجد والکرم ذی الطبع السلیم والفکر القویم اخی فی الدین حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن اہلسنّت وجماعت کی ایک عظیم مرکزی درسگاہ جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد کے ہونہار، ہوشیار، ذی شعور وباکردار، وقت اور حالات کے نباض، احوال زمانہ سے واقف کار، نوجوان عالم وفاضل ہیں، ساتھ ہی محقق و مدقق، مؤرخ ومفکر، ادیب وصحافی، مصنف ومؤلف، خطیب ومناظر، صالح ومصلح، ہادی ومہدی اور ذی استعداد و باصلاحیت مستند ومعتمد مفتی بھی ہیں۔

نعیمیات پر زبردست کام کررہے ہیں اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر اچھا عبور ہے۔ ان کا علمی اور تحقیقی کام دیکھ کر دل مسرور ہوتا ہے اور زبان پر داد وتحسین کے ساتھ اپنے پیرومرشد آقائے نعمت تاجدار اہلسنّت شہزادۂ اعلیٰ حضرت امام الفقہاء قطب عالم حضور مفتی اعظم عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا مندرجہ ذیل شعر بطور دعا موصوف کے لئے برجستہ لبوں پر آرہا ہے گویا نعیمی صاحب بطور دعا اپنے لئے بزبان حال کہہ رہے ہیں:

ع خدا ایسی قوت دے میرے قلم میں
کہ بدمذہبوں کو سدھارا کروں میں

موصوف کا علم حاضر، ذہن رساں، دماغ تازہ اور قلم رواں دواں ہے۔ نعیمی صاحب سلمہ کی بعض تحریرات اور ان کے لکھے ہوئے چند فتاویٰ فقیر نوری غفرلہ کی نظر سے گزرے میں نے ان کو بغور پڑھا اور سمجھا ماشاء اللہ بہت خوب ہیں قرآن وحدیث، اجماع امت، فقہی جزئیات اور اقوال سلف صالحین سے مدلل ومبرہن ہیں۔ موصوف نے اپنے ان فتاوی میں مخالفین ومعترضین کے اقوال وتحریرات پیش کر کے بہت اچھوتا انداز اختیار کیا ہے جو ان کا دندان شکن جواب بھی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن ...

ریزی کے بعد اپنے مستند و معتمد و مدلل فتاوی کا ایک مجموعہ بنام ”الفیوضات النبویه فی الفتاوی الحنفیه“ تیار کر کے قوم کے سامنے پیش کیا جو اس وقت ہمارے سامنے ہے میں اپنے علم و یقین کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ موصوف اپنے علم و تقوی بصیرت و ذکاوت اور عشق و وجدان کی لطافتوں، طہارتوں اور سعادتوں کے اعتبار سے قطعاً اس خدمت کے اہل ہیں اور بلا شبہ ان کی یہ خدمت احترام و اعتماد کی نظر سے دیکھی جانے کے قابل ہے۔ رسم معہود کے مطابق عزیز گرامی وقار نے اپنے اس گرانقدر مجموعۂ فتاویٰ پر کچھ لکھنے کے لئے مجھ جیسے بے بضاعت و ناسزاوار سے فون پر کہا اور اپنے دو مخلص شاگردوں کو فتاویٰ کا کچھ حصہ برائے مطالعہ دے کر بھیجا کہ اب معذرت کی گنجائش باقی نہ رہی ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم خدمت کا میں اہل نہیں ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کو اس گرانمایہ دینی خدمت پر اجر جزیل عطا فرمائے اور اس مجموعۂ فتاوی کو قبول عام و خاص فرمائے۔

آمین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه ونور عرشه
محمدو آله وصحبه اجمعین ۔

فقیر نوری سید شاہد علی حسنی رضوی جمالی
مرکزی درسگاہ اہل سنت الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

تقریظ جلیل

جامع معقول ومنقول مقدام العلماء الفحول بقیۃ السلف عمدۃ الخلف

حضرت العلام مفتی محمد صالح قادری صاحب دام بالمفاخر والمعالی

شیخ الحدیث، مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعض احباب سے سن کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی ذوالفقار صاحب نعیمی ایک اچھے عالم دین وو قیع مفتی ہیں اور بڑی علمی عملی خوبیوں کے جامع ہیں گویا جواں سالی میں شیخ کبیر ہیں۔ حسن افتا، کثرت مطالعہ، زود نویسی، ملت کی خیر خواہی وغیرہ صفات حمیدہ سے متصف ہیں۔ اس خبر سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور ہر سنی کو ہونی چاہئے۔ مولا ئے کریم رب قدیر حضرت مفتی صاحب موصوف کی دینی کاوشوں کو مشکور فرمائے اور قوم وملت کو ان کی ذات وکارکردگی سے خوب نفع بخشے۔ آپ کا مجموعہ فتاوی جوزیر کتابت وطباعت ہے اگر چہ میں نے نہیں دیکھا ہے مگر بعض احباب کی تقریظات مشعر ہیں کہ ایک قابل قدر ولائق اعتماد کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے مقبول عام کرے۔ بحرمت نبی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم والحمد للہ رب العٰلمین فی الاولی والآخرۃ۔

راقم الحروف پر قصور
محمد صالح قادری بریلوی غفرلہ
خادم الطلبہ بجامعۃ الرضا، بریلی شریف
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

الصندید المعظم والمسقع المفخم حضرت العلام

مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی دام فیضہ

مسند نشین مفتی اعظم دہلی وشاہی امام فتح پوری مسجد دہلی

نحمده ونصلي ونسلم علىٰ رسوله الكريم

اما بعد: فقیہ اعظم مفتی اعظم امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں "**لو لا الخوف من الله تعالىٰ ان يضيع العلم ماافتيت**" (اگر علم کے ضائع ہونے پر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں فتویٰ نہ دیتا) امام کے مذکورہ بالا قول مبارک سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ فتویٰ نویسی نہایت ہی کٹھن اور اہم کام ہے اس کام میں، سوجھ بوجھ، علم، استقامت، اصابت رائے، تقویٰ، حالاتِ زمانہ سے واقفیت، دینی مسائل کا استحضار جیسی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی شامل حال ہونا از حد ضروری ہے، حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی مدظلہ العالی ماشاء اللہ صاحب نسبت اور فقیہانہ ذوق کے حامل ہیں ان کے لکھے ہوئے چند فتاویٰ میں نے بالاستیعاب دیکھے موصوف کے فتاویٰ مفصل جامع اور مدلل ہوتے ہیں اپنے اسلاف سے اور اساتذہ کرام سے جو کچھ حاصل کیا ہے اسے عوام وخواص تک پہنچانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے آمین۔

وماتوفيقي الابالله العلي العظيم۔

محمد مکرم احمد نقشبندی

۲ر جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الالمعی والفاضل اللوذعی حضرت العلام

مفتی محمد سلیمان صاحب نعیمی برکاتی عم فیضہ

نائب مفتی دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

اصطلاحِ شرع میں افتاء کے معنی شرعی حکم اور فیصلہ سنانا ہے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں "الافتاء فانہ افادۃ الحکم الشرعی" فتوی دینے کا مطلب حکم شرعی سے آگاہ کرنا ہے اور امام عشق ومحبت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اس کی تعبیر یوں بیان فرمائی ہے: انما الافتاء ان تعتمد علیٰ شیء وتبین لسائلک ان ھذا حکم شرعی "فتوی دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے [فتاوٰی رضویہ، جلد اوّل] ان اقوال سے یہ بات اظہر من الشمس واجلیٰ من القمر ہے کہ فتوی اور افتاء کو مذہب اسلام میں ایک عظیم مقام حاصل ہے ہر دور میں مفتیانِ کرام وفقہاء عظام نے سائلین مسائل شرعیہ کو تسلی وتشفی بخش جواب عطا فرما کر سیرابی وآسودگی عطا فرمائی ہے، اور گمراہیت ولادینی سے نکال کر صراطِ مستقیم پر چلنا سکھایا ہے آج اس دور الحادوفتن میں جبکہ قحط الرجال ہے حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی فاضل جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد نے درجہ تخصص سے اعلیٰ کامیابی جامعہ سے حاصل کی۔ اور اوّل نمبر پر دستارِ افتاء سے نوازے گئے۔ اور بعد فراغت انہوں نے کافی تعداد میں آنے والے سوالات کے تحقیقی جوابات لکھے جو آپ کے پیش نظر ہیں۔ میں نے بالاستیعاب تمام جوابات پڑھے بحمد اللہ تعالیٰ دلائل وبراہین سے مزین پایا اور مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومسلک اعلیٰ حضرت کے مطابق پایا۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل مفتی موصوف کو مزید توفیق عطا فرمائے اور احقاق حق وابطال باطل کا جذبۂ کامل عطا فرمائے اور آپ کی عمر وعلم وعمل میں برکتیں فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد سلیمان نعیمی برکاتی

خادم التدریس والافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

مورخہ ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

بحرِ ذخار علومِ عقلیہ ونقلیہ

حضرت علامہ مفتی قاضی شہید عالم رضوی دامت برکاتھم القدسیہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

باسمہ و حمدہ تعالیٰ

فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی ذوالفقار خان صاحب نعیمی ایک بالغ نظر عالم، باریک بیں مفتی اور کثیر المطالعہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی فعال اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔

موصوف کے فتاوٰی کا مجموعہ باصرہ نواز ہوا- دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، اس نوعمری میں ہی موصوف نے اس منزل کو پالیا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے کسی ماہر فقیہ کے زیر سایہ ایک طویل مدت تک مشاقی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجموعہ فتاوٰی ایک بیش قیمت علمی خزانہ ہے۔ سوال فہمی، سوال کے ہر پہلو کا احاطہ، قوت استدلال، استحضار جزئیات ہر پہلو سے موصوف کا مجموعہ فتاوٰی قابل ستائش ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعہ کو قبولیت عام عطا فرمائے اور موصوف کو ایک متبحر عالم اور فقیہ بنائے اور اسی طرح زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کرتے رہنے کا جذبہ وحوصلہ مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

قاضی شہید عالم رضوی

جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

مؤرخہ ۷ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الکامل فاصل بین الحق والباطل حضرت علامہ مفتی محمد عاقل دام فیضہ
صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محب مکرم فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد ذوالفقار صاحب نعیمی دام ظلہ دینی لگن، مذہبی حمیت، علمی فکر جیسے اوصاف جلیلہ میں اپنے ہم عصر نوجوان علماء میں انفرادی شخصیت کے حامل ہیں۔

یہ تلخ حقیقت ہے کہ آج کل نئی نسل کے علماء میں کبرونخوت، تن پروری، آرام پسندی، مسلکی بے رہ روی کے گھٹیار جحانات پائے جارہے ہیں، جو خود ان کے لئے نیک فال نہیں ہیں، ان حالات میں مولانا موصوف کا کردار وعمل اوران کی مسلکی خدمات کا وسیع دائرہ ان کے لئے مشعل راہ ہے، یہ جہاں رہتے ہیں دینی کام میں لگے رہتے ہیں بلکہ شب وروز ان کی انتھک کوششوں سے میدان عمل ہموار کرتے ہیں، ان کی تمام تر کدوکاوش، محنت و جانفشانی کا محور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت ہے اس سے پہلے بھی ان کے کئی مضمون اور ایک دو مستقل تصنیف نگاہ سے گذری، بہت اچھا اور علمی انداز میں لکھنے کے عادی ہیں اب مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوتی ہے کہ معتمد علماء کی نظر ثانی کے بعد اپنے فتاویٰ کا مجموعہ شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کے گراں قدر علمی فتاویٰ کا مجموعہ (**العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ**) اہل سنت کا سرمایۂ افتخار ہے جس کا عشر عشیر بھی کسی جماعت کے پاس نہیں۔ فتاویٰ میں قرآن وسنت سے ندرت استدلال کی کثرت، کلام فقہاء سے مسائل جدیدہ کا حسن استنباط، ائمہ کے مختلف اقوال میں واضح تطبیق اپنے موقف کی تائید میں مضبوط دلائل کی فراوانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر عظیم فقیہ ماضی قریب میں کوئی دوسرا نہیں گذرا۔

اعلیٰ حضرت کا علمی فیضان اور فتاویٰ رضویہ کی کرامت کہیے کہ آج فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ حامدیہ، فتاویٰ مصطفویہ، فتاویٰ فیض الرسول، فتاویٰ شارح بخاری جیسا قیمتی سرمایہ اہل سنت کے ہاتھوں میں ہے۔

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
ہے یہ بھی اس جرس کی آواز دوستو

میں اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مولانا موصوف کے فتاویٰ کا مطالعہ تو نہ کرسکا البتہ ان کی قلمی ثقاہت، علمی

لیاقت اور سابقہ تحریروں سے امید ہے کہ ان کے گراں قدر فتاوٰی قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی آئینہ دار ہونگے۔ اور انہیں علمی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ اللہ رب العزت جل جلالہٗ مولانا موصوف کی اس علمی کاوش کو قبولیت کا اعزاز بخشے اور ان کے قلم میں مزید پختگی، فکر میں بلندی اور حوصلوں میں مزید بلندی عطا فرمائے ہمیشہ ان کے قلم کی سیاہی جادۂ مستقیم پر گامزن رہے دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔

آمین بجاہ نبیہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد عاقل رضوی غفرلہٗ
خادم جامعہ رضویہ منظر اسلام سوداگران بریلی شریف
۵ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

الادیب اللبیب الفاضل النسیب
حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن نظامی مدظلہ العالی
زیب مسند تدریس وافتاء مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا
مرکز نگر متھرا پور، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحانہ ما اعظم شانہ یضل من یشاء و یھدی من یشاء والصلوٰۃ والسلام علیٰ من شید الایمان و رفع درجات الذین اوتوا العلم والاتقان وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین ایدوا الاسلام والایمان والسلام علیٰ الذین استنبطوا المسائل من الاحادیث والقرآن یبتغون فضلا من اللہ والرضوان ۔

اما بعد! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔

پیش نظر مجموعہ فتاویٰ کی کتاب مستطاب محبّ گرامی وقار مرجع عوام وخواص کاشی پور حضرت العلام مولانا المکرّم ذواللطف والکرم مفتی محمد ذوالفقار خان ایدہ الرحمٰن بفضل سید الانس والجان صاحب کا گراں مایہ بیش بہا علمی سرمایہ اور صرف دو (۲) سالہ محنت کا عظیم ذخیرہ ہے۔ اس حقیر فقیر غفرلہٗ القدیر نے بھی موصوف کے مجموعہ فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہر فتویٰ زیور دلائل و براہین اور جزئیات سے آراستہ پایا جو افتا کی اک شان ہے اور تحقیقات وتنقیحات سے مزین جو فتویٰ نویسی کا اعلیٰ معیار ہے ہر زاویہ سے موصوف کی کاوش سراہے جانے کے لائق اور قابل صد ستائش ہے۔

موصوف محترم نوجوان مفتیانِ کرام میں اپنی الگ ہی پہچان رکھتے ہیں عربی فارسی اور اردو کتابوں کا مطالعہ بھی اتنا وسیع ہے کہ بآسانی سائلین کے سوالات حالات حاضرہ کے تناظر میں سمجھ کر برجستہ جوابات استحضار جزئیات کی روشنی میں سپرد قرطاس کرتے ہیں۔

کچھ سوالات تو ان سے ایسے بھی کیے گئے جس سے خواہی نخواہی ذہنی الجھنیں پیدا ہو جانا لازمی وضروری ہے اور کم علمی کی بناء پر فساد عقیدہ کا بھی امکان نظر آتا ہے۔ مگر موصوف نے ایسے واہیات ذہنیت رکھنے والوں کے سوالات کے بھی جوابات اپنی بالغ علمی اور دقت نظری کا سہارا لے کر فقہا و مشائخ کے علمی فیضان کی روشنی میں تحریر فرما کر عوام کو ضلالت وظلمت اور شیطانی

فتنوں سے بچالیا، اللہ تعالیٰ موصوف کو مزید علم وعمل فکر ونظر اور تفقہ فی الدین کی لازوال نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

مجموعہ فتاویٰ میں ۲/۳ سوالات پر میری نظر پڑی جو پریشان کن تھے جیسے:

۱۔ ''لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ'' کا سوال

۲۔ ''کرشن کنہیا'' کا مسئلہ

۳۔ اور ''ایک معنی خیز شعر'' سے متعلق

مولانا المکرّم مفتی ذوالفقار حفظہ الغفار صاحب نے ان سوالات کے مسکت جوابات درج فرمائے اور یہ بھی واضح کر دوں کہ ایسے واہیات سوالات مذاہب باطلہ فرق عاطلہ ضالہ مضلہ کے لوائے شیطانیت کے سایہ میں زندگی گذارنے والوں ہی کے طرف سے اکثر ہوا کرتے ہیں موصوف سے میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب انہیں لوگوں کی خباثت ہے۔

مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ موصوف کثیر المطالعہ ہونے کے باوجود امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے فقہی انسائیکلوپیڈیا العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کے مطالعہ اور امام اہل سنت کی تحقیقات و تنقیحات پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور اسی کو حرف آخر اور معیار افتا جانتے ہیں۔

الغرض تحریری وتقریری طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں ہمہ دم کوشاں رہتے ہیں اور گستاخان رسول کا دنداں شکن جواب دیتے ہیں۔ جزاہ اللّٰہ فی الدین والدنیا وللہ الحمد فی الاولیٰ والآخرہ هو اهل التقوىٰ والمغفرة جعل اللّٰه سعيه مشكورا و ذنبه مغفورا وعدوه في الدين مقهوراً ولقى السنة نضرة وسرورا و رزقه في الدارين فضلا و نوراً ۔

فقیر اپنے تمام برادران اہل سنت سے سفارش کرتا ہے کہ اس کا مطالعہ کریں اور ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔ امید ہے کہ اس کو مطالعہ کی میز کی زینت بنانے کی ہماری اس سفارش کو قبول فرما کر دارین کی سعادت حاصل کریں گے اور ہمیں بھی حصہ دار بنائیں گے۔ من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها في الاولىٰ والآخرة و صلى اللّٰه تعالىٰ علىٰ سيد المرسلين وآله الطيبين واصحابه المطهرين وائمته المجتهدين والعلماء الكاملين والفقهاء المستنبطين الىٰ يوم الدين، وآخر دعوانا ان الحمدللّٰه رب العٰلمين .

فقیر سراپا تقصیر محمد مطیع الرحمٰن نظامی

خادم التدریس والافتاء مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا

مرکز نگر متھراپور، بریلی شریف

۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقدیم

فاضل جلیل حضرت العلام

مفتی محمد حسین صاحب قبلہ دام ظلہ العالی

زیب مسند افتاء کنز الایمان کراچی پاکستان

الحمدلله الحميد المجيد، والصلوة على من امر بتبليغ ما انزل اليه من ربه المنيب هو اول من قام بهذا المنصب الشريف فكان يفتي بوحيه تعالىٰ فكانت فتاواه صلى الله عليه وسلم جوامع الاحكام سيدنا محمد سيد المرسلين وخاتم النبيين صلى الله تعالىٰ عليه واٰله وسلم واصحابه والسلام علىٰ ابى حنيفة واحبابه،

امابعد! اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو ہر معاملے میں مکمل رہنمائی دیتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ ہے، ہر کام کے قوانین موجود ہیں، جہاں عبادات کے طریقے بتاتا ہے وہیں معاملات کے متعلق بھی پوری روشنی ڈالتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ اسلام میں اس کے لئے رہنمائی نہ ہو۔ اسلام کا یہ نہ صرف دعویٰ ہے بلکہ تاریخ اس بات کی شاہد ومصدق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تمام ادیان میں انفرادی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام ملل وادیان میں دین اسلام ہی ہے جس نے اپنے ہر ماننے والے کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اسلام کے پاس فقہ وقانون کا جو ذخیرہ ہے وہ مصالح کی رعایت اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی کا ایک شاہکار ہے جس کے مقابل دنیا کا کوئی قدیم وجدید قانون بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ دعوی یوں بھی ممکن ہوا کہ ائمہ دین اور فقہائے مجتہدین نے احکام قرآن وسنت میں گہری نظر اور طویل غور وخوض کے نتیجے میں فقہ کے ایسے اصول وقواعد وضع کئے کہ جن کی روشنی میں نہ صرف بے شمار جزئیات مستنبط کیے بلکہ انہوں نے انسانی زندگی کے جزئیات کا اس قدر احاطہ کیا کہ بجا طور آج اس دنیا میں کم ہی مسائل ایسے ملیں گے کہ جس کے لئے فقہ اسلامی ذخیرہ میں کوئی نظیر موجود نہ ہو۔ فقہ اسلامی کا انسان کی زندگی میں ایک اہم حصہ ہے کہ اس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہو سکتی اور یہ علم عطیہ ربانی ہے کہ خدائے بحر وبر جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اس نعمت سے نوازتا ہے۔

تاریخ فتوی نویسی:

اسلام میں سب سے پہلے افتاء کے منصب پر فائز ہونے والے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ ابن قیم

نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھا ''اول من قام بھذا المنصب الشریف سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم و امام المتقین○○الخ'' [اعلام الموقعین ،۱/۱۱،دارالجیل بیروت]

عہدِ رسالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی فتوی دیا کرتے تھے جن میں سے بعض صحابہ وہ تھے جنہیں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے کسی خطہ میں دینی اور انتظامی امور کی ذمہ داری سونپی تھی جیسے علی المرتضٰی، معاذ بن جبل وغیرھما رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض صحابہ کرام خود ہی فتوی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم عہد رسالت میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ [طبقات ابن سعد۲/ ۳۷۹، نفیس اکیڈمی کراچی]

اس کے علاوہ بھی مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان کی فتویٰ نویسی کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد کثیر صحابہ کرام نے فتوی دینے سے اجتناب کیا جس کی مختلف وجوہات کتب میں ملتی ہیں ایک یہ کہ فتوی دینے میں احتیاط کا بڑا دخل ہے دوسرا اصلاحیت و استعداد میں تفاوت اور تیسرا کام کو، کیوں کہ صحابہ کرام تعلیم و تعلم، دعوت و جہاد اور انتظام انصرام کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے تھے جس کی وجہ سے ایک محدود تعداد علم و تحقیق اور قضاء و افتاء کے کام میں مشغول ہوئی۔ صحابہ کرام کے عہد سے لے کر اب تک فقہائے کرام کا ایک طویل سلسلہ ہے ابوالحسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب ''المعتمدفی اصول الفقه'' میں صحابہ کرام کے فتاویٰ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ پانچویں صدی ہجری تک پائے جاتے تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور فقہ اسلامی کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ ان کے بعد کے فقہاء نے بھی ان فتاویٰ سے خاص طور پر استفادہ کیا مکہ مکرمہ میں امام مجاہد اور عطاء بن رباح مدینہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی شاگردہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر امصار و بلاد میں مختلف تابعین و تبع و تابعین کے فتاویٰ کو بام عروج حاصل تھا۔ اس کے بعد دوسری صدی ہجری میں ایسے ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے جنہوں نے اس باب میں نہایت اہم کارنامے انجام دئے اور آنے والے فقہاء کے گروہ انہیں ائمہ کی تقلید کے پابند رہے۔ ان میں اہل سنت کے چاروں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف بلاد و امصار میں ارباب افتاء موجود تھے۔

یادرہے کہ تبع تابعین کے دور میں اس علم کی خدمت میں اہل قضاۃ پیش پیش تھے کہ ان کے پاس روز مقدمات پیش ہوتے جن کے وہ فیصلے صادر فرماتے اور ان فیصلوں کو محفوظ بھی رکھتے تھے ایک ایسا ہی مجموعہ امام ابو یوسف کی طرف بھی منسوب ہے۔ کتب فتاویٰ کی تاریخ بہت قدیم ہے جس کی تفصیل حاجی خلیفہ کی کشف الظنون اور اسماعیل پاشا کی ہدیۃ العارفین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اب مختصرا ایک نظر فقہ اور فقیہ کے حوالے سے ڈالتے ہیں کہ فقہ کیا ہے اور فقاہت کسے کہتے ہیں۔

فقہ کی تعریف:

بحرالمحیط میں ہے "الفقه العلم بالشیء والفهم له"کسی شے کے علم اور اس کی سمجھ کو فقہ کہتے ہیں۔
لسان العرب کے اندر بھی فقہ کی یہی تعریف کی گئی ہے۔
مستصفیٰ میں ہے "الفقه عبارة عن العلم والفهم فی اصل الوضع" اصل وضع میں فقہ علم وفہم سے عبارت ہے۔فصول الحواشی میں ہے: "الفقه لغة فهم غرض المتكلم من كلامه" لغت میں متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھنے کا نام فقہ ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف:

صدر اول سے قبل فقہ فی الدین کا لفظ کافی وسیع معنیٰ میں بولا اور سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ امام اعظم سے "معرفة النفس مالها وما عليها" کے الفاظ کے ساتھ فقہ کی تعریف منقول ہے جو علم فقہ کے علاوہ علم کلام اور علم اخلاق کو بھی شامل تھی لیکن صدر اول میں جب حوادث کی بنا پر اجتہاد کی ضرورت پیش آئی اور مجتہدین کا ظہور ہوا اور اصول فقہ کی با قاعدہ تدوین شروع ہوئی اس وقت ائمہ اصول نے فقہ کی تعریف میں یہ اضافہ فرمایا۔فتاویٰ شامی میں علامہ ابن عابدین نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے: "العلم بالاحكام الشرعية العملية من ادلة التفصيلية" یعنی شرعی معمولات کے احکام کو تفصیلی دلائل سے جاننا فقہ ہے۔

بحرالرائق میں بعض فقہاء کی بڑھائی ہوئی اس قید کا بھی ذکر ہے: "المكتسبة من ادلتها التفصيلية بالاستدلال" یعنی شریعت کے عملی احکام کو ان کے ماخذ اور تفصیلی دلائل جو بذریعہ استدلال حاصل ہوں کے ذریعہ جاننے کا نام فقہ ہے۔

مفتی وفقیہ کی خصوصیات:

فقہ کی ان تعریفات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ مفتی وفقیہ مجتہد ہی ہوسکتا ہے۔کہ مفتی کے اندر اجتہادی بصیرت کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے: "فليس الفقيه الا المجتهد عندهم واطلاقه على المقلد الحافظ المسائل مجاز" فقہاء کے نزدیک فقیہ صرف مجتہد ہی ہے مگر مقلد فقہی جزئیات ومسائل کے حافظ وعالم پر مجازا اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ شامی نے فتاویٰ شامی میں فقیہ کی تعریف یوں بیان کی ہے: "وقد استقر رأى الأصولين على ان المفتي هو المجتهد فاما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت، والواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كالامام على وجه الحكاية فعرف ان مايكون فى زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتي لياخذبه المستفتي" یعنی اصولیین کی علامہ شامی ... مفتی ...

مجتہد ہوتا ہے اور غیر مجتہد جو اقوال مجتہد کا حافظ ہو (حقیقتا) مفتی نہیں ہوتا ایسے شخص پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو بطور حکایت کسی مجتہد جیسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے فقہاء کا فتوی حقیقتا فتویٰ نہیں بلکہ مفتی مجتہد کے کلام کو سوال کرنے والے کے لئے نقل کرنا ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں شرعی حکم پر عمل کر سکے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، ۱/۱۶۲، دارالمعرفۃ بیروت)

سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فتاوی رضویہ میں فتوی کے حوالے سے فرماتے ہیں: "الفتوی حقیقة وعرفية فالحقيقة :هو الافتاء عن معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوى ويقال بهذا افتى الفقيه ابو جعفر والفقيه ابو الليث واضرابهما رحمهم الله تعالى،

والعرفية :اخبار العالم با قوال الامام جاهلا عنها تقليداله من دون تلك المعرفة كما يقال فتاوى ابن نجيم والغزى والطورى والفتاوى الخيرية وهلم تنزلازمانا ورتبة الى الفتاوى الرضوية جعلها الله تعالى مُرضية مرضية اٰمين"

ایک حقیقی فتوی ہوتا ہے اور ایک عرفی فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتوی دیا جائے۔ یہی وہ لوگ جن کو اصحاب فتوی کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابواللیث اور ان جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالی نے فتوی دیا، اور فتوائے عرفی یہ ہے کہ اقوال امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاوی ابن نجیم، فتاوی غزی، فتاوی طوری، فتاویٰ خیریہ، اسی طرح زمانہ و رتبہ میں ان سے فروتر فتاوی رضویہ تک چلے آیئے، اللہ تعالی اسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے، آمین [فتاوی رضویہ، ۱/۱۰۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

یہ تو تھا فقہ اور فتویٰ اب ذرا فقاہت کے سمندر کی طرف بھی نظر دوڑائیے کہ یہ سمندر ہے کیا اور اس میں غوطہ زنی کون کر سکتا ہے۔

فقاہت کے کیا معنی ہیں:

سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اُصول مقررہ و ضوابط محررہ و وجوہ تکلم و طرق تفاہم و تنقیح مناط و لحاظ انضباط و مواضع یسر و احتیاط و تجنب تفریط و افراط و فرق روایات ظاہرہ و نادرہ و تمیز درایات غامضہ و ظاہر و منطوق و مفہوم و صریح و محتمل و قول بعض و جمہور و مرسل و معلل و وزن الفاظ مفتین و سیر مراتب ناقلین و عرف عام و خاص و عادات بلاد و اشخاص و حال زمان و مکان و احوال رعایا و سلطان و حفظ مصالح دین و دفع مفاسدین و علم وجوہ تجریح و اسباب ترجیح و مناہج توفیق و مدارک تطبیق

ومسا لک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القافرماتا ہے: وما یلقٰھا الا الذین صبر وا وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم۔ اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحب توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، الحمد للہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔

وللہ الحمد تحدیثا بنعمۃ اللہ وما توفیقی الا باللہ، وصلی اللہ تعالٰی علی من امدنا بعلمہ وایدنا بنعمہ وعلٰی الہ وصحبہ وبارك وسلم اٰمین والحمدللہ رب العلمین ۔[فتاوی رضویہ،۱۶/۳۷۶،رضافاؤنڈیشن لاہور]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہ کس قدر مشکل فن ہے اور اس سمندر کو عبور کرنا یا اس میں ناؤ چلانا ماہر فن ہی کے بس کی بات ہے۔ صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی بہار شریعت کے بارہویں حصہ میں فرماتے ہیں

''فتوی دینا حقیقۃً مجتہد کا کام ہے کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب وسنت واجماع وقیاس سے وہی دے سکتا ہے، افتاء کا دوسرا مرتبہ نقل ہے یعنی صاحب مذہب سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اسے بیان کر دینا اس کا کام ہے اور یہ حقیقۃً فتوی دینا نہ ہوا بلکہ مستفتی کے لئے مفتی (مجتہد) کا قول نقل کر دینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے۔'' (بہارِ شریعت)

اب اس مفتی ناقل کو کتنا علم ہونا چاہئے اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''حدیث وتفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ، جو ان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے'' [فتاوی رضویہ،۱۸/۵۹۰،رضافاؤنڈیشن لاہور]

مفتی ناقل کی صفات بہار شریعت میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہاں تک تو جان لیا کہ فی زمانہ مفتی ناقل ہی کا وجود ہے اب اس بحر ذخار کی شناوری کون کر سکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ

کار ہے ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شامی ردالمحتار میں بحرالرائق کے حوالے سے فقہی مہارت کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ "انہ لا یحصل الابکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتھم والاخذ عن الاشیاخ" یعنی علم فقہ کثرت مراجعت تتبع عبارات فقہاء اور ماہر شیوخ سے باقاعدہ سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔[ردالمحتار ۲/۳/۱۷۱، دار المعرفۃ بیروت]

اور یہ فن اس قدر آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے دن رات کی محنت شاقہ اور مشکل مسائل میں خوب غور وخوض کرکے اسے حل کرنے سے حاصل کرنا ہوگا مزید تفصیل میں جائے بغیر میں اپنی بات کو قاضی ولید بن ابراہیم کے اس واقعہ پر سمیٹتا ہوں جسے تدریب الراوی اور قسطلانی کے حوالے سے شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ القوی نے ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' میں نقل کیا:

''آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے طلبہ کتنے آرام طلب ہیں علماء کتنے سہل پسند ہیں وہ سب پر ظاہر ہے ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشاد نقل کردینا ضروری سمجھتے ہیں شاید ہم کاہلوں کے لئے کچھ مہمیز کا کام کرے۔ تدریب الراوی وقسطلانی میں یہ مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم ''ری'' کی قضا پر فائز تھے ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مدعا کیا تو فرمایا: اے بیٹے! کسی کام کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو میں نے عرض کیا علم حدیث کے حدود و مقادیر کو بیان فرمائیں تو ارشاد فرمایا ''اعلم أن الرجل لا یصیر محدثا کاملا فی حدیثہ الابعد أن یکتب أربعا مع أربع کأربع مثل أربع فی أربع عند أربع بأربع علی أربع عن أربع لأربع و کل ھذہ الرباعیات لاتتم الا بأربع مع أربع فاذا تمت لہ کلھا ھان علیہ اربع و ابتلی بأربع فاذا صبر علی ذلک أکرمہ اللہ فی الدنیا بأربع و أثابہ فی الآخرۃ بأربع''

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہوسکتا۔

ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک بار رباعی دنیا میں ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر گھبرا گیا میں نے درخواست کی کہ اس کی شرح فرمادیں تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی:

أن یکتب أربعا: یعنی چار چیزیں لکھے اوّل احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوم، صحابہ کرام کے حالات اور ان کی تعداد، سوم تابعین کے احوال، چہارم بعد کے علماء کے احوال اور ان کی تاریخ۔

(۲) مع أربع: چار چیزوں کے ساتھ لکھے اول راویوں کے نام، دوم ان کی کنیت، سوم ان کی سکونت، چہارم ان کی ولادت اور وفات کی تاریخ۔

(۳) کأربع: چار کے مثل جیسے خطیب کے لئے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعا اور سورتوں کے لئے بسم اللہ اور نماز کے

لئے تکبیر لازم ہے اسی طرح راویوں کے نام کنیت جائے سکونت ولادت ووفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴) مثـــل أربـــع: چار کے مثل اول مسندات، دوم مرسلات، سوم موقوفات، چہارم قطوعات، ہرقسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵) في أربع: چار میں۔ اول کم سنی، دوم جوانی، سوم ادھیڑ عمر، میں چہارم بڑھاپے میں۔

(۶) عـنـد أربـع: چار حالتوں میں اول عدیم الفرصتی، دوم فرصت کے وقت، سوم کشائش کے وقت، چہارم تنگ دستی کے وقت۔

(۷) بأربع: چار جگہوں میں پہاڑ، سمندر، آبادی، جنگل۔

(۸) علی أربع: چار چیزوں، پتھروں، پر ٹھیکروں، پر چمڑوں، پر ہڈیوں، پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(۹) عـن أربـع: ان میں سے جو عمر میں بڑے ہوں، جو ہم عمر ہوں، جو عمر میں کم ہوں، اپنے باپ کی کتاب سے، اگر یہ یقین ہے کہ یہ اس کے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) لأربـــع: چار مقصد کے لئے۔ (۱) اللہ کی خوشنودی کے لئے (۲) اس پر عمل کرنے کے لیے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق (۳) اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لیے (۴) تالیف کے لیے تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں بغیر ان دو رباعیوں کے پوری نہ ہوں گی وہ یہ ہیں۔

(۱۱) الا بأربع: بغیر ان چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی لکھنے کا ڈھنگ علم لغت علم نحو علم صرف۔

(۱۲) مع أربع: ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں صحت، قدرت، شوق، قوتِ حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) هان علیه بأربع: چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے دشمنوں کے تیر ونشتر، دوستوں کی ملامت، جاہلوں کے طعن، علماء کے حسد سے، فاذا صبر علی ذلك' اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو۔

(۱۵) أکرمه الله في الدنیا بأربع: اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا قناعت کی عزت، ہیبت، علم کی لذت اور حیات ابد۔

(۱۶) وأثـابـــه فـي الآخـرة بأربع: اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ نبی صـلـی الله عـلـيه وسلم کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا، اعلیٰ علیین اور جنت میں انبیاء کرام کا جوارِ اقدس عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا، میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکٹھا کر کے سنا دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کرو یا یہ ارادہ ترک کردو۔

قاضی ولید نے کہا یہ سب سن کر مجھ پر ہول سوار ہو گیا میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا، ادب سے گردن جھکا دی تو امام بخاری نے فرمایا اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں تو فقہ حاصل کرلو، اس لئے کہ گھر بیٹھ کر فقہ حاصل کرنا ممکن ہے اس کے لئے لمبے لمبے سفر شہر شہر قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں، دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کر دیا اور فقہ حاصل کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس میں آگے ہو گیا۔" [نزہۃ القاری، ۱/۱۶۲، فرید بکسٹال لاہور]

میرے پیش نظر فاضل جامعہ نعیمیہ مرادآباد مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی زید مجدہ کا فتاویٰ ہے جو کہ حجم کے اعتبار سے اگرچہ کم مگر علمی اعتبار سے وقیع ہے جو فقہ کے مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ حضرت فاضل سے دوبدو ملاقات تو نہیں مگر ہمارے لاہور کے محترم و مکرم ثاقب رضا قادری زید مجدہ دوست ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمائے اہل سنت پر کام کرنے کے جذبے سے سرشار فرمایا ہے کئی علماء پر کام کر چکے ہیں مختلف ماہناموں میں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں، انہیں کے واسطہ سے حضرت کا تعارف ہے اور سوشل میڈیا کے ذریعہ حضرت کی علمی کاوشوں سے مستفیض ہوتا رہتا ہوں۔ موصوف مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ صدر الافاضل کی کتب پر تخریج و تحقیق کا کام بھی سرانجام دے رہے ہیں اور کہنہ مشق مدرس بھی ہیں۔

زیر نظر فتاویٰ کے مجموعہ کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا فاضل مصنف نے کافی محنت سے ان فتاویٰ کو ترتیب دیا ہے ہر مسئلے کو فقہ کی کتب معتبرہ سے مدلل و مزین کیا ہے۔ اوّل تا آخر ہر فتویٰ کئی کتب کے حوالوں سے مزین ہے بعض ذہنی الجھاؤ والے سوالوں کے خالص علمی انداز میں مسکت جواب دئے ہیں جو ان کے فقہی جزئیات کے استحضار پر دال ہیں ہمیں امید واثق ہے کہ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ، مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں لکھے گئے یہ فتاویٰ بھی فقہ میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و قلم میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

محمد حسین قادری غفرلہٗ

دارالافتاء کنزالایمان، کراچی

فتویٰ نویسی ایک جائزہ

فاضل جلیل عالم نبیل حضرت العلام
مفتی محمد کاشف رضوی دام ظلہ العالی
دارالافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

اللہ عزوجل نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا، ان نفوس قدسیہ نے خلق کو خالق سے مربوط کرنے کے لیے اپنے اپنے ادوار میں احکام شریعہ کی تبلیغ کی، انبیائے کرام کی اس مقدس سلسلہ کی تکمیل نبی آخرالزمان سیدالانس والجان رحمت عالمیان، سرورِکون ومکان، راحت قلب وجان، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذاتِ والاصفات پر ہوا، اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رہتی دنیا تک خلق خدا کی ہدایت وفلاح وصلاح ونجاح کے لیے حتمی لائحہ عمل ودستور عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کامل واکمل فرمادیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔(المائدۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شبانہ روز مساعی جمیلہ سے صحابہ کرام کی جماعت تیار فرمائی جس نے چہار دانگ عالم کو نور اسلام سے منور وتاباں کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حین حیات اور وصالِ ظاہری کے بعد بھی صحابۂ کرام نے تبلیغ اسلام کے فریضہ کو بحسن وخوبی نبھایا، مجاہدین اسلام فتوحات کے دائرے بڑھاتے رہے اور قریہ قریہ نگری نگری شریعت محمدی کے پھریرے لہراتے رہے۔

اصحاب کرام کے بعد تبلیغ دین کی ذمہ داری تابعین، تبع تابعین اور پھر ائمہ کرام وعلمائے عظام پر آئی۔ خدائے بزرگ و برتر کا کروڑہا کروڑ احسان کہ اس نے ہر دور میں ایسی ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا فرمائیں کہ جنھوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین میں صرف فرمادیں، نہ صرف تعلیمات اسلام کا پرچار فرمایا بلکہ جہاں جہاں اور جب جب دشمنانِ اسلام نے سر اٹھایا، اس مبارک جماعت نے اس کا بھرپور جواب دیا، یہ انہیں نفوس قدسیہ کی خدمات جلیلہ کا ثمرہ ونتیجہ ہے کہ آج ۱۴۰۰ چودہ سو سال گزرجانے کے بعد بھی شریعت محمدی اسی صاف وشفاف صورت میں ہمارے پاس ہے۔

جہاں وجود مصطفیٰ منفرد ہے وہیں امت مصطفیٰ بھی دیگر امتوں میں ممتاز ہے اور امت مصطفیٰ میں سب سے ممتاز درجہ پر علمائے اسلام ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں تبلیغ دین اور اشاعت علم پر صرف کریں علماء ہی کی شان میں اللہ عزوجل نے

ارشاد فرمایا''کیا علم والے اور بے علم برابر ہو جائیں گے اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے خاص کر ان کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کی شان یوں بیان فرمائی:

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی آدمی پر''(مشکوۃ)

حضرت علی سے روایت ہے:''علماء دنیا کے چراغ ہیں اور انبیاء کے جانشین ہیں اور میرے نزدیک دیگر انبیاء کے وارث ہیں''(کنز العمال)

عالم دین چاہے وہ کسی بھی فن کا ہو علم دین کی وجہ سے امت کے لیے فیض ورحمت ہے لیکن علمائے فقہ یعنی فقہا کا مقام سب سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے امت اپنے شرعی مسائل کے حل کے لیے انہیں کی طرف رجوع کرتی ہے۔

محدث کا شغف حدیث سے ہوتا ہے مفسر کا تفسیر سے اصولیوں کا اصول سے مگر فقیہ وہ ہوتا ہے جس کی نظر ہر علم وفن پر ہوتی ہے۔ فقیہ کو کبھی محدث بننا پڑتا ہے تو کبھی مفسر کبھی منطقی تو کبھی فلسفی۔ الغرض فقہ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر تمام علوم مجتمع ہیں۔ فتوی نویسی بھی اسی شجر کی ایک شاخ ہے ہم ذیل میں اس کا قدرے جائزہ لیتے ہیں

فتوی کی تعریف:

لفظ فتوی فاء کے فتحہ کے ساتھ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ منقول ہے لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں کسی بھی سوال کا جواب دینا اور ارباب علم کی اصطلاح میں لفظ فتویٰ شرعی حکم بیان کرنے کے لیے خاص ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی جانب ہی رجوع کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ کا حل ارشاد فرماتے ہاں بعض اوقات سرکار کی اجازت سے بعض صحابہ بھی فتوی دیا کرتے تھے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کسی علاقہ میں حاکم بنا کے بھیجتے تو اسے قرآن وحدیث اور قیاس سے مسائل مستنبط کرنے کی وصیت کرتے جیسا کہ جب حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو یہی تلقین فرمائی۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بافیض اور کمال تربیت نے صحابۂ کرام کے اندر ایسے مجتہدانہ شان کے افراد پیدا فرمائے جو سرکار کے وصال ظاہری کے بعد فتوی دیا کرتے تھے۔ زیادہ فتویٰ دینے والوں میں یہ صحابہ تھے

حضرت عمر بن الخطاب حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہ حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہم۔

صحابہ کرام کو جو فیض صحبت نبوی اور میراث علم نبوی کا حصہ ملا تھا وہ انہوں نے اپنے بعد والوں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ منتقل کیا مجتہد صحابہ کرام کے شاگردوں نے بعد میں مسند افتا سنبھالی مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن مسیب حضرت ابوسلمہ

بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عروہ بن زبیر یسار اور حضرت خارجہ بن زید فتوی دیا کرتے تھے انہیں کو فقہاے سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح علی بن ابی طلحہ اور عبدالملک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔

کوفہ میں ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان عامر بن شراحیل علقمہ شعبی۔

بصرہ میں حضرت حسن بصری یمن میں طاؤس بن یسان اور شام میں حضرت مکحول ابو ادریس الخولانی شراحیل بن سمک عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی اس کام میں مصروف تھے۔ اگر چہ ہر تابعی اپنی جگہ علم نبوی کے روشن ستارے تھے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سب کے درمیان آفتاب اور مہتاب بن کے نکلے۔ آپ کے بارے میں سرکار نے بشارت دی تھی کہ اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص اس کو حاصل کرلے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ خود علم وحکمت کے بحر ناپیدا کنار تھے اس کے باوجود بھی آپ نے مسائل کے حل کے لیے ایک مجلس مشاورت قائم کی تھی جس میں ہر فن کے امام شامل تھے مسائل مشاورت کے سامنے پیش کیے جاتے اور ان پر بحث ہوتی بعض اوقات تو بحثیں گھنٹوں اور دنوں چلتیں آخر میں جس پر اتفاق ہوتا وہ لکھ لیا جاتا۔

فقہ حنفی کی اشاعت میں امام اعظم کے شاگردوں کا خاص حصہ رہا گرچہ امام اعظم نے قضا قبول نہ کیا لیکن آپ کے شاگردوں نے مسند افتاء وقضاء سنبھالی جس کی وجہ سے فقہ حنفی اطراف عالم میں پھیل گیا۔

فقہ حنفی کو یہ شان بھی حاصل رہی کہ خلفاے عباسیہ کے دور سے لے کر ماضی قریب میں سلطنت مغلیہ تک اکثر اسلامی ممالک میں یہ قانونی شکل میں نافذ اور رائج رہا۔ ان صفات اور اقرب الی نصوص ہونے کی وجہ سے فقہ حنفی بہت مشہور ہوا یہی وجہ ہے کہ آج بھی پورے دنیا میں فقہ حنفی کے متبعین سب سے زیادہ ہیں۔

ہر دور میں اللہ عزوجل نے احناف میں ایسے امام پیدا کیے جنہوں نے احکام شریعت اور بالخصوص فقہ حنفی کے فروغ میں نمایاں کردار نبھایا فقہ حنفی پر مجلدات کی مجلدات لکھی گئیں۔

ہندو پاک میں کیوں کہ فقہ حنفی ہی عمومی طور پر رائج ہے اور ایک عرصہ تک یہاں پہ فقہ حنفی ہی قانونی شکل میں نافذ تھا اس لیے فقہ حنفی پہ یہاں کافی کام ہوا۔ عالم اسلام کا مشہور ترین فتاوی، فتاوی عالمگیری اسی سرزمین پر مرتب کیا گیا۔

ماضی قریب کے فقیہ اعظم جنہوں نے فقہ حنفی پہ سب سے زیادہ کام کیا وہ امام احمد رضا محدث بریلوی تھے آپ کے فتاوی کی تیس جلدیں آپ کے فقہ حنفی پہ عبور کی بین دلیل ہے۔

فتوی کی اہمیت اور مفتی کے شرائط:

فتوی لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) سوال کو کما حقہ سمجھنا

(۲) سوال کے لب ولہجہ سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے یہ سب سے اہم کام ہے جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظریہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

(۳) مفتی مخلص ہو

(۴) انتہائی ذہین وفطین ہو۔

(۵) زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو، عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

(۶) متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کیے ہوئے ہو اور اس کے حافظہ میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

(۷) کسی سے مرعوب نہ ہو۔

(۸) اتنا جری ہو کہ بلاخوف لومۃ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ نرمی۔

(۹) سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینان خاطر نہ ہو جائے کوئی حکم صادر نہ کرے۔

(۱۰) جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشین کرلے۔

(۱۱) متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو وغیرہ وغیرہ۔

مفتی کی تعریف:

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت علیہ الرحمہ نے مفتی کی ایسی جامع تعریف فرمائی ہے کہ اس کے بعد اس پر کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ''تفسیر وحدیث، اصول وادب ہیأت وہندسہ توقیت (بقدر ضرورت) کتب فقہیہ کا کثیر مشغلہ اشتغال دنیویہ سے یک گونہ فراغ قلب اور توجہ الی اللہ نیت لوجہ اللہ اور ساتھ ہی ساتھ توفیق من اللہ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے جو ان شرائط کا جامع ہو اور اس بحر ذخار میں شناوری کرسکتا ہو وہ مفتی ہوسکتا ہے۔''

الحمد للہ یہ ساری خوبیاں عزیزی مفتی محمد ذوالفقار نعیمی ککرالوی بدایونی صاحب میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں آپ کے فتاوی تحقیق انیق کے مظہر ہیں۔ اللہ عزوجل آپ کے علم وعمل میں خوب برکتیں عطا فرمائے اور امت کے لیے سرچشمہ فیض وبرکت بنائے۔ آمین

فقیر قادری محمد کاشف رضوی
خادم درس وافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

باب الایمان والکفر

نقل استفتاء

باسمی تعالیٰ

جناب مفتی صاحب السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل (قول) کہنے والوں کے لیے

(۱) کرشن کنہیا کافر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سو جگہ حاضر ہو گیا

(۲) لاالہ الااللہ چشتی رسول اللہ

(۳) بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا

کیا درج بالا لوگ مسلمان ہیں یا دائرۂ اسلام سے خارج ہیں

محمد شاہد صدیقی، محلہ ن خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ النّبی المختار الکریم

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے قبل سائل کو ایک اہم مسئلہ سے آگاہ کیا جاتا ہے، سائل نے استفتاء کے شروع میں "**باسمی تعالیٰ**" لکھا ہے یعنی اپنے لئے لفظ "تعالیٰ" استعمال کیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ "تعالیٰ" صرف اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے اور ہر وہ صیغہ جو اللہ کے لئے خاص ہو اس کا استعمال کسی بندہ کے لئے کرنا کفر ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

"اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جلّ وعلا ○○○○○ یکفر"

کسی نے مخلوق پر ان اسماء کا اطلاق کیا جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں تو وہ کافر قرار دیا جائے گا۔ [مجمع الانھرفی شرح ملتقی الابحر، ۴/۴۹۹]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"عزوجل مخصوص باللہ تعالیٰ فلایقال محمد عز وجل وان کان عزیزاوجلیلاً"

"عزوجل" اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جائے اگرچہ وہ عزیز و جلیل ہیں۔ [ردالمحتار، کتاب الخنثیٰ، ۱۰/۴۸۴]

شاید یہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے اگر ایسا ہی ہے اور حسن ظن ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو سائل خدا کی بارگاہ میں ازراہ احتیاط توبہ

واستغفار کر لے اور آئندہ اس طرح کا کوئی کلمہ خود کے لئے استعمال نہ کرے۔

اب بالترتیب جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

﴿۱﴾ ”کرشن کنہیا کافر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سو جگہ حاضر ہو گیا“ کہنے کا حکم

مذکورہ بالا قول کفر نہیں ہے اس کے قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ یہ قول دراصل حضور شیخ ابوالفتح جالندھری علیہ الرحمہ کا ہے جسے سبع سنابل شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے سبع سنابل شریف کے حوالے سے اس قول کو اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ ہم ذیل میں سیاق وسباق کے ساتھ اس قول کو نقل کرتے ہیں:

مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری را در ماہ ربیع الاوّل بجہت عرس رسول علیہ الصلاۃ والسلام از دہ جا استدعا آمد کہ بعد از نماز پیشیں حاضر شوند ہر دہ استدعا قبول کردند حاضراں پرسیدند کہ اے مخدوم ہر دہ استدعا قبول فرمودید وہر جا بعد از نماز پیشیں حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد فرمود کہ کشن کہ کافر بود چندصد جا حاضر می شد اگر ابوالفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب“

ماہ ربیع الاول شریف میں مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری کو میلاد پاک میں ظہر کے بعد شرکت کے لئے دس (۱۰) جگہ مدعو کیا گیا آپ نے قبول کر لیا۔

حاضرین نے پوچھا: اے مخدوم آپ نے دسوں دعوتیں قبول فرمالیں آپ ہر جگہ نماز کے بعد کیسے حاضر ہوں گے؟

فرمایا: کشن جو کافر تھا کئی سو جگہ حاضر ہو سکتا ہے اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہو کیا تعجب ہے۔

[فتاویٰ رضویہ جدید ۱۴/ ۶۵۷، ۶۵۸]

الحاصل: اس قول میں کوئی وجہ کفر نہیں ہے جس کے سبب قائل کو کافر کہہ سکیں۔ اس قول کو دراصل مخدوم ابوالفتح نے صرف یہ بتانے کے لئے بیان کیا ہے کہ جب کافر ہو کر کشن ایک وقت میں سیکڑوں مقامات پر جا سکتا ہے (جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے) تو میں مسلمان ہو کر دس (۱۰) مقامات پر جاؤں تو اس میں کیا تعجب ہے!!! یہ بات بالکل ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ کیسے بن سکتا ہے تو جواباً کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے ہوئے کافر جادوگروں کی لاٹھیاں سانپ بن سکتی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جائے کیا تعجب ہے!!! یا کوئی یہ پوچھے کہ پردہ فرمانے کے بعد اولیاء کرام ہماری آواز کیسے سن سکتے ہیں تو جواباً کہا جائے کہ جب ابوجہل وغیرہ کفار ومشرکین اپنے مرگھٹ سے آواز سن سکتے ہیں (جیسا کہ بخاری شریف میں ہے) تو اولیاء کرام اپنے مزارات سے ہماری آوازیں سنیں کیا تعجب ہے!!!

تو جس طرح ان دونوں مثالوں میں کفار ومشرکین کے فعل کی تحسین مقصود نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت معجزہ

اور مسلمانوں کی قوت سماعت کا اظہار مقصود ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا قول میں بھی کافر کے استدراج کی تحسین مقصود نہیں بلکہ استدراج پر فوقیتِ کرامت کا اظہار مقصود ہے۔

ہاں البتہ صرف اتنا ہی قول کرشن کنہیا کافر کی تحسین وتعریف کے طور پر بولا جاتا اور اس کے اس استدراج کو حق سمجھا جاتا تو ضرور محل کلام ہوتا۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ **"غمز العیون"** کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"اتفق مشائخنامن رای امر الکفار حسناً فقد کفر ۔

جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا باتفاق مشائخ کافر ہوگیا۔ [فتاوی رضویہ جدید،۱۴/ ۲۷۷]

﴿۲﴾ "لا الہ الااللہ چشتی رسول اللہ" کہنے والے کا حکم

کلمہ طیبہ میں **"محمد رسول اللہ"** کی جگہ کسی اور کا نام یا نسبت جیسے چشتی رسول اللہ، اشرف علی رسول اللہ کہنے والا اگر ہوش وحواس میں ہے تو بلا شبہ کافر ہے۔

البتہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کلمہ کو خواجہ غریب نواز کی طرف منسوب کر کے مولوی اشرف علی تھانوی کے کلمہ (**اشرف علی رسول اللہ**) کے دفاع میں پیش کیا جاتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ دیکھو خواجہ صاحب نے بھی تو یہی کہا تھا اب اگر اشرف علی تھانوی کافر ہے تو خواجہ صاحب بھی کافر ہیں۔ حالانکہ علماء اہل سنت کے نزدیک اس کلمہ کا انتساب خواجہ صاحب کی طرف جہلا کا الحاق ہے کتب تصوف میں بہت سے واقعات جاہلوں نے الحاق کر دئے ہیں۔ دیوبندی پیشوا مولوی رشید گنگوہی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے وہ لکھتے ہیں:

"بزرگوں کی حکایات اکثر جہلاء نے غلط بنادی ہیں۔" [فتاوی رشیدیہ،ص ۱۰۷]

لہٰذا علمائے اہلِ سنت کے نزدیک یہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور اس کی نسبت خواجہ صاحب کی طرف باطل و بے بنیاد ہے۔ مگر بر سبیل تنزل تسلیم بھی کرلیں کہ خواجہ غریب نواز نے یہ جملہ استعمال کیا ہے تب بھی اس سے خواجہ صاحب اور مولوی اشرف علی تھانوی کے کلموں میں زمین وآسمان کا فرق ہے خواجہ صاحب کے واقعہ کے شروع میں لکھا ہے:

"خواجہ درحالتے بود"

یعنی اس وقت خواجہ صاحب خاص حالت میں تھے۔

اور اس پر علماء واولیاء کا اتفاق ہے کہ حالت خاص میں ولی **مکلف** نہیں ہوتا ہے اور اس پر شریعت مواخذہ نہیں فرماتی ہے، جیسا کہ حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ کے کلمہ "انا لاحق" کو "**اناالحق**" سمجھنے کی بنیاد پر انہیں سولی چڑھا دیا گیا کیونکہ یہ کلمہ کفر ہے مگر دیوبندی عالم رشید گنگوہی سے جب اس بارے میں سوال ہوا کہ جب یہ کلمہ کفر ہے تو منصور حلاج کافر ہوئے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا:

"منصور معذور تھے بے ہوش ہوگئے تھے ان پر کفر کا فتوی دینا بے جا ہے" [فتاوی رشیدیہ،ص ۱۰۷]

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ ولی کا خاص حالت میں ہونا یعنی ہوش وحواس میں نہ ہونا ان کو معذور بنا دیتا ہے جس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس فتوی کی روسے بھی ثابت ہوگیا کہ خواجہ صاحب خاص حالت میں ہونے کے سبب شرعاً معذور ہیں۔

مزید یہ کہ خود اشرف علی تھانوی نے بھی اس کلمہ کو کلمہ کفر تسلیم نہیں کیا ہے وہ اپنی کتاب "**السنة الجلية في الجشتية العلية**" میں خواجہ صاحب کے واقعہ کو لکھنے کے بعد اس کے کلمہ کفر نہ ہونے سے متعلق لکھتے ہیں:

"کلمہ کفر جب ہے کہ مأول نہ ہو اور اگر یہ تاویل کی جائے کہ رسول سے مراد معنی لغوی ہوں اور عام ہوں بواسطہ و بلاواسطہ کو اور اس بنا پر یہ معنی ہوں گے کہ چشتی اللہ تعالیٰ کا پیام رساں اور احکام کی تبلیغ کرنے والا ہے بواسطہ رسول اللہ کے جیسا حدیث وارد فی المشکوۃ باب الوقوف بعرفة" میں ابن مربع انصاری صحابی کا قول ہے "إني رسول الله اليكم" جس میں رسول اول بمعنی لغوی ہے اور جیسے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادوں کو جو انبیاء نہ تھے سورہ یٰسین میں مرسل فرمایا ہے تو پھر کلمۂ کفر نہیں رہتا اسی طرح اگر یہ حمل تشبیہ بلیغ پر مبنی ہو جیسے ابو یوسف ابو حنیفہ میں سب کے نزدیک مسلّم ہے تب بھی کافر نہیں رہتا اور ظاہری و متبادر معنی مراد نہ لینے کی تصریح خود حضرت خواجہ صاحب کے اس قول میں ہے میں کون ہوں اور کیا چیز ہوں البتہ یہ سوال باقی رہا کہ موہم کا استعمال بھی تو جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجلس خاص تھی اور مخاطب و دیگر سامعین خوش فہم تھے اس لئے یہ مفسدہ محتمل نہ تھا اب رہی یہ بات کہ آخر مصلحت ہی کیا تھی جواب ظاہر ہے کہ مصلحت امتحان کی تھی اس طرح کہ اگر یہ راسخ العقیدہ ہے تو مجھ کو مخالف شریعت نہ سمجھے گا کوئی تاویل کرلے گا ورنہ بھاگ جائے گا۔"

[السنة الجلية في الجشتية العلية، باب سوم، ص ۱۲۵]

یہ الگ بات کہ خود مولوی اشرف علی تھانوی کے مجوزہ کلمہ کو علماء اہلسنّت کے علاوہ علمائے دیوبند نے بھی کفر قرار دیا ہے، جیسا کہ دیوبندی عالم مولوی سعید احمد اکبرآبادی مدیر ماہنامہ برھان - دہلی لکھتے ہیں:

"معاملات میں تاویل و توجیح اور اغماض و مسامحت کرنے کی مولانا میں جو خُو تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہرچند کلمہ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ **کے بعد اشرف علی** رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے **اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو** لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے" [ماہنامہ برھان دہلی شمارہ، فروری

۱۹۵۲ء ص،۱۰۷]

الحاصل: مذکورہ بالا تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا کلمہ خواجہ صاحب کی طرف منسوب ہے تب تو وہ حالت خاص میں ہونے کے سبب معذور اور شرعی گرفت سے محفوظ ہیں اور اگر اس کا قائل اور مؤید کوئی عام انسان ہے خواہ عالم ہی ہو یا ولی ہو مگر حالت خاص و سکر میں نہ ہو تو اس کلمہ کا حکم ''اشرف علی رسول اللہ'' کے مثل ہے کہ اس کا قائل اور مؤید از روئے شرع دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

﴿۳﴾ ''بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا'' کہنے کا حکم

استفتاء میں شعر غلط نقل کیا گیا ہے درست شعر اس طرح ہے

بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی ☆ ہے خداوندِ جہاں بندہ رسول اللہ کا

یہ شعر دراصل خواجہ یار فریدی صاحب علیہ الرحمہ (چاچڑاں شریف) کا ہے، جو اکابر اہل سنت سے ہیں۔

یہ شعر اپنے الفاظ و مفاہیم کے اعتبار سے بالکل صحیح و درست اور معنویت سے لبریز ہے۔ اس شعر کا سادہ سا مفہوم یہ ہے:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی غلامی و اطاعت کے صدقہ میں ہمیں ملکیت و حکومت ملی، بادشاہ رسول اللہ کا غلام ہے۔

دراصل شاعر نے اس شعر میں بندگی، خداوندی، خداوند جہاں، بندہ رسول اللہ، جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں جسے سمجھنے میں مستفتی کو الجھن پیش آرہی ہے لہٰذا راقم مذکورہ بالا الفاظ کی قدرے وضاحت پیش کئے دیتا ہے۔ تاکہ شعر سے متعلق سائل کی ذہنی اُلجھن دُور ہو جائے۔

''بندگی'' فارسی لفظ ہے اس کے چند معانی ہیں انہیں میں سے غلامی'' تابع داری'''' خدمت'' بھی ہے۔ دیکھیں لغات کشوری، صفحہ ۷۴، اور نور اللغات جلد اول صفحہ ۶۷۳۔

اور نبی کی تابع داری و غلامی سے کسے انکار ہے۔ قرآن میں ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار بن جاؤ۔

[کنز الایمان، پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۳۱]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اس کے محبوب بندوں کو اپنی اتباع کا حکم دیں۔

دوسرا لفظ ''خداوندی'' ہے یہ لفظ بھی فارسی ہے جس کا معنی ملکیت، بادشاہت ہے۔[فیروز اللغات اردو ۵۸۷]
اور شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ''گلستان'' میں (جو کہ اہل سنت کے علاوہ دیوبندی مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہے) جا بجا اس لفظ کو دنیاوی بادشاہت اور حکومت کے لئے استعمال کیا ہے [گلستان، صفحہ ۳۳]
تیسرا لفظ ''خداوند جہاں'' ہے یہ بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی بادشاہ ہے۔ گلستاں میں شیخ سعدی نے بادشاہ اتابک ابوبکر بن سعد بن زنگی کو ''خداوند جہاں'' لکھا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے دنیاوی بادشاہوں کو ''خداوند جہاں'' لکھا ہے۔[گلستاں، صفحہ ۱۵]

''بندہ'' بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی غلام، تابع دار ہے [لغات کشوری، ص ۴۷]
اور بندہ کی نسبت (اضافت) نبی کی طرف بلا قباحت جائز ہے قرآن شریف میں ہے:
''قل یعبادی'' [پارہ ۲۴ سورہ زمر، آیت ۵۳]
مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ کیا:
''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو''
اس میں بندوں کی نسبت (اضافت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔
علاوہ ازیں مولائے روم کی مثنوی شریف جس کے بارے میں دیوبندی پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کا کہنا ہے:
''دنیا میں تین کتابیں انوکھی ہیں قرآن شریف بخاری شریف مثنوی شریف''
اور دیوبندی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے چوبیس جلدوں پر مشتمل مثنوی کی شرح بنام کلید مثنوی لکھی ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس میں اس آیت کریمہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قل یا عباد

[مثنوی شریف، دفتر اول، ص ۶۵]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:
''قرآن میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بندہ کہہ کر پکارا ہے تمام جہان کو قل یا عباد پڑھ لے''
اور پھر اس کی شرح اس طرح کی ہے:
''تمام عالم کو (باعتبار معنی تسخیر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بندہ ارشاد فرمایا ہے چنانچہ تم آیہ ''قل یعبادی الذین اسرفوا'' کو پڑھ کر دیکھ لو'' [کلید مثنوی جلد ۲ دفتر ۱، ص ۱۲۵]
اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں مگر یہ مقام اس کا متحمل نہیں ہے۔

عبارات بالا سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مندرجہ بالا شعر میں مندرج الفاظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے ،لہٰذا مذکورہ بالا شعر اپنے الفاظ و مفاہیم کے اعتبار سے بالکل درست ہے اس میں از روئے شرع کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے اس کے لکھنے والے کو کافر قرار دیا جاسکے۔

هٰذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ و رسوله صلی الله علیه وسلم ۔

کتبہ

محمدذو الفقار خان نعیمی

۸/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿وجود باری کا انکار کرنے والے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسلمان ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہیں ہے اللہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اگر اللہ ہوتا تو مجھے بیٹا ضرور دیتا زید کے سب لڑکیاں ہیں۔ زید کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام کے لئے اپنے نواسے کو شہید کرادیا، وہ کیا ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں زید مومن ہے یا کافر؟ ایسے شخص سے تعلقات رکھنا یا ایسے کی نماز جنازہ میں شریک ہونا کیا جائز ہے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری محلہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحيم ۔ نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

زید اپنے جملہ خبیثہ کفریہ کے سبب کافر و مرتد ہوگیا زید پر فرض ہے کہ فوراً توبہ اور تجدید ایمان کرے اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح کرے نیز کسی پیر کامل سے مرید ہو تو ازسرنو بیعت بھی کرے۔ درمختار مع فتاوی شامی باب المرتد میں ہے:

مایكون كفراً اتفاقاًيبطل العمل والنكاح واولاده اولادزنا،ومافيه خلاف يؤمربالاستغفار والتوبة (أى تجديد الاسلام) وتجديد النكاح" [۶/۳۹۱]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولادِ زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی

واما ینسینك الشیطان فلا تقعد بعدالذکری مع القوم الظالمین ۔

[پارہ ۲۸: سورۃ الانعام آیت ۶۸]

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم

گمراہوں سے دُور بھاگو اُنہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[مسلم شریف، ۱/۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں اور مرنے پر اس کی نماز جنازہ میں بھی شریک نہ ہوں۔

والعلم عنداللہ تعالیٰ ۔

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مؤرخہ ۲۲/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فتوی کا انکار اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں

زید کا باپ جو کہ حافظ ہے اور زید مولوی ومفتی ہے زید کے باپ نے کچھ لوگوں کا سہارا لے کر قبرستان کی جگہ میں ایک مدرسہ کی تعمیر کی ہے جو کہ اس وقت ایک مانٹیسری اسکول کی شکل میں چل رہا ہے، جس میں ہندی، اردو، عربی کے ساتھ پڑھائی ہو رہی ہے اور فیس وظیفہ بھی لیا جاتا ہے گویا کہ حافظ صاحب مذکور نے اس کو ذریعہ معاش بنالیا ہے جس وقت اس مدرسہ کی تعمیر ہوئی تو اس وقت جامعہ نعیمیہ سے فتوی لیا گیا اور جامعہ کے اسٹاپ کو دعوت دی گئی جس میں ایک پروگرام اس سلسلے میں منعقد کیا گیا لیکن زید کے باپ نے کہا یہ فتوی ہمارے سر آنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے چونکہ کچھ لوگ جو اہل علم تھے وہ اس کے ساتھ اس کی حمایت میں تھے جب بستی کے علم دار لوگ زید کے خلاف ہوئے اور لعنت وملامت کی گئی کہ تم مولوی ومفتی ہو اس مسئلہ پر اپنے باپ کو اور جو لوگ تمہارے باپ کے ساتھ ہیں انہیں اس مسئلہ پر سمجھاؤ تو زید نے جمعہ کے دن بھری مسجد میں قسم کھائی کہ آپ لوگ مطمئن رہو اس کو میں توڑوں گا لیکن زید کا اس پر عمل نہیں ہوا بعدۂ اس مسئلہ پر ایک قاری صاحب نے زید کو سمجھایا کہ اس مدرسہ کو ختم کر دو تو زید نے قاری صاحب کو یہ جواب دیا کہ قاری صاحب یہ تو میں بھی جانتا ہوں

لیکن اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے۔ آیا اس صورتِ حال میں مدرسہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے یا جو لوگ اس میں چندہ دیں یا اس کی حمایت کریں ایسے لوگوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا اور زید مذکور کے الفاظ ''ہم کسی مفتی متقی کی بات نہیں مانیں گے'' اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے مہربانی فرما کر سب سوالوں کے جواب مدلل و مفصل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمادیں۔

دڑھیال ضلع رامپور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

وقفی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر از روئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وقف کی تبدیل جائز نہیں جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کرسکتے یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔ سراج وہاج پھر فتاوی ہندیہ میں ہے:

لا یجوز تغیر الوقف عن ھیأته

(وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں)

[فتاوی رضویہ جدید، ۹/ ۴۵۷]

لہٰذا حافظ مذکور پر لازم ہے فوراً قبرستان سے مدرسہ ختم کرے اور قبرستان میں کسی طرح کا کوئی تصرف نہ کرے ورنہ مستحق عذاب شدید ہوگا۔

حافظ مذکور کا یہ کہنا ''یہ فتوی ہمارے سر آنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے'' اس میں فتوی کا انکار بھی ہے اور علماء کی توہین بھی اور فتوی کا انکار کرنے والا اور علماء کی توہین کرنے والا گمراہ وکافر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''یہ شخص اگر خود عالم کامل نہیں تو مستند علمائے دین کے فتوے نہ ماننے کے سبب ضال وگمراہ ہے''

[فتاوی رضویہ جدید، ۲۱/ ۱۷۳]

مزید فرماتے ہیں:

''عالم دین کی توہین کو ائمہ نے کفر لکھا ہے، مجمع الانھر میں ہے:

''الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر''

(علماء اور اشراف کی توہین کفر ہے) ایسے شخص پر توبہ فرض ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۳/۲۸۱]

حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں: "خانیہ میں ہے: **رجلان بینهما خصومة فقال احدهما للاخر بیانا بعلم رویم فقال الاخر من علم چه دانم قال ابوبکر القاضی یکفر المجیب لانه یستخف بالعلم**

یعنی دو آدمیوں میں جھگڑا تھا ایک نے دوسرے سے کہا آؤ علم کی طرف چلیں دوسرے نے کہا میں علم کو کیا سمجھتا ہوں قاضی ابوبکر نے فرمایا یہ دوسرا کافر ہو گیا کیوں کہ اس نے علم کا استخفاف کیا۔

رمی میں ہے: **رجلان بینهما خصومة فجاء احدهما بخطوط الفقهاء والفتوی فقال الخصم لیس کما افتوا اوقال لانعمل بهذا وهما من عرض الناس کان علیه التعزیر**

اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تحریر فتوی کو کہہ دینا کہ ہم اس کو نہیں مانتے یا یہ ٹھیک نہیں ہے اس پر تعزیر ہوتی ہے لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ علماء کے جھٹلانے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل کی تکذیب کرنے پر جری ہوگئے ہیں" [فتاوی صدر الافاضل ص،۵۵۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فتوی کا انکار گمراہی ولائق تعزیر جرم اور علماء کی توہین کفر ہے۔ للہذا حافظ مذکور پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور اگر مرید ہو تو تجدید بیعت لازم وضروری ہے اور اگر حافظ مذکور ایسا نہ کرے تو مسلمانوں کو اس کا بائیکاٹ ضروری ہے اور جو لوگ حافظ مذکور کے معاون ہیں وہ لوگ بھی مرتکب جرم ولائق سزا ہیں۔

حدیث میں آیا:

من مشیٰ مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام

جو شخص جان بوجھ کر ظالم کی مدد کو چلا اس نے اسلام کا پٹہ گردن سے نکال دیا۔ [کنز العمال]

اور رہا حافظ مذکور کے بیٹے زید جو مفتی ہیں ان کا یہ کہنا کہ **"اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے"** اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہم شریعت نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی مانیں گے تو گویا یہ شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا ہے اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا شریعت کی توہین ہے اور شریعت کی توہین کفر ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لماجئت به .

تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا جبتک کہ اس کی طبیعت میری شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔ [مشکوۃ شریف]

اعلیٰ حضرت **"شریعت نامنظور ہے بلکہ رواج منظور"** کہنے والے کے متعلق فرماتے ہیں:

"عالمگیریہ میں ہے: **اذا قال الرجل لغیره حکم الشرع هذه الحادثة کذا فقال ذالك الغیر من**

برسم کارمی کنم نہ بشرع یکفر عندالمشائخ ۔

اقول و صورۃ النازلۃ اشد من ھٰذابکثیر فان ھٰذااخبارعن عملہ والرجل ربمایعمل بالمعصیۃ وھولایرضاھافیکون عاصیاًلاکافراًلعدم الاستحسان والاستحلال بخلاف ماثمہ فانہ صریح فی عدم قبول الشرع وترجیح الرسم علیہ فکان کالمسألۃ قبلھارجل قال لخصمہ اذھب معی الی الشرع قال بیادہ بیارتابروم بے جبر نروم یکفرلانہ عاندالشرع ۔

جب کسی نے دوسرے سے کہا کہ اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہے تو اس دوسرے نے جواباً کہا کہ میں تو رسم کے مطابق کروں گا نہ کہ شریعت کے مطابق تو بعض کے نزدیک یہ کافر ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں صورت نازلہ مذکورہ صورت سے بہت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس میں عمل کی اطلاع ہے اور آدمی بہت دفعہ معصیت کا عمل کرتا ہے مگر اسے گناہ تصور کرتا ہے اور دلی طور پر اس سے خوش نہیں ہوتا تو اب عاصی ٹھہرا نہ کہ کافر کیوں کہ اس نے اسے حلال تصور نہیں کیا بخلاف سوالیہ صورت کے یہاں قبول شرع کا انکار ہے اور رسم کو اس پر ترجیح دے رہا ہے یہ اس سے قبل والے مسئلہ جیسا ہے کسی نے مخالف سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل تو اس نے کہا کہ شریعت لا دے تا کہ میں چلوں بغیر جبر کے میں نہیں جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا کیوں کہ اس نے شریعت سے عناد روا رکھا۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۴/۲۹۲]

لہٰذا مفتی صاحب پر اپنے ادا کیے ہوئے جملہ خبیثہ کے سبب توبہ تجدید ایمان تجدید نکاح اور تجدید بیعت ضروری ہے۔

درمختار مع فتاوی شامی باب المرتد میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقایبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزنا،ومافیہ خلاف یؤمر باالاستغفار والتوبۃ (أی تجدیدالاسلام)وتجدیدالنکاح ۔[۶/۳۹۱]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولا دزنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا،نیز مفتی صاحب پر لازم ہے کہ اپنے والد صاحب کو سمجھائیں اور اگر نہ مانیں تو ان کے خلاف لوگوں کا ساتھ دیں گناہ پر والد کی مدد نہ کریں اور نہ ہی ان کی معصیت میں اتباع کریں۔حدیث میں ہے:

لاطاعۃ فی معصیۃ اللّٰہ انماالطاعۃ فی المعروف

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت ولحاظ نہیں بلکہ اطاعت نیک کام میں ہے۔[بخاری شریف۲/۱۰۷۸]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مورخہ ۲ ربیع النور ۱۴۳۳ھ

تصدیقات علماء کرام

الجواب صواب۔ ممتاز احمد نعیمی غفرلہ
لقد اصاب من اجاب۔ محمد سلیمان نعیمی برکاتی خادم الافتاء والتدریس جامعہ نعیمیہ مراد آباد
الجواب صحیح والمجیب نجیح۔ محمد سلطان رضا نعیمی خادم الافتاء والتدریس جامعہ غوثیہ حفیظ العلوم صدیقی مارکیٹ کاشی پور۔

حاتم طائی کا کفر وایمان اوراس کی سخاوت

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ حاتم طائی مسلمان تھا یا کافر اوراسے سخی کہنا کیسا ہے؟ دلائل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری) محمد تصور (امام) چمن مسجد پاکبڑا مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حاتم طائی کی بیٹی کو ایک جنگ کے موقع پر گرفتار کرکے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا تو حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور جواب مرحمت فرمایا۔

حاتم طائی کی بیٹی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے درج ذیل حدیث پاک کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

فقالت یامحمد صلی اللہ علیہ وسلم ان رأیت ان تخلی عنی ومااتشمت بی احیاء العرب فانی ابنة سیدقومی وان ابی کان یحمی الذمار، و یفك العانی ویشبع الجائع ویکسو العاری ویقری الضیف ویطعم الطعام ویفشی السلام ولم یردطالب حاجة قط

انا ابنة حاتم طيئ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاجارية هذه صفة المومنين حقالو کان ابوكِ مسلما (نوادرالاصول میں "اسلامیا" ہے بدایہ ونہایہ میں "مومنا" ہے) لترحمنا عليه خلوا عنهافان اباها کان یحب مکارم الاخلاق واللّٰہ تعالیٰ یحب مکارم الاخلاق الخ

[کنزالعمال لمتقی الهندی، ۳/۲۶۴، نوادرالاصول لحکیم الترمذی ۲/۲۷۷دلائل النبوۃللبیهقی،۵/۳۴۱،البدایہ والنہایہ، ۲/۲۷۱، احیاء علوم الدین للامام الغزالی،۲/۳۵۳]

حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے رہا فرمادیں اور اہلِ عرب کو مجھ پر نہ ہنسائیں میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ قوم کی حفاظت کرتا اور قیدی کو چھڑاتا بھوکوں کو کھانا کھلاتا مہمان نوازی کرتا اور کھانا کھلاتا اور سلام پھیلاتا اور کبھی حاجت مند کو نہ لوٹاتا۔ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لونڈی یہ تمام باتیں مومنین کی صفت ہیں۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ضرور ہم اس کے لئے دعائے رحمت فرماتے، (پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا) اسے چھوڑ دو اس لئے کہ اس کا باپ اخلاقی خوبیوں کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ اخلاقی خوبیاں پسند فرماتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان عدی بن حاتم اتی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابی کان یصل القرابة ويحمل الكل ويطعم الطعام قال هل ادرك الاسلام قال لاقال ان اباك كان يحب ان يذكر فذكر"

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے اور کھانا کھلاتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اسلام پایا کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے باپ شہرت پسند کرتے تھے تو وہ مشہور ہوگئے۔

[المعجم الکبیر للطبرانی ،۶/۱۹۷]

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حاتم طائی مسلمان نہیں ہے۔

رہا حاتم طائی کو "سخی" کہنا تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے البتہ بطور مدح اس کو سخی نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث سے اس کا کافر ہونا ثابت ہے اور از روئے شرع کافر تو کافر کسی فاسق کی بھی مدح جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں

ہے آتا ہے:

ان اللّٰہ عزوجل یغضب اذامدح الفاسق فی الارض ۔
جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش ۔
جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

[شعب الایمان للبیھقی ج۴ص ۲۳۱، باب فی حفظ اللسان]

ھٰذا ما عندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ ۔

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مورخہ ۲۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

باب الصلوٰۃ

رکعات نماز کا ثبوت احادیث سے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ کی بابت کہ کیا نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات یعنی فرض، سنت قبلیہ وبعدیہ، وتر ونوافل احادیث سے ثابت ہیں؟ عام کتابوں میں رکعات کا ذکر تو ہے البتہ احادیث کے حوالے سے نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات کا ذکر یکجا نہیں ہے۔ اگر رکعات نماز کے سلسلے میں احادیث کریمہ بیان فرمادیں تو بہتر ہوگا

محمد ثاقب رضا قادری ضیائی (مرکز الاولیاء لاہور پاکستان)

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم – نحمده ونصلّي علٰى حبيبه الكريم

یقیناً سبھی نمازوں کا ثبوت احادیث میں موجود ہے ہم قدرے اجمال سے ان احادیث کو بالترتیب قلمبند کرتے ہیں جن میں نماز پنج گانہ کا واضح ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

احادیث نبویہ کی روشنی میں فرض نمازوں کا اجمالی بیان

بخاری شریف میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

"جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس يسمع دوى صوته، ولا يفقه ما يقول حتى دنا فإذا هو يسأل، عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات في اليوم والليلة، فقال: هل على غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع"

(ایک شخص نجد کا رہنے والا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، رسول اللہ کے پاس آیا اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سنی جارہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے البتہ جب وہ قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی بابت پوچھ رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، وہ شخص بولا کہ کیا ان کے علاوہ بھی میرے اوپر فرض ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے پڑھے)

[١/١١، ١٢، باب الايمان، باب الزكوة من الاسلام]

الحاصل: مندرجہ بالا حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بندوں پر ایک دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔
کس نماز میں کتنی رکعات ہیں اب ہم اس کا تفصیلی بیان احادیث نبویہ کی روشنی میں قلمبند کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز فجر کی رکعات

نماز فجر کی سنت رکعات کا ثبوت

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی رکعتین خفیفتین بین النداء و الإقامة من صلاة الصبح

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں اذان اور اقامت کے درمیان ہلکی سے دو رکعت پڑھتے تھے)

[بخاری، ۱/۸۷، باب الاذان بعد الفجر، مسلم، ۱/۲۵۰، باب استحباب رکعتی سنة الفجر]

نماز فجر کی فرض رکعتوں کا بیان

بخاری شریف میں ہے "حدثنا سیار بن سلامة قال دخلت أنا وأبی علی أبی برزة الأسلمی فسألناه عن وقت الصلوات فقال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ○○○○○○ یصلی الصبح فینصرف الرجل فیعرف جلیسه، وکان یقرأ فی الرکعتین، أو إحداهما ما بین الستین إلی المئة"

(سیار بن سلامہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی سے ملنے گئے ہم نے ان سے نماز کے اوقات سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز اس وقت ادا کرتے جب کہ اتنی روشنی ہو جاتی کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا آپ دونوں رکعتوں میں یا ایک میں سو سے ساٹھ آیات تک تلاوت فرماتے تھے) [۱/۱۰۶، باب القراءة فی الفجر]

سنن ابوداؤد شریف میں ہے "عن قیس بن عمرو قال رأی رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلاة الصبح رکعتین فقال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم صلاة الصبح رکعتان فقال الرجل إنی لم أکن صلیت الرکعتین اللتین قبلهما فصلیتهما الآن فسکت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم"

(حضرت قیس بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے فجر سے پہلے کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں اس وقت وہ پڑھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی)

[سنن ابوداود ۱/۱۸۰، باب التطوع، باب من فاتته متی یقضیها]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث کریمہ کی روشنی میں صاف ہوگیا کہ فجر کی فرض نماز دو(۲) رکعت ہے اور اس سے قبل دو رکعات نماز سنت ہے۔

نماز ظہر کی ابتدائی چار رکعت سنتوں کا بیان

بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدع أربعا قبل الظهر"
(نبی ظہر سے پہلے کی چار رکعات کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔)

[بخاری، ۱/۱۵۷، باب الرکعتان قبل الظہر]

سنن بوداؤد وسنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ام حبیبہ سے مروی ہے فرماتی ہیں:

من حافظ علی أربع رکعات قبل الظهر وأربع بعدها حرمه اللہ علی النار
(جو شخص ظہر سے قبل اور بعد چار چار رکعات نماز (نوافل) کا اہتمام کرے، اللہ اسے آگ پر حرام کردے گا۔)

[سنن ابوداود، ۱/۱۸۰، باب الاربع قبل الظهر وبعدها، سنن ترمذی: ۱/۹۸، باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظهر، سنن ابن ماجه، ص ۱۸، باب ماجاء فیمن صلی قبل الظهر اربعا وبعدها اربعا]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت (سنت مؤکدہ) ہیں۔

نماز ظہر کے چار رکعات فرض کا ثبوت

صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں ہے:

"عن أنس بن مالك، رضی اللہ عنه، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر بالمدینة أربعا"

(حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں چار رکعت نماز ظہر ادا فرمائی)

[۱/۲۰۹، باب من بات بذی الحلیفة حتی أصبح[سنن ترمذی: ۱/۱۲۲، باب التقصیر فی السفر]

سنن دار قطنی میں ہے:

"عن أبی مسعود قال أتی جبریل علیه السلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قم فصل وذلك دلوك الشمس حین مالت الشمس فقام فصلی الظهر أربعا."
(حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور کہا کھڑے ہو جاؤ نماز پڑھو اور وہ سورج ڈھلنے کا وقت تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کھڑے ہوئے ظہر کی چار رکعت ادا فرمائی)

[۱/ ۱ ۳۶،باب عدد رکعات الصلوات الخمس]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے نماز ظہر کی فرض رکعات چار ثابت ہیں۔یعنی نماز ظہر میں فرض نماز چار رکعت ہے۔

نماز ظہر کے فرض کے بعد سنتوں اور نفل کی رکعتوں کا بیان

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی فرماتے ہیں

"صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ٥٥٥٥ر کعتین بعد الظھر"

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحیح بخاری، ۱/ ۱۵٦ ،باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی،سنن مسلم،]

اسی میں حضرت عنبسہ بن ابوسفیان سے مروی فرماتے ہیں:

"أخبرتني أختي أم حبيبة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن حبيبها أبا القاسم صلى الله عليه وسلم أخبرها قال ما من عبد مؤمن يصلي أربع ركعات بعد الظهر فتمس وجهه النار أبدا إن شاء الله عز و جل"

(مجھے میری بہن حضرت ام حبیبہ نے بتایا کہ ان کے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ کوئی مومن بندہ ایسا نہیں جو ظہر کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے اسے جہنم کی آگ چھوے اگر اللہ چاہے تو)

[سنن نسائی،۱/۲۰۱،باب الاختلاف علی اسماعیل]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے دو رکعت سنت مؤکدہ اور دو نفل ثابت ہیں۔ظہر کے فرض ادا کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعت (سنت مؤکدہ) فعلاً ثابت اور چار رکعت یعنی دو سنت مؤکدہ اور دو نفل قولاً ثابت ہیں۔

نماز عصر سے قبل کی چار رکعت سنتوں کا بیان

سنن ابوداؤد وترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعاً"

(اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل فرمائے جو عصر کی نماز سے قبل چار رکعات پڑھے)

[سنن ابوداود، ۱/ ۱۸۰ ،باب الصلاۃ قبل العصر،سنن ترمذی: ۱/ ۹۸،باب الاربع قبل العصر]

الحاصل: نماز عصر سے پہلے چار رکعت سنت (غیر مؤکدہ) ہیں۔

نمازعصر کی فرض رکعات

مسلم شریف اور سنن ابوداؤد میں حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے

”أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی العصر فسلم في ثلاث رکعات ثم دخل منزله فقام إلیه رجل یقال له الخرباق وکان في یدیه طول فقال یا رسول اللّٰه فذکر له صنیعه وخرج غضبان یجر رداء ه حتی انتهی إلی الناس فقال أصدق هذا قالوا نعم فصلی رکعة ثم سلم ثم سجد سجدتین ثم سلم“

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا پھر اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک آدمی کھڑا ہوا جسے خرباق کہا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ بھی لمبے تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے یاد دلا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے اور لوگوں تک پہنچ گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ سچ کہتا ہے لوگوں نے کہا کہ ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا)

[مسلم، ۱/۲۱۴،باب السهو في الصلاۃ والسجود له،سنن ابو داود، ۱/۱۴۶،باب في سجدۃ السهو]

سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

”قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم أتی جبریل علیه السلام ooooo حین کان ظله مثله فقال قم فصل فصلی العصر أربعا“

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے.....اس وقت جب کہ سایہ ایک مثل ہوگیا کہا کھڑے ہو جاؤ نماز پڑھو تو آپ نے عصر کی چار رکعت نماز ادا فرمائی)

[۱/۲۶۱،باب عدد رکعات الصلوات الخمس]

الحاصل: درج بالا احادیث سے عصر کی فرض نماز چار رکعت ثابت ہوئی۔

نمازمغرب کی فرض رکعات

مسلم شریف میں ہے:

”عن ابن شهاب ان عبیداللّٰه بن عبداللّٰه بن عمر أخبره أن أباه قال جمع رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم بین المغرب والعشاء لیس بینهما سجدۃ وصلی المغرب ثلاث رکعات“

(حضرت شہاب سے مروی ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی سجدہ نہیں کیا (یعنی کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں)

[مسلم، ۱/۴۱۷،باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة واستحباب صلاتي المغرب والعشاء]

حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا "كان أول ما افترض على رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة ركعتان ركعتان إلا المغرب فإنها كانت ثلاثا"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولاً دو دو رکعت نماز فرض ہوئی سوائے مغرب کے کہ وہ تین رکعت ہوئی)

[مسنداحمد ۶/۲۷۲]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب میں فرض نماز تین رکعت ہیں۔

مغرب کی سنت و نفل رکعات کا ثبوت

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں

"صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ooooo ركعتين بعد المغرب"

(میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحيح بخاری، ۱/۱۵۶ ،باب ماجاء في التطوع مثنى مثنى،صحيح مسلم]

سنن نسائی میں عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد المغرب ركعتين في بيته"

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[سنن نسائی، ۱/۱۰۰ ،باب الصلاة بعد الظهر]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز سنت (مؤکدہ) ہے۔

اور مؤخر الذکر حدیث سے مغرب کی نماز کے بعد سے عشاء تک بیس رکعت نفل نماز ثابت ہے، اس میں دو رکعت ابتدائی سنت (مؤکدہ) اور اس کے بعد ہمارے یہاں جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں اس کی اصل بھی اس میں موجود ہے۔

قبل عشاء سنتوں کی رکعتوں کا بیان

عشاء سے پہلے کی چار سنتوں کا ذکر کتب احادیث میں نہیں ہے البتہ فقہ حنفی کی کتاب "الاختیار لتعلیل المختار لابن المودود" میں حضرت عائشہ سے مروی درج ذیل روایت نقل کی گئی ہے جس میں عشاء سے قبل چار رکعات سنتوں کا ثبوت

موجود ہے

"عن عائشة أنه عليه الصلاة والسلام كان يصلي قبل العشاء أربعا"

(حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[٧٢/١]

نماز عشاء کی فرض رکعات

بخاری شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

شكا أهل الكوفة سعدا إلى عمر رضي الله عنه فعزلهواستعمل عليهم عمارا ، فشكوا ، حتى ذكروا أنه لا يحسن يصلي ، فأرسل إليه فقال يا أبا إسحاق إن هؤلاء يزعمون أنك لا تحسن تصلي ؟ قال أبو إسحاق: أما أنا والله فإني كنت أصلي بهم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أخرم عنها ، أصلي صلاة العشاء ، فأركد في الأولين ، وأخف في الأخريين"

(کوفہ والوں نے حضرت عمر سے حضرت سعد کی شکایت کی حضرت عمر نے حضرت سعد کو معزول فرما دیا اور عمار کو ان کا گورنر بنا دیا انہوں نے حضرت سعد کی بہت زیادہ شکایتیں کیں یہاں تک کہ وہ نماز بھی درست نہیں پڑھاتے تھے حضرت عمر نے انہیں بلا لیا اور ان سے کہا کہ اے ابواسحاق یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے تھے حضرت سعد بولے خدا کی قسم ان کے ساتھ میں نے ویسی نماز ادا کی ہے جیسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہوتی تھی، چنانچہ میں عشاء کی نماز پڑھاتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر لگاتا تھا اور اخیر کی دو رکعت ہلکی پڑھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابواسحاق تم سے یہی امید تھی)

[١٠٤/١ ،باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر]

الحاصل: مذکورہ بالا حدیث پاک کی روشنی میں ثابت ہوا کہ عشاء کی فرض نماز چار رکعت ہے۔

عشاء کے بعد کی سنت وتر اور نوافل رکعات

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی فرماتے ہیں

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي oooo بعد العشاء ركعتين"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے) [صحيح بخاري، ١٢٨/١ ،باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها،صحيح مسلم]

درج بالا حدیث سے فرض کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ثابت ہوتی ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

حدثنا زرارة بن أوفى أن عائشة رضى الله عنها سئلت عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جوف الليل فقالت كان يصلى صلاة العشاء فى جماعة ثم يرجع إلى أهله فيركع أربع ركعات"

(زرارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء جماعت سے ادا فرمانے کے بعد اپنے گھر والوں میں تشریف لے آتے تھے اور چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[سنن ابو داود، ۱/۱۹۰، باب صلاۃ اللیل]

اس حدیث پاک سے نماز عشاء کے فرض کے بعد چار رکعت نماز یعنی دو رکعت سنت (مؤکدہ) اور دو نفل کا ثبوت ملتا ہے۔

سنن ترمذی میں حضرت علی سے مروی فرماتے ہیں:

"كان النبى صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث ○○○ قال أبو عيسى وقد ذهب قوم من أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وغيرهم إلى هذا ورأوا أن يوتر الرجل بثلاث قال سفيان إن شئت أوترت بخمس وإن شئت أوترت بثلاث وإن شئت أوترت بركعة قال سفيان والذى أستحب أن يوتر بثلاث ركعات وهو قول ابن المبارك وأهل الكوفة "

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے..... امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں علماء صحابہ وغیرہم کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے کہ وتر میں تین رکعات پڑھی جائیں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ پانچ رکعت تین رکعت ایک رکعت جتنی چاہے پڑھے لیکن میرے نزدیک وتر کی تین رکعتیں پڑھنا مستحب ہے ابن مبارک اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے)

[سنن ترمذی: ۱/۱۰۶، باب فی الوتر بثلاث]

سنن نسائی میں حضرت ابی بن کعب سے مروی "ان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلاث ركعات"

(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعات پڑھتے تھے)[سنن نسائی، ۱/۱۹۱، باب كيف الوتر بثلاث]

درج بالا احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت

"أن رسول الله ﷺ رکع رکعتین وهو جالس بعدالوتر"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نماز بیٹھ کر ادا فرماتے تھے)

[سنن ابوداود، ۱/۱۹۱،باب فی صلاۃ اللیل]

الحاصل:احادیث بالا سے ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ہیں دو رکعت نفل اور تین وتر اور پھر دو نفل ،یعنی عشاء کے بعد کل سنن و نوافل سوائے تین رکعت وتر واجب کے چھ رکعت ہیں۔

نماز جمعہ سے قبل کی چار سنتیں

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"کان النبی صلی الله علیه وسلم یرکع قبل الجمعة أربعا."

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعت ادا فرماتے تھے)

[سنن ابن ماجه: ص ۷۹،باب ماجاء فی الصلاۃ قبل الجمعة]

الحاصل: مذکورہ حدیث پاک سے جمعہ کی فرض نماز سے قبل چار رکعت نماز (سنت مؤکدہ) ادا کرنا ثابت ہے۔

جمعہ کی دو رکعت فرض کا بیان

سنن نسائی میں ہے:

"عن عبد الرحمن بن أبی لیلی قال قال عمر صلاة الجمعة رکعتان"

(عبدالرحمن بن ابولیلی نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا جمعہ کی نماز دو رکعت ہے)

[سنن نسائی، ۱/۱۵۹،باب عددصلاةالجمعة]

سنن ابوداؤد میں حضرت نافع سے روایت ہے

"أن ابن عمر رأی رجلا یصلی رکعتین یوم الجمعة فی مقامه فدفعه وقال أتصلی الجمعة أربعا"

(حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر نے ایک شخص کو جمعہ کے دن اسی جگہ (جہاں اس نے جمعہ کی دو رکعت نماز ادا کی تھی) نماز ادا کرتے دیکھا تو آپ نے اس کو ہٹایا اور فرمایا کہ کیا جمعہ کی چار رکعت نماز پڑھ رہا ہے (یعنی جمعہ کی نماز تو دو رکعت ہے تو اسی جگہ جہاں پر ابھی جمعہ کی دو رکعت پڑھی ہیں دو اور پڑھ رہا ہے گویا جمعہ کی چار رکعت پڑھ رہا ہے؟)

[سنن ابو دائود، ۱/۱۶۰،باب الصلاۃبعدالجمعۃ]

الحاصل: احادیث کریمہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی فرض نماز دورکعت ہے۔

جمعہ کے بعد کی سنتوں کا بیان

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

" قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا صلی أحدکم الجمعۃ فلیصل بعدھااربعاً"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے)

[مسلم، ۱/۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعدالجمعۃ]

درج بالا حدیث سے نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنا ثابت ہے۔اورمندرجہ ذیل احادیث سے ان چار رکعت کے علاوہ دورکعت نماز کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے

"أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ooo، وکان لا یصلی بعد الجمعۃ حتی ینصرف فیصلی رکعتین"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد واپس آ کر دورکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[صحیح بخاری، ۱/۱۲۸،باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلھا]

صحیح مسلم میں حضرت سالم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

"أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین"

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دورکعت نماز پڑھتے تھے)

[مسلم، ۱/۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعدالجمعۃ]

الحاصل: درج بالا احادیث سے جمعہ کے فرض ادا کرنے کے بعد چھ رکعت نماز ادا کرنا ثابت ہے۔جس میں چار رکعت نماز سنت مؤکدہ اوردو بعد والی سنت غیرمؤکدہ ہے۔ھٰذاماعندی والعلم اتم عنداللّٰہ تعالیٰ ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۶/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

﴿اذان واقامت سے قبل درود شریف پڑھنا اور بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے کی امامت کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) ہمارے یہاں اذان اور اقامت سے پہلے مؤذن بلند آواز سے درود شریف پڑھتا ہے اور امام صاحب نماز کے بعد دعا سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ کچھ لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں۔

(۲) ہماری مسجد کے امام صاحب دیوبندی غیر مقلد اور شیعہ حضرات سے خوب میل جول رکھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی محمد ندیم بٹ جامع مسجد میترا ضلع رام بن جموں کشمیر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ـ نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

(۱) اذان واقامت سے قبل اور نماز کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا جائز بلکہ مستحب ومستحسن ہے۔خواہ دھیری آواز میں پڑھیں یا بلند آواز میں۔

جو لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کے لئے دلائل درکار ہیں ان سے شرعی دلائل طلب کریں زندگی بھر نہ پائیں گے۔البتہ اس کے جواز واستحباب پر بے شمار دلائل موجود ہیں چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

”عن عروۃ بن الزبیر عن امرأۃ من بنی النجار قالت کان بیتی من أطول بیت حول المسجد و کان بلال یؤذن علیہ الفجر فیأتی بسحر فیجلس علی البیت ینظر إلی الفجر فإذا رآہ تمطی ثم قال اللھم إنی أحمدک و أستعینک علی قریش أن یقیموا دینک قالت ثم یؤذن قالت و اللّٰہ ما علمتہ کان ترکھا لیلۃ واحدۃ تعنی ھذہ الکلمات“[سنن ابو داؤد ۱/۷۷،باب الاذان فوق المنارۃ]

(حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بنی نجار کی ایک صحابیہ خاتون سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے اردگرد جو گھر تھے ان سبھی گھروں کے مقابلے میرا گھر زیادہ بلند تھا۔حضرت بلال فجر کی اذان اسی پر کہتے تھے وہ پچھلی رات آکر مکان کی چھت پر بیٹھ جاتے اور فجر طلوع ہونے کا انتظار کرتے جب اسے دیکھتے

تو انگڑائی لیتے اور یہ کلمات کہتے (اے اللہ! میں تیری حمد وثنا بیان کرتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں اس بات پر کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں) پھر اذان کہتے۔ وہ صحابیہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتی کہ انہوں نے کسی رات یہ کلمات ترک کئے ہوں۔)

اس حدیث سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اذان سے پہلے بلند آواز سے قریش کے لیے دعا کرنا ثابت ہوا۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ درود وسلام بھی دعا ہی ہے تو جب قریش کے لئے اذان سے پیشتر دعا مانگی جاسکتی تو سردار قریش، قریش کی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا بھلا کیوں ناجائز ہوسکتی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"اول ما زید الصلاۃ والسلام بعد کل اذان علی المنارۃ فی زمن السلطان المنصور حاجی بن الاشرف شعبان بن حسین بن الناصر محمد بن المنصور قلاوون بامر المحتسب نجم الدین الطنبدی وذلک فی شعبان سنۃ احدی وتسعین وسبعمائۃ وکان حدث قبل ذلک فی ایام السلطان صلاح الدین بن ایوب ان یقال قبل اذان الفجر فی کل لیلۃ بمصر والشام السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستمر ذلک الی سنۃ سبع وستین وسبعمائۃ فزید بامر المحتسب صلاح الدین البرلسی ان یقال "الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ثم جعل عقب کل اذان سنۃ احدی وتسعین وسبعمائۃ"

(اذان کے بعد درود وسلام کا سب سے پہلے آغاز شعبان المعظم ۷۹۱ھ میں سلطان حاجی بن اشرف کے دور میں محتسب نجم الدین طلنبذی کے حکم سے ہوا اور اس سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور مبارک میں مصر اور شام کے تمام شہروں میں فجر کی اذان سے پہلے السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ ۷٦۷ھ تک جاری رہا اس کے بعد محتسب صلاح الدین برلسی کے حکم پر "الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا اضافہ کیا گیا اور پھر ۷۹۱ھ سے ہر اذان کے بعد اس کو شروع کر دیا گیا)[الوسائل الی معرفۃ الاوائل، مخطوطۃ، ص۲۰]

علامہ سخاوی اپنی کتاب "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" میں فرماتے ہیں

"قد احدث المؤذنون الصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعۃ فانہم یقدمون ذلک فیہا علی الاذان والا المغرب فانہم لا یفعلونہ اصلا لضیق وقتہا وکان ابتداء حدوث ذلک من ایام السلطان

الناصر صلاح الدین ابی المظفر یوسف بن ایوب وامرہ ۰۰۰ وقداختلف فی ذلک ھل ھو مستحب او مکروہ بدعة او مشروع ۰۰۰ والصواب انه بدعة حسنة یوجر فاعله بحسن نیته"

(موذن حضرات نے پانچوں نمازوں میں اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا آغاز کیا فجر اور جمعہ کی اذان سے پہلے درود وسلام پڑھتے تھے اور مغرب میں وقت تنگ ہونے کے سبب نہیں پڑھتے تھے اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے دور میں ان کے حکم سے ہوئی۔اس کے مستحب اور مکروہ، بدعت، جائز، ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن ٹھیک یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ ہے اچھی نیت سے کرنے والا اجر پائے گا)[صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶، مطبع دار الریان]

دیوبندی مشہور عالم زکریا کاندھلوی اپنی کتاب فضائل اعمال میں فتاوی شامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''علماء نے تصریح کی ہے اس کے استحباب کی جمعہ کے دن .....اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت اور دعا مانگنے کے شروع میں بیچ میں اور اخیر میں'' [فضائل اعمال، فضائل درود شریف، ص ۶۷]

اعلی حضرت اقامت سے پیشتر درود شریف پڑھنے سے متعلق رقمطراز ہیں:

''درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے۔''

فتاوی فیض الرسول میں ہے:

''اذان واقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے مگر درود شریف پڑھنے کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان واقامت پڑھے تاکہ دونوں کے درمیان فصل ہو جائے یا درود شریف کی آواز اذان واقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز رہے'' [۱/۱۸۰]

اور رہا نماز کے بعد دعا سے پیشتر درود شریف پڑھنا تو یہ تو دعا کی مقبولیت کی دلیل ہے بارگاہ رسالت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ترمذی شریف میں ہے:

''عن فضالة بن عبید قال :بینا رسول اللّٰه صلی اللہ علیه و سلم قاعدا إذ دخل رجل فصلی فقال اللھم اغفر لی وارحمنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم عجلت أیھا المصلی إذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو أھله وصل علی ثم ادعه قال ثم صلی رجل آخر بعد ذلك فحمد اللہ وصلی علی النبی صلی اللہ علیه و سلم فقال له النبی

صلى الله عليه و سلم أيها المصلى ادع تجب'

(حضرت فضالہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر نماز ادا کی پھران الفاظ سے

''اللهم اغفر لی وارحمنی'' دعا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا او نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھے تو بیٹھ جا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کر اس کی شان کے مطابق اور پھر مجھ پر درود پڑھ پھر دعا مانگ حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی دعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی)[ترمذی شریف]

الحاصل: درودوسلام خواہ اذان سے پہلے پڑھا جائے یا اذان کے بعد اقامت سے پہلے پڑھیں یا نماز کے بعد ہر طرح جائز ومستحب اور باعث برکت ہے۔

(۲) جو امام بدمذہبوں سے میل جول رکھتا ہے اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق بھی ہے تب تو وہ بھی کافر و بدمذہب ہے۔ اور اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق نہیں بلکہ ان کو گمراہ و کافر تسلیم کرتا ہے لیکن ان سے میل جول رکھتا ہے تو ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق امام کی اقتداء ناجائز وحرام ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے

''إمامة الفاسق مكروهة تحريما''

(فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے)[۳۰۲،فصل فی بیان احق بالامامة]

امداد الفتاح شرح نور الایضاح میں ہے:

''كره إمامة الفاسق العالم لانه لايهتم لامر دينه ولان فى تقديمه للامامة تعظيمه وقدوجب إهانته شرعا''

(فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے اس لئے کہ وہ اپنے دینی معاملات کا اہتمام نہیں کرتا اور اس لئے کہ اس کو امامت کے لئے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ از روئے شرع اس کی توہین واجب ہے)

[ص ۳۴۲ فصل فی بیان احق بالامامة]

هٰذا ماعندی والعلم عندالله تعالىٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ ۲۶/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

بدمذہب کی نماز جنازہ بدمذہب امام کی اقتداء میں پڑھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) ہمارے گاؤں گلڑیا میں ایک دیوبندی کا انتقال ہوگیا اس کی نماز جنازہ بھی دیوبندی امام نے پڑھائی کچھ سنی حضرات نے نماز جنازہ میں شرکت بھی کی مٹی بھی اور اس کے لئے ایصال ثواب بھی کیا شریعت میں ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز جن لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی ان میں سے ایک شخص مسجد میں اذان واقامت بھی پڑھتا ہے تو کیا اس کی اذان واقامت درست ہے یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

محمد ریاست علی، محمد وسیم احمد، محمد سلیم گلڑیالہری کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کے سبب دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھنا اگر انہیں مسلمان سمجھ کر ہے تو پڑھنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اس پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید بیعت، اور تجدید نکاح لازم وضروری ہے اور اگر لاعلمی میں یا انہیں کافر جانتے ہوئے پڑھے تو سخت گنہگار ہے اس پر توبہ لازم ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ [سورہ توبہ آیت ۸۴]

(اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مرگئے)

حضور صدر الافاضل اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے جنازے کی نماز اور ان کے دفن میں شرکت کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر کے جنازے کی نماز کسی حال میں جائز نہیں اور کافر کی قبر پر دفن وزیارت کے لئے کھڑے ہونا بھی ممنوع ہے'' [کنز الایمان، سورہ توبہ آیت ۸۴]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''فلاتوا کلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم''

(بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو)

[کنز العمال ۱۱/۵۴۰]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"جسے یہ معلوم ہو کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے پھر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا کہ پیچھے نماز پڑھنا اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ان کو مسلمان سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو مسلمان سمجھنا کفر ہے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کو کافر مرتد لکھا اور صاف فرمایا کہ "من شك في كفره وعذابه فقد كفر" جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان جاننا درکنار ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر اور جن کو اس کی خبر نہیں اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ یہ برے لوگ بدعقیدہ بد مذہب ہیں وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے سخت اشد گنہگار ہوتے ہیں اور ان کی وہ نمازیں سب باطل و بیکار"

الحاصل:۔ صورت مسئولہ میں دیوبندی کی نماز جنازہ دیوبندی امام کے پیچھے پڑھنے والوں نے اگر میت اور امام دونوں کو مسلمان سمجھ کر پڑھی ہے تو وہ لوگ توبہ، تجدید ایمان، تجدیہ بیعت، اور تجدید نکاح کریں، اور جن لوگوں نے میت اور امام دونوں کو ان کے عقائد کفریہ کے سبب کافر ہی جانا لیکن رسماً یا کسی اور سبب سے جنازہ میں شرکت کی وہ توبہ واستغفار کریں، اور جب تک وہ توبہ نہ کریں ہرگز ان کے لئے اذان اور اقامت پڑھنا جائز نہیں ہے۔ هٰذا ماعندی والعلم عندالله تعالیٰ.

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۴/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

﴿امام کا حافظ قرآن ہونا ضروری نہیں﴾

محترم المقام واجب الاحترام جناب مفتی صاحب! سلام مسنون

بعدۂ عرض یہ ہے کہ ایک امام ایسا ہے کہ جس پر لوگوں کو قرآن یاد ہونے پر اختلاف ہے اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کو قرآن یاد نہیں ہے لھذا یہ بتائیں کہ ایسے امام کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو امامت سے اسی وجہ سے ہٹانا درست یا نہیں؟ از روئے شرع جواب دیں۔

المستفتی عبدالغفار گلرو یا لہیر کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم – نحمده ونصلّي علىٰ حبيبه الكريم

صورت مسئولہ میں امام میں کوئی ایسی کمی نہیں جس کے سبب ان کی اقتدا نا جائز ہو یا انہیں امامت سے ہٹایا جائے ،مکمل قرآن کا یاد ہونا امام کے لئے ضروری نہیں ہے ،بس اس قدر قرآن یاد ہو کہ نماز میں قراءت مسنونہ ادا ہو جائے کافی ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

"حافظا من القرآن قدر ما تقوم به سنة القراء ة وقيده المصنف في الكافي بأن يكون حافظا قدر ما تجوز به الصلاة ، وينبغي أن يكون المختار قولا"

(قراءت مسنونہ کی مقدار حافظ قرآن ہو اور مصنف نے کافی میں مقید کیا اسے کہ امام اتنے قرآن کا حافظ ہو جس سے نماز جائز ہو جائے اور مناسب ہے کہ یہی قول مختار ہو)[۱/ ۶۰۷ ،باب الامامة]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة هكذا في المضمرات وهو الظاهر هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراء ة قدر ما تقوم به سنة القراء ة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه كذا في الكفاية وهكذا في النهاية"

(امامت کے سلسلے میں وہ شخص زیادہ بہتر ہے جو احکام نماز لوگوں سے زیادہ جانتا ہو ایسا ہی مضمرات میں ہے اور یہی ظاہر ہے یہ بحرالرائق میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ قراءت بھی بقدر مسنون جانتا ہو ایسا ہی تبیین میں ہے)[فتاوی هنديه، ۱/ ۸۳،فصل في بيان احق بالامامة]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"اگر واقع میں امام اول نہ وہابی ہے نہ غیر مقلد نہ دیوبندی نہ کسی قسم کا بدمذہب ،نہ اس کی طہارت یا قرأت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی وجہ کراہت ،بلا وجہ اس کو معزول کرنا ممنوع ہے حتی کہ حاکم شرع کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ ردالمحتار میں ہے "ليس للقاضي عزل صاحب وظيفة بغير جنحة "یعنی بلا وجہ شرعی قاضی بھی امام کو معزول نہیں کرسکتا" [فتاوی رضویہ قدیم ،۳/ ۲۴۱]

الحاصل: اگر امام میں کوئی شرعی کمی نہیں ہے تو اتنی سی بات پر کہ لوگوں کا خیال ہے امام کو قرآن یاد نہیں ،امام کی اقتدا نہ کرنا اور انہیں امامت سے معزول کرنا جائز نہ ہوگا۔

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۷ /شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

مکروہ اوقات کا بیان اور فجر کا مستحب وقت

محترم مفتی صاحب السلام علیکم! آپ کی خدمت میں کچھ سوال پیش کرر ہا ہوں جواب دے کر ممنون فرمائیں؛

(۱) نماز کے مکروہ وقتوں کے بیان میں طلوع آفتاب ،غروب آفتاب اورنصف النہاران تینوں وقتوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ نفل نہ ادانہ قضانہ سجدہ سہونہ سجدہ تلاوت معلوم یہ کرنا ہے کہ طلوع آفتاب اورغروب آفتاب کا مطلب سورج کا پوری طرح نکل آنااورڈوب جانا ہے یا سورج نکلنے اورڈوبنے کا ابتدائی وقت مراد ہے؟

(۲) فجر کی نماز کس وقت پڑھنا مستحب ہے؟

مقبول انصاری پنت نگر
کوارٹر نمبر ۶۹۶ ، پنت نگر ضلع اودھم سنگھ نگر
۲۵؍ مارچ ۲۰۱۴ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

(۱) جس وقت سے سورج نکلنا شروع ہو اُس وقت سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانے تک کے وقت کو طلوع آفتاب سے اور جب سورج سرخ ہو جائے اس پر نگاہ ٹھہرنے لگے اس وقت سے سورج بالکل ڈوب جانے تک کے وقت کو غروب آفتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علمائے کرام کے تجربات کے مطابق یہ وقت بیس (۲۰) منٹ کا ہوتا ہے یعنی طلوع آفتاب بیس منٹ اور غروب آفتاب بھی بیس منٹ ۔ان دونوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں البتہ غروب آفتاب کے وقت اس دن کی عصر پڑھنے کی اجازت ہے لیکن بلا عذر تاخیر نا جائز ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

حدالطلوع قدررمح اورمحين وفي المصفیٰ مادام يقدرعلى النظرالى قرص الشمس فهي في الطلوع لاتباح الصلاة فاذا عجز عن النظريباح ۔

طلوع شمس کی حد سورج کا ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانا ہے اور مصفی میں ہے جب تک سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہے تو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں اور جب نگاہ کرنے سے عاجز آجائے تو اس وقت نماز جائز ہے)[باب الاوقات التی تکرہ فیھاالصلاۃ ، ۱/ ۹۷]

محیط برہانی میں ہے:

اذاطلعت حتى ارتفعت قدررمحين اوقدررمح تباح الصلاة وكان الشيخ الامام الجليل

ابوبکر محمدبن الفضل رحمه الله يقول مادام الانسان يقدرعلى النظرالى قرص الشمس فالشمس في الطلوع لا تباح فيه الصلاةفاذاعجزعن النظرتباح فيه الصلاةوقال الشيخ الامام ابو محمد عبدالله بن الفضل مادامت الشمس محمرة اومصفرةعلى رؤوس الحيطان والجبال والاشجارفهي في الطلوع فلاتحل الصلاةفاذاابيضت فقد طلعت وحلت الصلاة .

جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ ایک نیزہ یادونیزہ بلند ہوجائے تو نماز جائز ہےاور شیخ ابوبکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ جب تک انسان سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہوتو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں جب نگاہ کرنے سے عاجز آجائے تو اس وقت نماز جائز ہے اور شیخ ابومحمد عبداللہ بن فضل نے فرمایا کہ جب تک دیواروں کے سروں پر اور پہاڑوں اور پیڑوں پر سورج سرخ یا زرد رہے تو وہ طلوع میں ہے تو نماز جائز نہیں جب سفید ہوجائے تو سورج طلوع ہو چکا، اب نماز جائز ہے۔

[١/٣٨٧،الفصل الثالث في بيان الاوقات التي تكره فيهاالصلاة]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ثلاث ساعات لاتجوزفيهاالمكتوبة ولاصلاة الجنازة ولاسجدة التلاوة اذاطلعت الشمس حتى ترتفع وعندالانتصاف الى ان تزول وعنداحمرارهاالى ان تغيب الاعصريومه ذلك فانه يجوز اداؤه عندالغروب هكذافي فتاوى قاضي خان"

تین اوقات جن میں فرض نماز، نمازِ جنازہ اور سجدہ تلاوت جائز نہیں جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ بلند ہوجائے اور سورج کے قائم ہونے کے وقت سے زوال تک اور سورج کے سرخ ہونے سے لے کر اس کے ڈوبنے تک مگر اس دن کی عصر کہ اس کا ادا کرنا سورج ڈوبنے کے وقت تک جائز ہے ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے)[الفصل الثالث في بيان الاوقات التي لاتجوزفيهاالصلاةوتكره فيها، ١/٥٢]

اعلی حضرت فرماتے ہیں:

''تجربہ سے یہ وقت بیس منٹ ثابت ہوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقت کراہت آجائے گا اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہوجائے گی۔'' [فتاوی رضویہ قدیم،٢/٢١٥]

(۲) فجر کی نماز کا مستحب وقت

حدیث شریف میں ہے:

اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر .

فجر کی نماز خوب اُجالا کر کے پڑھو اس میں زیادہ ثواب ہے۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

یستحب تاخیر الفجر ولا یؤخرها بحیث یقع الشك فی طلوع الشمس بل یسفر بها بحیث لو ظهر فساد صلاته یمكنه ان یعیدها فی الوقت بقراء ة مستحبة كذا فی التبیین .

فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ طلوع شمس میں شک پڑ جائے بلکہ اس قدر اجالا ہو جانے پر نماز پڑھے کہ اگر نماز کا فساد ظاہر ہو تو دوبارہ وقت کے اندر قراءت مستحبہ کے ساتھ نماز لوٹا نا ممکن ہو ایسا ہی تبیین میں ہے۔[۱/ ۵۲،۵۳ الفصل الثانی فی بیان فضیلة الاوقات]

فتاوٰی شامی میں ہے:

حد الاسفار ان یمكنه اعادة الطهارة ولو من حدث اكبر كما فی النهر والقهستانی واعادة الصلاة علی الحالة الاولی قبل الشمس .

اسفار کی حد یہ ہے کہ طہارۃ اگر چہ حدث اکبر سے ہو اس کا اعادہ ممکن ہو جیسا کہ نہر اور قہستانی میں ہے اور نماز کا اعادہ بہتر طریقہ پر سورج نکلنے سے قبل ممکن ہو۔ [كتاب الصلاة، ۲/ ۲۴]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کما فی البحر الرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے...... مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولی کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہو سکے“

مزید دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”رہا یہ کہ حد اسفار کی کیا ہے بدائع و سراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو حصے کیے جائیں حصہ اول تغلیس اور آخر میں اسفار ہے اور امام حلوائی و قاضی امام ابو علی نسفی وغیرہما مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقراءت مسنونہ ترتیل و اطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ نسیان حدث پر متنبہ ہو تو وضو کر کے پھر اسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز آفتاب طلوع نہ کرے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

[فتاوٰی رضویہ قدیم ۲/ ۳۶۰،۳۶۵]

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

کلماتِ اذان و اقامت کی ادائیگی کا سنت طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ کیا اذان میں اللہ اکبر اور دیگر کلمات اذان کو مجزوم پڑھا جائے گا یا متحرک شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری) محمد عمر

(خطیب وامام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

اذان میں اللہ اکبر کی راء اور دوسرے کلمات اذان کا آخری حرف ساکن پڑھا جائے گا۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

وحاصلها أن السّنة أن يسكنَ الرّاء من اللّٰه اكبر الاوّل او يصلها باللّٰه اكبر الثّانية فان سكنها كفٰى وان وصلها نوى السكون فحرّك الرّاء بالفتحة فان ضمها خالف السنة

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی اللہ اکبر کی راء کو ساکن کرنا سنّت ہے یا وصل کرے پہلی اللہ اکبر کا دوسری سے تو اگر ساکن کرے کافی ہے اور اگر وصل کرے تو سکون کی نیت کرے پس راء کو فتحہ کی حرکت دے پس اگر ضمہ دیا خلاف سنت کیا۔ [ردالمحتار ۲/ ۵۲، کتاب الصلاۃ باب الاذان]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والترسل أن يقول اللّٰه اكبر اللّٰه اكبر ويقف ثم يقول مرةً اخرى مثله وكذالك يقف بين كلّ كلمتين الى آخر الاذان ooooo ويسكن كلماتهما على الوقف .

اور ترسل یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور وقف کرے پھر دوسری مرتبہ اسی کے مثل کہے۔ اور ایسے ہی ہر دو کلموں کے درمیان وقف کرے اذان کے آخر تک اور اذان و اقامت کے کلمات وقف پر ساکن کرے۔

[الفتاوی الهنديه، ۱/ ۵۶، الفصل الثانی فی کلمات الاذان]

مراقی الفلاح میں ہے:

ویجزم الراء فی التکبیر ویسکن کلمات الاذان والاقامة فی الاذان حقیقة وینوی الوقف لقوله صلی الله علیه وسلم الاذان جزم والتکبیر جزم والاقامة جزم ۔

اور تکبیر میں راء کو جزم کرے اور اذان و اقامت کے کلمات ساکن کرے اذان میں حقیقۃً اور وقف کی نیت کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اذان اور تکبیر اور اقامت جزم ہے، کی وجہ سے)[۱/۱۳۲]

الحاصل: کلمات اذان واقامت کو مجزوم پڑھنا ہی درست ومشروع ہے۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۹ ر رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿غیر وسط میں محراب کی رعایت جائز نہیں﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کا محراب بیچ صف میں نہیں ہے بلکہ دو چار فٹ ہٹ کر ہے امام صاحب اس میں نماز پڑھاتے ہیں اور اگر کبھی پہلی صف میں نماز پڑھاتے ہیں تو نہ محراب کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں اور نہ درمیانِ صف میں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ درمیان صف میں کھڑے ہوا کریں تو وہ کہتے ہیں یہی ٹھیک ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کا محراب میں یا درمیان صف سے ہٹ کر نماز پڑھانا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی

حاجی عبدالواحد انصاری پاکیزہ مسجد کچہری کے پاس کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم – نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

حدیث شریف میں ہے:

توسطوا الامام۔

امام کو بیچ میں کھڑا کرو۔

ملا علی قاری طیبی کے حوالہ سے اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای اجعلوا امامکم متوسطابان تقفوا فی الصفوف خلفه وعن یمینه وشماله

یعنی اپنے امام کو درمیان میں کھڑا کرو اس طور پر کہ تم صفوں میں امام کے پیچھے اس کے دائیں

اور بائیں کھڑے ہو جاؤ) [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصف، ۱۶۲/۳]

حدیث شریف کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ وسط صف ہے، نا کہ محراب۔ محراب تو درحقیقت وسط مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بتانے کے لیے موضوع ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

ان المحاريب مانصبت الاوسط المساجد وهي قدعينت لمقام الامام .

(محراب مساجد کے بیچ میں ہوتے ہیں اور وہ امام کی جائے قیام کے لئے متعین ہیں) [كتاب الصلاة باب الامامة ۲/ ۳۱۰]

اور اس کا مسجد کے وسط میں ہونا ہی سنت متوارثہ ہے تو اگر محراب غلطی سے غیر وسط میں بن جائے تو اس میں امام کھڑا نہ ہو۔ یوں ہی مسجد کے جس حصہ میں بھی نماز پڑھی جائے تو وسط صف کا لحاظ ہوگا نہ کہ محراب کی رعایت۔ کیوں کہ امام کا درمیان صف میں کھڑا ہونا سنت ہے اور غیر وسط میں موجود محراب کی رعایت کرتے ہوئے غیر وسط میں کھڑے ہونے سے سنت کا ترک لازم آ رہا ہے جو مکروہ ہے فتاوی شامی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ اور امام بکر خواہر زادہ کی مبسوط کے حوالے سے ہے:

السنة ان يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان لوقام في احدجانبي الصف يكره .

چند سطور بعد فرماتے ہیں:

السنة ان يقوم الامام ازاء وسط الصف .

[فتاوی شامی كتاب الصلاة باب الامامة ۲/ ۳۱۰]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وينبغي للامام ان يقف بازاء الوسط فان وقف في ميمنة الوسط اوفي ميسرته فقداساء لمخالفة السنة .

[ج ا ص ۸۹، الفصل فی بیان مقام الامام والماموم]

اعلی حضرت فرماتے ہیں:

امام کے لئے سنت متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود ہے وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو تو امام وسط صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی ومتوارث ہے محراب صوری کہ طاق نما ایک خلا وسط دیوار قبلہ میں بنانا حادث ہے اسی محراب حقیقی کی علامت ہے یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کا اتباع نہ ہوگا مگر مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت وانتفائے کراہت وامتثال ارشاد حدیث "توسطوا الامام" [فتاوی رضویہ جدید، ۳۷/۷]

الحاصل: امام صاحب کو چاہیے کہ محراب میں نماز پڑھائیں یا مسجد کے کسی اور حصہ میں لیکن درمیان صف کا لحاظ ضرور

رکھیں، شریعت کے معاملہ میں لاپرواہی سے کام نہ لیں، بہارِ شریعت وغیرہ کتب مسائل کو مطالعہ میں رکھیں اپنی اور مقتدیوں کی نماز کی حفاظت کریں۔

هٰذا ما عندی والعلم عندالله تعالٰی

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه ۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

﴿امام کا محراب سے ہٹ کر نماز پڑھانے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام وحامیان دین مسئلہ ذیل میں کہ محراب سے باہر نکل کر امام صاحب کا نماز پڑھانا سنت کے مطابق ہے یا کہ خلاف یا کیا؟ اگر سنت کے خلاف ہو تو حدیث کے خلاف عمل کرنے پر کیا وعید آئی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت درکار ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی عبدالغفور مرادآباد

۲۲/جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحیم – نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

امام ابن عابدین شامی درمختار کے حاشیہ میں فتاوی تاتارخانیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

وفي التاترخانيه :ويكره أن يقوم في غير المحراب الالضرورة و مقتضاه أن الامام لوترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لانه خلاف عمل الأمة .

اور تاتارخانیہ میں ہے کہ امام کا محراب چھوڑ کر کھڑا ہونا بلاضرورت مکروہ ہے اور اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اگر امام محراب چھوڑ کر دوسری جگہ کھڑا ہو گیا تو مکروہ ہے اگر چہ بیچ صف میں ہی کھڑا ہو اس لئے کہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔

[کتاب الصلاۃ باب مایفسدالصلاۃ ومایکرہ فیھا، ۲/۴۱۵]

اور حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

سئل عما اذا صلی فی غیر المحراب الذی عینہ الواقف للامام قال الحموی رأیت فی فتاوی الشمس الغزی أنہ لم یر نصاً فی الکتب علی ذالک اہ و الظاھر أنہ مکروہ لفوات غرض الواقف

اس بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر محراب جس کو واقف نے امام کے لئے معین کیا ہے اس کے غیر میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا امام حموی نے فرمایا کہ میں نے فتاوی شمس غزی میں دیکھا کہ انہوں نے اس پر کوئی نص کتابوں میں نہیں دیکھی الخ اور ظاہر یہ کہ وہ واقف کی غرض کے فوت ہونے کے سبب مکروہ ہے) [۱/۲۷۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فاقول محقق سامی علامہ شامی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ در ہر دو باب کلام امام امام الکلام وکلمات علمائے کرام ازمبسوط ودرایہ و تاتار خانیہ آوردہ مقتضایش وانمود کہ قضیہ این سخن کراھت ترک محراب است مرامام رامطلقاً اگرچہ میانۂ صف ایستد"

میں کہتا ہوں محقق سامی علامہ شامی نے دونوں مقامات پر امام کی گفتگو جو کلام کی امام ہے اور دیگر فقہاء کرام کی مبسوط، درایہ اور تاتارخانیہ کے حوالے سے جو عبارات نقل کی ہیں ان کا مقتضی یہ ہے کہ امام کے لئے محراب کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ صف کے درمیان ہی میں کھڑا ہو۔ [فتاویٰ رضویہ جدید، ۷/۳۳۱]

مزید فرماتے ہیں:

این ہمہ ھا دلیل روشن است بر آنکہ اصل مقصود توسیط امام ست نہ نفس قیام فی المحراب آرے غالب آنست کہ محراب مقام تعادل طرفین ست چون صف کامل باشد خود ظاھر ست و آن گاہ بترک محراب ترک سنت مقصودہ بالفعل نقدوقت ست ورنہ در عامہ مساجد استکمال صف بہ پس آیند گان مرجوو متوقع می باشد وزیادتش بنھجیکہ توسط موجود از ھم باشد پس ترک محراب تعرض بترک سنت ومخالف عمل امت بود واحکام فقھیہ بر امور غالبہ انسحاب یابد ازین امر حکم بہ سنیت قیام فی المحراب کردہ اند۔

یہ سب اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ اصل مقصود امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہے محراب میں کھڑا ہونا مقصود نہیں، ہاں اغلب یہی ہے کہ محراب ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں جانبوں میں برابری ہوتی ہے۔ جب صف مکمل ہو تو خود ظاہر ہے کہ اس وقت محراب کو چھوڑنا موقعہ پر سنت مقصودہ کو ترک کرنا یعنی وسط کا ترک لازم آئے گا، ورنہ عام مساجد میں بعد میں آنے والے حضرات سے صف کا مکمل ہونا متوقع ہوتا ہے اور صف سے

زائدبھی ہوسکتے ہیں لیکن توسط موجود ہونے پر کوئی حرج نہیں پس اس صورت میں محراب کو ترک کرنا سنّت کا ترک اورامت کی مخالفت ہوگی۔اوراحکام فقہیہ اکثر طور پر امور غالبہ پر جاری کیے جاتے ہیں اسی وجہ سے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو سنت قرار دیا گیا ہے'') [مرجع سابق،ص ۳۳۵]

آگے فرماتے ہیں:

اقول انچه بالا گفته ایم غایت توجیه کلام آں فاضل علام بودوهنوز گل نظرے دمیدن دارد مأثور ومورث چنانکه دانی هماں قیام امام درمحراب حقیقی ست وآں مقام اشرف موضع وصدر مسجد ست چنانکه شنیدی پس ترك اوبے عذرشرعی عدول ازافضل وخلاف متوارث العمل۔

میں کہتاہوں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس فاضل علام کے کلام کی غایت توجیہ ہے اور جو کچھ منقول ومتوارث ہے وہ امام کا محراب حقیقی میں قیام ہے اور وہ مقام سب سے اعلیٰ اور صدر مسجد ہوتا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے لہٰذا اس کا ترک بغیر کسی عذر کے افضل سے اعراض اور متوارث عمل کے خلاف ہے) [مرجع سابق،ص ۳۵۴]

عبارات مذکورہ سے صاف ظاہر ہوگیا کہ امام کا محراب سے ہٹ کر نماز پڑھانا مکروہ،خلاف سنت،عمل متوارث کے خلاف ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه ۱۵/رمضان المبارك ۱۴۳۳ھ

﴿امام اور مقتدی کے درمیان شیشے کے دروازے مانع اقتدا نہیں﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں ہماری مسجد میں اندر کے حصہ میں (AC) اے سی لگا ہوا ہے،جس کی وجہ سے اندر کے دروازے جو شیشے کے ہیں بند کرنے پڑتے ہیں مگر وہ اس طرح بند ہوتے ہیں کہ آنے جانے والے آجا سکتے ہیں تو ایسی صورت میں جو لوگ صحن میں نماز ادا کرتے ہیں ان کی نماز میں کوئی خرابی تو لازم نہیں آتی ؟حکم شرع بیان فرمائیں۔

(قاری)محمد قاسم(خطیب وامام)

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صحن میں موجود نمازیوں پر اگر امام صاحب یا دیگر مقتدیوں کے حالات مشتبہ نہ ہوں وہ انہیں دیکھ پا رہے ہوں اور امام یا مکبر کو سن پا رہے ہوں تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"یصح ان کان صغیرا لایمنع او کبیرا وله ثقب لا یمنع الوصول و کذااذا کان الثقب صغیرا یمنع الوصول الیه لکن لایشتبه علیه حال الامام سماعا ورویة هو الصحیح و اما اذا کان الحائط صغیر ایمنع ولکن لایخفی حال الامام فمنهم من قال یصح الاقتداوهو الصحیح هکذا فی المحیط وان کان فی الحائط باب مسدود قیل لایصح الاقتدالانه یمنعه من الوصول وقیل یصح لان وضع الباب للوصول فیکون المسدود کالمفتوح هکذافی محیط السرخسی" [۱/۸۸]

اگر امام اور مقتدی کے درمیان چھوٹی دیوار ہو جو مقتدی کو امام تک پہونچنے سے نہ روکے یا بڑی دیوار ہو لیکن اس میں سوراخ ہو جو مقتدی کو امام تک پہنچنے میں مانع نہ ہو تو اقتدا صحیح ہے اور ایسے ہی اقتدا صحیح ہے جب کہ سوراخ چھوٹا ہو جو امام تک پہنچنے سے روکے لیکن امام کا حال سننے اور دیکھنے کے اعتبار سے مقتدی پر مشتبہ نہ ہو یہی صحیح ہے اور جب دیوار چھوٹی ہو اور وہ امام تک پہنچنے سے مانع ہو لیکن امام کا حال مقتدی پر مشتبہ نہ ہو تو بعض علماء نے فرمایا اقتدا صحیح ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایسا ہی محیط میں ہے اور اگر دیوار میں دروازہ بند ہو- کہا گیا ہے اقتدا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام تک پہنچنے سے مانع ہے اور کہا گیا کہ اقتدا صحیح ہے اس لئے کہ دروازہ پہنچنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے تو بند دروازہ کھلے ہوئے کی طرح ہے ایسا ہی محیط سرخسی ہے۔

الحاصل: صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلیٰ ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

وہابی و دیوبندی امام کے پیچھے نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے سیکڑوں مسلمانوں کی اصلاح کی، پختہ صوم وصلوۃ کا پابند بنایا، والدین کا فرماں بردار بنایا۔حتی کہ قول وفعل میں نیک وصالح بنایا بکر کا کہنا ہے کہ زید کے کئی عقیدت مندوں کے ساتھ میرے اچھے تعلقات ہیں میں نے دیکھا بعض خاص عقیدت مند کے علاوہ نماز کے پابند ایسوں کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں جن پر علماء حق کا کفر کا فتوی ہے جیسے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ابن تیمیہ وغیرہ اور ان کے متبعین۔ حالانکہ حسام الحرمین میں واضح طور پر غیر مقلدین اور عقائد دیو بند سے اتفاق رکھنے والوں پر صریح کفر کا استحقاق لازم آتا ہے اور زید کے خاص پیروکار واقف بھی ہیں حتی کہ زید بھی اس سے واقف ہے لیکن زید نے ابھی تک اپنی تحریر اور تقریر میں اس سے منع نہیں کیا ہے۔اس سبب سے بکر زید کے عقیدے کو صحیح نہیں سمجھتا۔اُس کا دعوی ہے کہ جب علماء اہل سنت واعظین وفقہاء نے جن کے کفر کا فتوی دیا ہے تو ان کو یا ان کے متبعین کو امام بنانا کیسے ممکن ہوسکتا ہے حضور کی بارگاہ میں عرض ہے کہ زید اور ان کے متبعین جو مستحق کفر کی اقتداء کرتے ہیں یا جو جانتے ہوئے خاموش رہتے ہیں ان سب کو کس عقیدہ کا سمجھنا چاہیے، حضرت کی بارگاہ میں التماس ہے کہ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

مستفتی (مولانا) احمد اللہ، کویت۔

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

دیوبندی وہابی اپنے عقائد خبیثہ کے سبب کافر و مرتد ہیں نہ ان کا ایمان ایمان ہے نہ ان کی نماز نماز ہے۔ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنا ناجائز وحرام ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

روی عن أبی حنیفة وأبی یوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز ۔

اسی میں ہے

فلا تجوز الصلاۃ خلف المبتدع[۲/ ۱۰۰، ۱۰۲]

اعلیٰ حضرت شرح عقائد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

مانقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاۃ خلف المبتدع فمحمول علی الکراھة اذلا کلام فی کراھة الصلاۃ خلف الفاسق والمبتدع ھذااذالم یؤد الفسق والبدعة الی حد الکفر اما اذا ادی الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلاۃ خلفه ۔

بعض اسلاف سے یہ جو منقول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز منع ہے یہ کراہت پر محمول ہے کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا فسق اور بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچے ہوں اگر حدِ کفر تک پہنچ جائیں تو ان کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

[فتاوی رضویہ قدیم،۳/۰۷

مزید فرماتے ہیں:

''دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، ہوگی ہی نہیں، فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ علاوہ۔'' [فتاوی رضویہ قدیم،۳/۲۳۵]

بلکہ اگر کوئی شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر اقتدا کرتا ہے تو ''من شك في عذاب وكفره فقد كفر'' کے پیش نظر وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

زید کا اپنے معتقدین کے اس کفریہ عمل پر مطلع ہونے اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہابیہ کافر ہیں اور ان کے پیچھے ان کو مسلمان سمجھتے ہوئے نماز پڑھنا کفر ہے۔

خاموش رہنا اگر رضامندی پر منحصر ہے تو بلاشبہ زید بھی کافر قرار دیا جائے گا اس لئے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ علامہ ابن حجر ہیتمی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں

الرضابالكفر كفر

کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے

مزید فرماتے ہیں:

ومن المكفرات ايضا ان يرضى بالكفر .

کفریات میں سے یہ بھی ہے کہ کفر پر راضی ہو۔ [ص ۷،۱۹]

اور اگر زید اس سے راضی تو نہیں بس خاموش ہے تو اگر اس کے لئے اپنے معتقدین کو اس کفریہ فعل سے روکنے میں کوئی شرعی مجبوری نہیں ہے تو زید مداہنت فی الدین کا مرتکب اور از روئے شرع مجرم ہے بلکہ حدیث پاک کے مطابق **گونگا شیطان** ہے۔

شرح نووی میں ہے:

من سكت عن الحق فهو شيطان أخرس'' [۱/۱۲۸]

زید سے منسلک افراد پر لازم ہے کہ فوراً اس سے سارے تعلقات منقطع کر لیں اس سے دُور ہو جائیں ورنہ وہ بھی شریعت کے مجرم و گنہگار قرار دیے جائیں گے اور جو لوگ دیابنہ و وہابیہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں وہ اپنے اس فعل سے باز آئیں

توبہ کریں اور آئندہ ان کے پیچھے کوئی نماز ادانہ کریں اور ان کی اقتداء میں ادا کی گئی ساری نمازوں کو دوبارہ ادا کریں۔ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی نمازیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں تو نیک سنی صحیح العقیدہ امام ہی کی اقتدا کریں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان سر کم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیار کم

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے نیک تمہاری امامت کریں

[مستدرک للحاکم، ۳/۲۲۲]

تنبیہ: بکر کا زید کے عقیدہ کی صحت سے انکار کرنا صرف اس بنیاد پر کہ زید نے اپنے معتقدین کو اس حرام فعل سے منع نہیں کیا درست نہیں۔ بکر پر لازم ہے جب تک زید سے قولاً یا فعلاً کوئی کفر سرزد نہ ہو اس کے عقیدہ سے متعلق رائے زنی سے باز آئے۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۵/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

دیابنہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع حسب ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) دیوبندی کے پاس جماعت میں سنی کھڑا ہو تو اس کی نماز میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

(۲) دیوبندی کے یہاں شادی غمی میں شریک ہونا یا کھانا وغیرہ کھانا کیسا اور اگر کوئی شریک ہو گیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) دیوبندی وہابی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

اراکین کمیٹی نوری جامع مسجد ٹانڈہ ملور رام نگر

نینی تال

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالوں کے جواب بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) جماعت میں اگر دیوبندی شریک ہو تو ضرور فرق آئے گا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ نماز نہ پڑھیں کہ ان کی نماز نماز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث میں ہے:

ولا تصلوا معھم

ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ [مرجع سابق]

نیز حضور اعلیٰ حضرت اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جماعت میں غیر مقلد (وغیرہ) کے شریک ہونے سے ضرور نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے.....اس کی شرکت سے صف قطع ہوگی کہ اس کی نماز نماز نہیں ایک بے نمازی شخص صف میں کھڑا ہوگا اور یہ صف کا قطع ہے اور صف کا قطع ناجائز ہے صحیح حدیث میں فرمایا "من قطع صفاقطعه اللّٰه" (جس نے صف قطع کی اللہ تعالیٰ اسے قطع کردے) معہٰذا بد مذہبوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی حدیث میں منع فرمایا ہے لاتصلوا معھم "ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو" [فتاوی رضویہ جدید، ۶/ ۶۱۸]

بالجملہ دیابنہ وہابیہ وغیرہما بد مذہبوں کے پیچھے یا ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) دیوبندی وغیرہ بد مذہبوں سے میل جول رکھنا ان کے ساتھ کھانا پینا ان کی خوشی وغم میں شریک ہونا جائز نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلاتؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم ۔

بد مذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

[کنز العمال ۱۱/ ۵۴۰]

لہٰذا جو لوگ ان سے تعلقات رکھیں ان کے یہاں کھائیں پیئیں ان پر لازم ہے کہ وہ توبہ کریں اور آئندہ ایسا کرنے سے باز آئیں۔

(۳) دیوبندی وہابی اپنے عقائد کفریہ کے سبب کافر و مرتد ہیں مسجد یا کسی اور دینی کام میں ان کا پیسہ لگانا از روئے شرع درست نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''قرآن فرماتا ہے لاتتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا (غیروں میں کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار)
تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابو سعود عمادی و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے ''نھوا ooooo عن الاستعانة بھم عن فی الغزو وسائر الامور الدینیة'' یعنی مسلمان منع کیے گئے ہیں اس بات سے کہ وہ کفار سے غزوہ وغیرہ اُمورِ دینیہ میں مدد لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[فتاوٰی رضویہ جدید، ۱۶/۶۱۱]

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۷/ ذو الحجہ ۱۴۳۲ھ

تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا صحیح طریقہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں کچھ لوگ تشہد میں کلمہ کی انگلی کو اٹھانے کے بعد دوسری انگلیوں کے حلقہ کو اور انگشت شہادت کو سلام پھیرنے کے وقت تک اسی حالت پر رکھے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے یہاں اکثر لوگ صرف وقت تشہد ہی انگشت شہادت اٹھاتے ہیں اور حلقہ بناتے ہیں اور اس کے بعد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں دونوں میں سے کون سا طریقہ درست ہے۔ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی محمد وصی خان

از ہری محلہ کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

جو لوگ تشہد کے وقت کلمہ کی انگلی کے علاوہ انگلیوں کا حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھاتے ہیں اور بعد تشہد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں ان کا طریقہ ہی درست ہے۔ علامہ طحطاوی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

العقد وقت التشھد فقط فلا یعقد قبل ولا بعد وعلیه الفتوی

انگلیوں کا حلقہ صرف تشہد کے وقت بنایا جائے گا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد اور اسی پر فتوی ہے۔

[کتاب الصلاۃ ۲۷۰]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۱۲/صفرالمظفر ۱۴۳۴ھ

سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے عصر کی سنت کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف مع دعا پڑھا پھر اٹھ گیا پھر ثنا پڑھی پھر تمام مسائل مشہورہ کے مطابق نماز کو ختم کیا تو اس صورت میں زید کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ زید کے لئے کیا ضروری ہے۔

المستفتی (قاری) محمد عمر رضوی (امام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل کے ادا کرنے کا افضل واحسن طریقہ یہی ہے جس پر زید نے عمل کیا یعنی قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف ودعا پڑھنا اور تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا اس لئے کہ نفل کا ہر شفع الگ مستقل نماز ہے۔اور اس کے اختتام میں درود ودعا اور نئی رکعت (تیسری رکعت) کے آغاز میں ثنا وغیرہ پڑھنا مستحب ومستحسن ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

کل شفع من التطوع صلاۃ علی حدۃ

(نفل کا ہر شفع مستقل نماز ہے)[بدائع الصنائع ،کتاب الصلاۃ،۹/۲]

فتاوی شامی میں ہے:

یستحب الاستفتاح فی الثالثۃ ۔

(تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا مستحب ہے)[۱۵۰/۲،باب صفة الصلاۃ]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

الرباعیات المستحبات والنوافل فانه یستفتح فیها ویصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔

چار رکعت والے مستحبات ونوافل میں تیسری میں ثنا اور قعدہ اولیٰ میں درود پڑھے۔

[کتاب الخنثی، مسائل شتی ۴/۳۵۳]

اعلیٰ حضرت سنت غیر مؤکدہ کی دوسری رکعت میں درود اور دعا پڑھنے نیز تیسری رکعت میں ثنا پڑھنے سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں:

''پڑھنا بہتر ہے، درمختار میں ہے:

لایصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا لایستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوٰۃ۔

ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگرچہ اس نے نوافل کی نذر مانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔

[فتاوی رضویہ قدیم ۳/۴۶۹، ۴۷۰]

بالجملہ زید کی نماز بالکل درست اور مستحب طریقہ کے مطابق ہے۔اور زید بلکہ ہر نمازی کو چاہئے کہ سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل اسی طرح ادا کرے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۴ر رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

فرض رکعات سے زائد رکعت پڑھنے کا تفصیلی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) اگر کوئی شخص فرض نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھنے کے بعد اسے قعدہ اولی سمجھ کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

(۲) اگر بغیر قعدۂ اخیرہ کئے زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر فجر میں تیسری رکعت ظہر عصر عشاء میں پانچویں اور مغرب میں چوتھی رکعت پوری پڑھ لی تو نماز کا کیا حکم ہے

شریعت کی روشنی میں تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں

محمد ساجد قادری لاہور پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) اگر قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھ گیا اور پھر کھڑا ہوا تو زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آ جائے تو فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور تشہد کا اعادہ کئے بغیر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

حلبی کبیری میں ہے:

وان قعدفی آخرالرکعة الرابعة ثم قام قبل ان یسلم یعود ایضامالم یسجدویسلم○○○ویسجدللسهو.

اگر آخری رکعت (چوتھی) کے قعدہ کے بعد سلام پھیرے بغیر کھڑا ہو گیا تو لوٹ آئے جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے۔[غنية المستملي شرح منية المصلي، ۴۰۰]

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''عود کر کے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے○○○○فی الدرالمختاروان قعدفی الرابعة مثلا قدر التشهدثم قام عادوسلم○○○○ ردالمحتار میں ہے قوله ثم قام ای ولم یسجد قوله عادوسلم ای عادللجلوس وفیه اشارة الی انه لایعید التشهد'' [فتاویٰ رضویہ قدیم ۳/۶۳۳]

(۲) قعدہ اخیرہ کیے بغیر اگر کھڑا ہو جائے تب بھی زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے قبل یاد آنے پر فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کے بعد سلام پھیر دے۔

محیط برہانی میں ہے:

اذالم یفعل علی راس الرابعة حتی قام الی الخامسة ساهیا ان تذکرقبل ان یقیدالخامسة بالسجدة عادالی القعدة.

جب چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں کے لئے بھول کر کھڑا ہو گیا تو اگر پانچویں کے سجدہ سے

پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ [محیط برھانی ۲/۲]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وان لم یقعدعلی راس الرابعة حتی قام الی الخامسة ان تذکرقبل ان یقیدالخامسة بالسجدة عادالی القعدة ھٰکذافی المحیط وفی الخلاصة ویتشھدویسلم ویسجدللسھو کذافی التتارخانیة ۔

اگر چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اگر پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے محیط اور خلاصہ میں ایسا ہی ہے اور تشہد پڑھے اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے ایسا ہی تا تارخانیہ میں ہے ۔[فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۲۹]

فتاویٰ نوازل میں ہے:

وان سھی عن القعدة الاخیرة حتی قام الی الخامسة رجع الی القعدة مالم یسجد○○○○ویسجدللسھو ۔

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو جب تک سجدہ نہ کیا ہو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔[فتاویٰ نوازل ۱۰۴]

(۳) اس کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پھر زائد رکعت ادا کی تو حکم یہ ہے کہ ایک رکعت کا اور اضافہ کرے اور بعد میں سجدہ سہو کرلے۔فرض ادا ہو جائیں گے اور بقیہ نفل میں شمار ہوں گے۔دوسری صورت یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور زائد رکعت کا سجدہ کرلیا تو ایک رکعت اور بڑھائے مگر فرض باطل ہو کر نفل میں تبدیل ہو جائیں گے۔

پہلی صورت سے متعلق کتب فقہ کی درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

اذاصلی العصرخمساوقعدفی الرابعة قدرالتشھد ○○○○ عن محمدرحمہ اللہ تعالیٰ انہ یضیف الیھاالسادسة وعلیہ الاعتماد ۔

جب عصر کی پانچ رکعات پڑھی اور چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھا تو امام محمد سے مروی ہے کہ چھٹی رکعت کا اضافہ کرے اور اسی پر اعتماد ہے)[فتاویٰ خانیہ ۱/۱۲۴]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل صلی الظھرخمساوقعدفی الرابعة قدر التشھد ○○○○ وان تذکربعدماقیدالخامسة بالسجدة انھاالخامسة لایعودالی القعدة ولایسلم بل یضیف الیھارکعة اخری حتی

یصیر شفعا ویتشھد ویسلم ھکذا فی المحیط ویسجد للسھو استحسانا کذا فی الھدایۃ وھو المختار کذا فی الکفایۃ ثم یتشھد ویسلم کذا فی المحیط ۔

ایک شخص نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی اور چوتھی رکعت میں بقدر تشہد قعدہ بھی کیا پانچویں رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے اور نہ سلام پھیرے بلکہ ایک اور رکعت اس میں ملائے تا کہ شفع ہو جائے اور پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے اور سجدہ سہو کرے بطور استحسان ایسا ہی ہدایہ میں ہے اور یہی مختار ہے ایسا ہی کفایہ میں ہے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے۔[ج ا ص ۱۲۹]

فتاوی نوازل میں ہے:

لو قعد فی الرابعۃ ثم قام ○○○○○ ولو قیدبالسجدۃ ضم الیھا رکعۃ اخری ویسجد للسھو ۔

اگر چوتھی میں قعدہ کر کے کھڑا ہوا اور پانچویں کا سجدہ کرلیا تو اس میں ایک اور رکعت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔

[ص ۱۰۴]

درمختار میں ہے:

وضم سادسۃ ○○○○ ان شاء

(چھٹی رکعت ملائے (اگر پانچویں کا سجدہ کرلے تو) اگر چاہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قولہ" ان شاء" اشار الی ان الضم غیر واجب بل ھو مندوب کما فی الکافی تبعا للمبسوط

مصنف نے اپنے قول" ان شاء" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رکعت ملانا واجب نہیں ہے بلکہ مندوب ہے جیسا کہ مبسوط کی اتباع کرتے ہوئے کافی میں (لکھا گیا) ہے۔

نیز درمختار میں آگے ہے:

وضم الیھا سادسۃ لو فی العصر وخامسۃ فی المغرب ورابعۃ فی الفجر بہ یفتی لتصیر الرکعتان لہ نفلا ○○○○ وسجد للسھو فی الصورتین

اگر عصر میں (پانچویں کا سجدہ کرلے) تو اس میں چھٹی رکعت ملائے مغرب میں پانچویں فجر میں چوتھی یہی مفتیٰ بہ ہے تا کہ دو رکعت نفل ہو جائیں اور سجدہ سہو دونوں صورتوں میں کرے۔ [درالمختار ۱/۵۵۴]

فتاوی شامی میں اس کے تحت ہے:

قوله وضم اليهاسادسة اى ندباعلى الاظهر ○○○ قوله لوفي العصر اشار الى انه لافرق في مشروعية الضم بين الاوقات المكروهة وغيرها

مصنف کا قول "وضم اليهاسادسة" یعنی ظاہر مذہب کے مطابق (چھٹی رکعت) ملانا مندوب ہے..... شارح کا قول "لوفي العصر" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقت مکروہ اور غیر مکروہ میں رکعت ملانے کے مشروع ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

[ردالمحتار على الدر المختار ۱/۵۵۴،۵۵۵]

دوسری صورت کا حکم درج ذیل فقہی عبارات میں مصرح ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

واذالم يقعدقدرالتشهدفي الفجربطل فرضه بترك القعودعلى الركعتين ○○○○ وان قيدالخامسة بالسجدة فسدظهره عندناكذافي المحيط و تحولت صلاته نفلاًعندابي حنيفة وابي يوسف رحمهماالله تعالىٰ ويضم اليها ركعة سادسة ولولم يضم فلاشي عليه كذافي الهدايَة ○○○○○ قالوافي العصر لايضم اليهاسادسة وقيل يضم وهوالاصح كذافي التبيين وعليه الاعتماد ○○○ وفي الفجراذاقام الى الثالثة بعد ما قعد قدر التشهد وقيدها بالسجدة لايضم اليهارابعة كذافي التبيين وصرح في التجنيس بان الفتوى على رواية هشام من عدم الفرق بين الصبح والعصرفي عدم كراهة الضم كذا في البحر الرائق"

اور جب فجر میں قدر تشہد نہیں بیٹھا تو دو رکعات پرقعدہ ترک کرنے کے سبب فرض باطل ہوگئے .....اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو ہمارے نزدیک اس کی ظہر فاسد ہوگئی ایسا ہی محیط میں ہے اور ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے اس کی نماز نفل ہوگئی اور اس میں چھٹی رکعت ملالے اور اگر نہیں ملائے تب بھی کوئی بات نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے.....فقہاء نے فرمایا عصر میں چھٹی رکعت نہیں ملائے گا اور کہا گیا ہے کہ ملائے گا اور یہی صحیح ہے ایسا ہی تبیین میں ہے اور اسی پر اعتماد ہے....اور فجر میں جب قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت کا سجدہ کرلے تو اس میں چوتھی رکعت نہ ملائے ایسا ہی تبیین میں ہے اور تجنیس میں صراحت کی گئی ہے کہ صبح اور عصر کے درمیان رکعت ملانے کے مکروہ نہ ہونے کے سلسلے میں عدم فرق پر فتوی ہشام کی روایت پر ہے ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔[فتاوی عالمگیری ۱/۱۲۹]

فتاوی نوازل میں ہے:

وان سهى عن القعدة الاخيرة حتى قام الى الخامسة ٥٥٥وان قيدهابالسجدة بطلت فريضةخلافاللشافعي وتحولت صلاته نفلاعندابي حنيفة وابي يوسف رحمهماالله خلافالمحمدويقيم ركعة سادسة اولم يضم لاشيء عليه ۔

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا اور پانچویں کا سجدہ کرلیا تو فرض باطل ہوگئے برخلاف شافعی کے اور اس کی نماز نفل ہوگئی ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے برخلاف امام محمد کے اور چھٹی رکعت ملائے یا نہ ملائے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔[فتاوی نوازل ص۱۰۴]

بالجملہ مذکورہ تینوں سوالات کا خلاصہ امام کاسانی کی بدائع الصنائع کی درج ذیل طویل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

رجل صلى الظهرخمساثم تذكرفهذالايخلواماان يكون في الرابعة قدر التشهداولم يقعدوكل وجه على وجهين اماان قيد الخامسة بالسجدة اولم يقيدفان قعدفي الرابعة قدرالتشهدوقام الى الخامسة فان لم يقيدها بالسجدة حتى تذكريعودالى القعدةويتمهاويسلم لما مروان قيدها بالسجدة لايعودعندنا٥٥٥٥ثم عندنااذاكان ذالك في الظهراوفي العشاء فالاولى ان يضيف اليهاركعة اخرى ليصيراله نفلااذا لتنفل بعدهاجائز ٥٥٥٥ وان كان في العصرلايضيف اليهاركعة اخرى بل يقطع لان التفل بعد العصر غيرمشروع٥٥٥٥وروى هشام عن محمدانه يضيف اليهااخرى ايضا لان التنفل بعدالعصر انمايكره اذاشرع فيه قصدافامااذاوقع فيه بغيرقصده فلا يكره "٥٥٥ثم اذااضاف اليهاركعة اخرى فعليه السهواستحسا نا هذاالذى ذكرنااذاقعدفي الرابعة قدرالتشهد فامااذالم يقعد وقام الى الخامسةفان لم يقيدهابالسجدة يعودلمامروان قيدفسد فرضه

ایک شخص نے ظہر کی پانچ رکعات ادا کی تو یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس نے قعدہ کیا ہوگا یا نہیں دونوں صورتوں میں یا تو پانچویں کا سجدہ کیا ہوگا یا نہیں اگر چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھ کر پانچویں کے لیے کھڑا ہوا اور پانچویں کا سجدہ نہیں کیا کہ یاد آگیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور نماز کو پورا کرے اور سلام پھیر دے جیسا کہ گزرا اور اگر پانچویں کا سجدہ کرلیا ہے تو ہمارے نزدیک قعدہ کی طرف نہ لوٹے ....پھر ہمارے نزدیک جب کہ ظہر یا عشاء میں ایسا ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک رکعت کا اس میں اور اضافہ کرے تاکہ وہ نفل ہو جائے اور نفل ظہر اور عشاء کے بعد جائز ہے....اور اگر عصر میں ایسا ہو تو دوسری رکعت کا اضافہ نہ

کرے بلکہ (اسی رکعت پر نماز) ختم کر دے اس لئے کہ عصر کے بعد نفل مشروع نہیں ہیں ....اور ہشام نے امام محمد سے روایت کیا کہ اس میں ایک رکعت اور بھی ملائے اس لئے کہ نفل عصر کے بعد قصداً شروع کرنے پر مکروہ ہیں اور اس میں جب کہ بغیر قصد ایسا واقع ہوا مکروہ نہیں ہے.....پھر جب دوسری رکعت کا اضافہ کرے تو اس پر سجدہ سہو کرنا مستحسن ہے یہ جب ہے کہ چوتھی رکعت کے قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھا ہو اور جب بیٹھے بغیر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا ہو تو سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے جیسا کہ گزرا اور اگر سجدہ کر لیا تو اس کے فرض فاسد ہو گئے۔'' [بدائع الصنائع ۱/ ۴۲۶، ۴۲۷]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۲/ذی الحجۃ ۱۴۳۳ھ

نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ لوگ عام طور نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں کیا ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی محمد ریاض مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

جی ہاں یہ عمل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔

حدیث شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَآيَةَ الكُرسِي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍمَكْتُوبَةٍ لَم يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الجَنَّةِ اِلَّااَنْ يَمُوتَ ۔

جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔(السنن الکبری للنسائی ۶/ ۳۰)

یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ معجم الکبیر للطبرانی ۷/ ۱۲۲ میں ہے:

مَنْ قَرَأَآيَةَ الكُرسِي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّااَنْ يَمُوتَ

فَإِذَامَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔(شعب الایمان لبیھقی،۴/ ۵۱)

جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کے اور جنت میں داخل ہونے کے درمیان سوائے موت کے کوئی چیز (حائل) نہیں ہوگی۔ اور وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوگا۔

مَنْ قَرَأَآيَةَ الْكُرْسِي دُبُرَكُلِّ صَلَاةٍ لَم يَمْنَعُه مِنْ دُخُولِهِ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمَوتُ ۔ (مرجع سابق ۴/۵۶)

جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روکے گی۔

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمدذوالفقار خان نعیمی

مورخہ۸/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

مصلے کا کونا لوٹ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس سوال کے بارے میں کہ اکثر ائمہ مساجد نماز پڑھانے کے بعد مصلے کا ایک کونا موڑ دیتے ہیں شرع شریف میں اس کی کیا اصل ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ مصلے کا کونا نہ موڑا جائے تو اس پر شیطان نماز پڑھتا ہے کیا یہ خیال صحیح ہے یا غلط ہے بعضے امام صاحب کہہ دیتے ہیں کہ نماز باجماعت پڑھ لینے کی علامت ہے صحیح کیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

المستفتی عبدالغفور پاکبڑا امرادآباد

۲۶/جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں اس کی اصل احادیث سے بیان فرمائی ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''ابن عساکر نے تاریخ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الشیاطین یستمتعون بثیابکم فاذانزع احدکم ثوبہ فلیطوہ حتی ترجع الیھا انفاسھا فان الشیطان لایلبس ثوبا مطویا

شیطان تمہارے کپڑے اپنے استعمال میں لاتے ہیں تو کپڑا اُتار کر تہہ کر دیا کرو کہ اس کا دام راست ہو جائے کہ شیطان تہہ کئے کپڑے نہیں پہنتا۔

[کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن جابر، الباب الثالث فی اللباس، ۱۵/۲۹۹]

معجم اوسط طبرانی کے لفظ یہ ہیں:

أطووا ثیابکم ترجع الیھا ارواحھا، فان الشیطان اذا وجد الثوب مطویا لم یلبسہ، وان وجدہ منشورا لبسہ

کپڑے لپیٹ دیا کرو کہ ان کی جان میں جان آجائے اس لئے کہ شیطان جس کپڑے کو لپٹا ہوا دیکھتا ہے اسے نہیں پہنتا اور جسے پھیلا ہوا پاتا ہے اسے پہنتا ہے۔ [ج ۶ ص ۳۲۸]

ابن ابی الدنیا نے قیس ابن ابی حازم سے روایت کی:

قال ما من فراش یکون مفروشا لاینام علیہ احد الا نام علیہ الشیطان ۔

فرمایا جہاں کوئی بچھونا بچھا ہو جس پر کوئی سوتا نہ ہو اس پر شیطان سوتا ہے۔ ان احادیث سے اُس کی اصل نکل سکتی ہے اور پورا لپیٹ دینا بہتر ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۹/۲۰۶]

اور رہا عوام کا یہ خیال کہ مصلے نہ لپیٹنے سے شیطان اس پر نماز پڑھتا ہے تو یہ بے اصل ہے۔

جیسا کہ حضور صدر الشریعہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

"نماز پڑھنے کے بعد مصلے کو لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں، یہ اچھی بات ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، مگر بعض لوگ جانماز کا صرف کونا لوٹ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے میں اس پر شیطان نماز پڑھے گا یہ بے اصل ہے۔ [ج ۳ حصہ ۱۶، صفحہ ۱۲۱]

الحاصل: مصلے کا کونا لوٹ دینے کی اصل احادیث سے ثابت ہے اور اس کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق شیطان کے استعمال سے اسے بچانا ہے اور یہ کونا لوٹ دینے سے پورا ہو جاتا ہے البتہ پورا مصلی لپیٹ کر رکھ دینا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۵/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

امام سے متعلق چند مسائل

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) جو امام تین انگلیوں میں تین انگوٹھی پہن کر نماز پڑھائے اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۲) جو امام ایک مشت دو انگل سے کم داڑھی رکھے اور برابر کٹاتا ہو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا؟

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز ہوگی یا نہیں۔؟

(۴) جو امام یہ کہتا ہو کہ اولیاء اللہ مٹی کا ڈھیر ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی صوفی محمد یامین قصبہ دتیانہ ضلع غازی آباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب حاضر خدمت ہیں:

(۱) مرد کے لیے صرف چاندی کی ایک نگ والی ایک ہی انگوٹھی اور وہ بھی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی جائز ہے اس کے علاوہ سونے یا کسی اور دھات کی یا چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی یا دو نگ والی یا دو انگوٹھی کہ وہ وزن میں چار ماشہ سے کم ہی کیوں نہ ہوں مرد کے لئے جائز نہیں خواہ تین انگلیوں میں پہنے یا ایک میں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجوز التختم بالفضة ooooo وینبغی ان تکون فضة الخاتم المثقال ولا یزاد علیه وقیل لا یبلغ به المثقال وبه ورد الاثر کذا فی المحیط۔

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے....اور مناسب ہے کہ چاندی انگوٹھی ایک مثقال کی ہو اس سے زائد نہ ہو بلکہ کہا گیا ہے کہ پورے ایک مثقال کو نہ پہونچے اور اسی پر اثر وارد ہوئی اور ایسا ہی محیط میں ہے۔

[۳۳۵/۵، الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة]

فتاویٰ شامی میں ہے:

یجوز التختم بالفضة لو علی هیئة خاتم الرجال اما لو له فصان او اکثر حرم۔

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اگر مردوں کی انگوٹھیوں کی طرح ہو البتہ اگر اس کے دو نگ یا اس سے زائد ہوں تو حرام ہے۔[فتاوی شامی ۵۲۱/۹ کتاب الحظر والاباحة]

طرح التثریب فی شرح التقریب لزین الدین العراقی میں ہے

وقال المحب الطبری فی شرح التنبیه المتجه انه لایجوز للرجل لبس الخاتمین سواء اکانا فی یدین ام یدواحدة لان الرخصة لم ترد ذالك ۔[الباب الادب ۸/۱۳۹]

محب طبری نے شرح تنبیہ میں فرمایا: مرد کے لئے دو انگوٹھیوں کا پہننا خواہ دو ہاتھوں میں ہو یا ایک میں جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی رخصت وارد نہیں ہوئی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''شرعاً چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی کہ وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو پہننا جائز ہے''[فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۱۴۱]

اس کے علاوہ پہننے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''ایک آدھ بار پہننا گناہ صغیرہ اور اگر پہنی اور اُتار ڈالی تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اگر نماز میں پہنے ہو تو اسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اس کا عادی ہے فاسق معلن ہے اور اس کو امام بنانا گناہ اگر اس وقت نماز میں نہ پہنے ہو'' [ایضاً ۶/۶۰۱]

حاصلِ کلام جو امام تین انگوٹھیاں پہنتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۲) داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں اور شریعت میں داڑھی کی حد ایک مشت ہے نہ کہ ایک مشت دو انگل۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''ریش ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے۔شرح مشکوۃ شریف میں ہے:

گذاشتن آں بقدر قبضه واجب است داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔''

آگے فتح القدیر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الاخذ منهاوهی دون ذالك کمایفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال .

داڑھی تراشنا یا کترنا کہ مشت کی مقدار سے کم ہو جائے ناجائز ہے جیسا کہ بعض مغربیت زدہ لوگ اور ہجڑا صورت مرد کرتے ہیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۵۸۱]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب''
[فتاوی رضویہ جدید ۶/۶۰۳]

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائرِ اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے....درمختار میں ہے ''یحرم علی الرجل قطع لحیته'' جب ثابت ہو گیا کہ داڑھی ایک مشت سے کم کتروانا یا منڈوانا ممنوع ہے تو اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہوا اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی کمافی عامة المتون والشروح والفتاوی من کراهة امامة الفاسق اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے''[فتاوی صدر الافاضل،۴۲۴]

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز نہیں ہوگی کم سے کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگانا فرض' اور دونوں پیروں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگانا واجب ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وضع القدم علی الارض فی الصلاة حال السجدة ففرض ۔

نماز کے دوران حالت سجدہ میں زمین پر قدم رکھنا فرض ہے۔

[کتاب الصلاۃ، ۲۳۰]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو سجدو لم یضع قدمیه علی الارض لایجوز ۔

اگر سجدہ کیا اور اور اپنے دونوں قدموں کو زمین پر نہیں رکھا تو ایسا کرنا جائز نہیں۔[الباب الرابع فی صفة الصلاة، ۴/۷۰]

فقیہ ابواللیث سمرقندی کے فتاوی نوازل میں ہے:

حتی لو رفع رجلیه او احدهما لا تجوز صلاته

یہاں تک کہ اگر پنے دونوں یا ایک پیر کو اٹھایا تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاۃ، ۴۳]

درمختار میں ہے:

وفیه یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة والالم تجز ۔

اور سجدہ میں پیر کی انگلیاں رکھنا اگر چہ ایک ہی ہو فرض ہے قبلہ کی طرف متوجہ کر کے ورنہ نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاۃ، ۲/۲۰۴]

حلبی کبیری میں ہے:

لایجوز مع رفعهما ooooo المراد من وضع القدم وضع اصابعها قال الزاهدی ووضع رؤس القدمین حالة السجود فرض وفی مختصر الکروخی سجد و رفع اصابع رجلیه عن الارض لاتجوز وکذا فی الخلاصة والبزازیه وضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعا

واحدة ۔
پیروں کا اٹھانا جائز نہیں ہے.... سجدہ میں پیر رکھنے سے مراد پیر کی انگلیاں رکھنا ہے زاہدی نے کہا سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کے سروں کو رکھنا فرض ہے مختصر کروخی میں ہے سجدہ کیا اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو اٹھالیا تو نماز جائز نہیں اور ایسا ہی خلاصہ اور بزازیہ میں ہے قدم رکھنے کا مطلب انگلیوں کو رکھنا ہے اگر چہ ایک ہی انگلی ہو ۔[غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ۲۴۹]

قبلہ بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''سجدے میں کم ازکم ایک انگلی مضبوطی سے زمین پر جمانا فرض ہے'' مزید فرماتے ہیں ''سجدے کے اندر ہر پیر کی کم ازکم تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے لگنا واجب ہے جس میں انگوٹھا بھی شامل ہے اگر تین بار ''سبحن ربی الاعلی'' کہنے کی مقدار تک تین میں سے کوئی اٹھی رہ گئی تو نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی'' [فتاوی بحرالعلوم کتاب الصلاۃ ج ۱ ص ۲۹۵]

(۴) اولیاء کرام اللہ کے مقرب بندے ہیں اور وہ اپنے مزارات میں زندہ ہیں ان کے تعلق سے امام کا یہ خیال کہ وہ مٹی کا ڈھیر ہیں یقیناً امام کی بد مذہبیت وگمراہی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء اہلسنّت نے جن عقاید ونظریات کو اجاگر فرمایا ہے ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اولیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ نے انہیں تصرفات واختیارات عطا فرمائے ہیں۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری حدیث پاک ''ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق'' (یقیناً اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کو کھانا حرام فرمادیا ہے پس اللہ کے نبی حیات ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں) کے تحت فرماتے ہیں:

ولذاقیل اولیاء اللّٰہ لایموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار ۔
اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں)
[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۳/ ۴۱۴ کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''اہلسنّت کا مذہب یہ ہے کہ روح انسانی بعد موت بھی زندہ رہتی ہے۔''

آگے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب تفسیر عزیزی کے حوالے سے فرمایا:

''دفن شدہ اولیاء اللہ اور دیگر صلحاء مومنین سے نفع وفائدہ کا حصول جاری ہے .... وہ زیارت کے لئے قبر پر آنے والے عزیز واقارب اور دوستوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان سے انس حاصل کرتے ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں:

”حیات شہداء قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل ....اور علماء سے اولیاء افضل ہیں تو جب شہداء زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ مت کہو تو اولیاء کہ بدرجہا ان سے افضل ہیں ضروران سے بہتر حیٰ ابدی ہیں“

[فتاوی رضویہ جدید،۲۹/۱۰۳تا۱۰۵]

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اولیاء کرام اپنے مزارات میں زندہ ہیں تو پھر انہیں مٹی کا ڈھیر کہنا ان کی کھلی ہوئی توہین ہے اور جو اللہ کے ولیوں کی اہانت کرتا ہے اس سے متعلق حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

من اهان لی ولیا فقدبارزنی بالعداوة ۔[المعجم الکبیر للطبرانی ۸/۲۶۴]

اور ”من عادی لی ولیا فقدآذنته بالحرب“[صحیح البخاری ۲/۹۶۳ کتاب الرقاق باب التواضع]

(جس نے میرے ولی کی توہین کی اس سے دشمنی رکھی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں) ابن رجب حنبلی اس آخرالذکر حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فاولیاء اللّٰه تجب موالاتهم وتحرم معاداتهم ۔

اولیاء کرام کی محبت واجب اوران سے عداوت حرام ہے۔

[جامع العلوم والحکم ۲۷۴ الحدیث الثامن والثلاثون]

علامہ ابن حجر ہیتمی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

قال الائمة ولم ینصب اللّٰه تعالیٰ المحاربة لاحدمن العصاة الاللمنکرین علی اولیائه ۔

ائمہ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین اولیاء کرام کے علاوہ کسی گنہگار سے اعلانِ جنگ نہیں فرمایا۔

[فتاوی حدیثیہ ج۱ص۳۱۳]

”التلخیص المعین علی شرح الاربعین للشیخ محمدبن صالح عثیمین“ میں ہے:

ان معاداة اولیاء اللّٰه من کبائرالذنوب لقوله ”فقدآذنته“

اولیاء کرام سے عداوت بڑے گناہوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فقدآذنته“ کے سبب)[۱/۱۹۰]

علامہ ابن رجب بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

فمحبة اولیاء اللّٰه واحبابه عموما من الایمان وهی من اعلیٰ مراتبه وبغضهم محرم فهو من خصال النفاق ۔

اولیاء کرام اوران کے عقیدت مند حضرات سے محبت ایمان میں سے ہے اور وہ محبّ کے عالی مرتبت ہونے پر دال ہے اوران سے بغض حرام ہے اور بغض نفاق کی علامت ہے۔ [فتح الباری، ۱/۶۶ کتاب

الایمان]

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ اولیاء کرام زندہ ہیں ان کو مٹی کا ڈھیر کہنا گویا ان کی توہین اور ان سے دشمنی وعداوت ہے اور یہ حرام ہے تو جو امام اولیاء کرام کی شان میں توہین کر کے حرام کا ارتکاب کرے اور عقائد اہلسنت کے خلاف دیوبندی وغیرہ فرقہ ہائے باطلہ کے باطل عقائد ونظریات کی ترجمانی کرے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ مسلمانانِ اہلسنت پر لازم ہے کہ جب تک وہ اس عقیدہ خبیثہ سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں بلکہ ایسے شخص کو فوراً امامت سے برطرف کریں اور اپنے ایمان اور اپنی نمازوں کو محفوظ کریں۔

حدیث شریف میں ہے:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم

گمراہوں سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۰؍ جمادی الاخری ۱۴۳۲ھ

دیہات میں جمعہ کی نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں ہمارا گاؤں ایک ایسا دیہات ہے کہ جس میں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے گاؤں کے اندر تین مسجدیں ہیں جو جمعہ کے دن بھری ہوئی نظر آتی ہیں اور ہمارے گاؤں سے شہر کی دوری صرف پانچ کلومیٹر ہے آنے جانے کے لئے بہترین سڑک ہے گاؤں میں بھی سڑکیں ہیں اور بازار قائم ہے گاؤں کے اندر کچھ ٹائم سے دو فرض جمعہ مع خطبہ اور اس کے بعد چار فرض ظہر کے باجماعت پڑھے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے گاؤں میں انتشار ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم لوگ کس طریقہ سے نماز ادا کریں ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کیسے کریں جبکہ نیت بدلنے کے بعد نماز بھی بدل جاتی ہے۔ ہم لوگ پریشان ہیں کہ ظہر پڑھیں یا جمعہ اور گاؤں میں عیدگاہ بھی قائم ہے اور لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں تو کیا گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

مسلمانان گلڑ یاہری
کاشی پور اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں نماز جمعہ کی صحت ادا کے لیے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خمسۃٌ لاجمعۃَ علیھم المراۃُ والمسافر والعبد والصّبی واھل البَادیۃ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت مسافر غلام بچے اور گاؤں والے ان پانچ لوگوں پر نمازِ جمعہ نہیں ہے۔ [طبرانی، ۱/۷۲]

دوسری حدیث میں ہے:

لاجمعۃ ولاتشریق الافی مصر جامع ۔

جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر شہر میں۔[سنن الکبری للبیھقی، کتاب الجمعۃ، ۳/۱۷۹]

حلبی کبیری میں ہے:

الشرط الاول المصر اوفناء ہ فلاتجوزفی القری عندنا ۔

جمعہ کی شرط اول مصر یا فناء مصر ہے لہٰذا ہم احناف کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔

[غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی،فصل فی صلاۃ الجمعۃ،۴۷۳]

اور سائل نے سوال میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ جمعہ کی صحت ادا کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مصر یعنی وہ آبادی جس میں متعدد کوچے دوامی بازار ہوں اور کوئی حاکم رعایا کے مقدمات کے لئے فیصل ہو یا یا فناء مصر یعنی شہر کا وہ مقام جو شہری ضرورتوں کے لئے متعین ہو جیسے شہر کی آبادی سے باہر اسٹیشن ہوائی جہاز کا اڈہ فوجی چھاؤنی قبرستان وغیرہ، شرط ہے۔ھکذا فی الکتب الفقھیہ ۔

اور گاؤں کا شہر کے قریب ہونا بھی جمعہ کو دیہات میں جائز نہیں کرسکتا۔حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں۔

"جو آبادی فناء شہر میں نہیں خواہ وہ شہر سے قریب ہو اس میں جمعہ صحیح نہیں نہ ان لوگوں پر جمعہ واجب بحرالرائق میں ہے:"OOOO ولاتجب الجمعۃ علی اھل القری وان کانوا قریبامن المصر لان الجمعۃانماتجب علی اھل الامصار" [فتاویٰ صدر الافاضل، ص ۴۴۷]

ان عبارات مذکورہ کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ سوال میں مذکور گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔لیکن جو لوگ جمعہ کے دن دو رکعت نماز بنام جمعہ ادا کرتے ہیں انہیں شرعاً روکنے کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ جس طرح بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیں غنیمت ہے یہی وجہ ہے فقہاء کرام نے طلوع فجر کے وقت نماز جائز نہ ہونے کے باوجود بھی عوام کو روکنے سے منع فرمایا ہے

کہ ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اس نماز کو بالکل ہی نہ پڑھیں مزید براں کہ عید کے دن عید گاہ میں نماز نفل منع ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی نفل پڑھتا ہے آپ نے منع نہیں فرمایا لوگوں نے کہا کہ آپ اسے منع کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میں اللہ تعالیٰ کی وعید ''ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلی'' میں داخل نہ ہوجاؤں''۔ [درمختار، باب العیدین: ۳/۵۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''بایں ہمہ اپنا یہ مسلک ہے کہ ایسی جگہ عوام جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں روکا نہ جائے نہ خود شرکت کی جائے اگر عدم شرکت میں فتنہ نہ ہو ورنہ بہ نیت نفل مشارکت ممکن'' [فتاوی رضویہ جدید ۶/۳۶۷]

البتہ دو رکعت نماز بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد ظہر کی نماز بھی با جماعت پڑھیں۔

ردالمحتار میں ہے:

لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر۔

اگر دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان پر نماز ظہر کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ [ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۳/۷]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

من لا تجب علیھم الجمعۃ من اھل القری والبوادی لھم ان یصلوا الظھر بجماعۃ یوم الجمعۃ باذان و اقامۃ۔

گاؤں اور صحرا والوں پر جمعہ واجب نہیں بلکہ ان کے لئے حکم ہے کہ وہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز با جماعت اذان و اقامت کے ساتھ پڑھیں۔

[الباب السادس فی صلاۃ الجمعۃ، ۱/۱۴۵]

اور رہا ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کا مسئلہ تو دو رکعت بنام جمعہ خواہ فرض کی نیت سے پڑھیں یا نفل کی نیت سے وہ دونوں رکعتیں نفل ہی مانی جائیں گی اور ظہر کی نماز میں فرض کی نیت کی جائے گی اب دو نمازیں مختلف نیتوں سے ایک وقت میں آگے پیچھے ادا کرنی ہیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جس کے لئے فتنہ و فساد پیدا کیا جائے۔ امام صاحب کو چاہئے کہ اصل مسئلہ سے عوام کو آگاہ کریں۔

تحریر بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں لیکن روکنے کی بھی اجازت نہیں اس لیے وہاں دو رکعت بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد لوگوں سے ظہر کی نماز با جماعت پڑھنے کے لیے کہا جائے جو لوگ نماز ظہر با جماعت کے لئے رک جائیں انہیں نماز ظہر پڑھائی جائے جو لوگ فتنہ کریں ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) عید کی نماز بھی دیہات میں جائز نہیں اس کے لئے بھی مصر یا فناء مصر شرط ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

كماان المصر أو فنائه شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلوة العيد

جس طرح مصر یا فناء مصر جمعہ کے جائز ہونے کی شرط ہے اسی طرح نمازِ عید کے لئے بھی شرط ہے۔

[ردالمحتار، باب الجمعة: ۳/۷]

هذاماعندی و العلم عندالله تعالیٰ ۔

كتبه

محمدذوالفقارخان نعيمي

مورخه: ۲/ذی الحجه ۱۴۳۲ھ

ایک امام کی مسائل شرعیہ میں غلط بیانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) زید جو کہ ایک محلّہ کی جامع مسجد میں خطابت کرتا ہے جمعہ کی نماز سے قبل لاؤڈ سپیکر سے اعلان کرتا ہے کہ جن حضرات کو پانی نہیں ملا وہ تیمّم کر کے جمعہ کی جماعت میں شامل ہو جائیں جبکہ اس مسجد کے پاس چند قدم کی مسافت پر اہل سنت کی دیگر مساجد بھی پائی جاتی ہیں، نیز یہ کہ گھر سے بھی بآسانی وضو کر کے لوگ نماز میں شامل ہو سکتے ہوں۔ کیا اس صورت میں تیمم سے نماز جمعہ ادا ہو جائے گی؟ جن لوگوں نے خطیب صاحب کے اعلان پر تیمم کر کے نماز ادا کی، ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ تیمّم کن صورتوں میں جائز ہے؟

(۲) خطیب مذکور نے ہی چند برس قبل ایک چہلم کی محفل میں چہلم کو فرض قرار دیا، برائے کرم محافل چہلم کے متعلق حکم شریعت واضح فرمائیں۔

(۳) خطیب مذکور نے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اشعار کو بے ادبی، جہالت اور گستاخی قرار دیا ہے۔

ناں ترالے کے آقا شان میں وی پائی اے
ترے ہتھ ڈور سائیاں آپے توں چڑھائی اے
چڑھی ہوئی گڈی نوں چڑھائی رکھیں سوہنیا
چنگے ہاں یا مندے ہاں نبھائی رکھیں سوہنیا

(ترجمۂ اشعار: یعنی اے میرے آقا و مولیٰ آپ ہی کے نام کی برکت سے مجھے اس جہان میں شان و عزت ملی ہے میری

ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں ہے جہان میں جو میری پذیرائی ہے اس کو قائم رکھنا۔ میں خواہ اچھا ہوں یا بُرا میری لاج نبھائے رکھنا۔)

کیا اس شعر میں گڈی یعنی پتنگ کا استعارہ استعمال کرنا معاذ اللہ بارگاہ رسالت میں گستاخی شمار ہوگا؟

(۴) مزید یہ بھی کہا کہ جو نعت خوان حضرات تُو، تیرا، تم وغیرہ الفاظ پر مشتمل نعتیں پڑھتے ہیں وہ گستاخ ہیں اللہ کرے کہ ان کی زبانیں گونگی ہو جائیں۔ کیا نعتیہ اشعار میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو، تیرا اور تیرے وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنا بے ادبی، جہالت اور گستاخی ہے؟

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں کتنے افراد شرکت کر سکتے ہیں؟

(۶) مذکورہ خطیب مولوی مودودی اور دیوبندی مولوی انور شاہ کشمیری کو بھی نیک پارسا عابد و زاہد خیال کرتا ہے؟

(۷) کیا صدقۂ فطر صرف عید کی نماز سے قبل ہی ادا ہو سکتا ہے؟ بعد میں کسی مسکین فقیر کو دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا؟

(۸) شب برأت میں سو نوافل ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ مزید یہ بھی ارشاد فرمائیں کیا نوافل کی ادائیگی قضا نمازوں کی ادائیگی سے زیادہ ثواب کا موجب ہے؟

(۹) کیا نماز میں زبان سے نیت کرنا شرط ہے؟ اگر زبان سے نیت نہ کی جائے تو کیا نماز نہ ہوگی؟ بینوا توجروا

محمد ساجد قادری، مرکز الاولیاء لاہور، پاکستان

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام مذکور کا پانی ہوتے ہوئے بھی تیمم کا اعلان کرنا نئی شریعت گڑھنا ہے امام مذکور سے پوچھا جائے کہ پانی موجود ہو اور کوئی شرعی عذر بھی نہ ہو اس کے باوجود نماز جمعہ کے لئے تیمم کرنا کہاں جائز لکھا ہے دکھاؤ دعوی ہے کبھی بھی نہیں دکھا پائیں گے۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر چہ نماز جمعہ فوت ہو جائے بغیر عذر شرعی تیمم کی اجازت نہیں ہے اور نماز جمعہ کا فوت ہو جانا عذر شرعی نہیں ہے اس لئے کہ نماز ظہر اس کا بدل موجود ہے۔

نور الایضاح میں ہے:

ولیس من العذر خوف فوت الجمعة ۔

جمعہ کے فوت ہونے کا خوف تیمم کے لئے عذر نہیں ہے۔

مراقی الفلاح میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لان الظهر یصلی بفوت الجمعة ۔

اس لئے کہ نماز جمعہ فوت ہونے پر ظہر پڑھی جاسکتی ہے۔[باب التیمم، ۱/۲۷]
تیمّم کے جائز ہونے کے لئے علماء احناف نے چند شرطیں بیان فرمائی ہیں،
نورالایضاح میں ہے

یصح التیمم بشروط ثمانیۃالثانی العذرالمبیح للتیمم کبعدہ میلاعن ماء ولوفی المصر وحصول مرض وبردیخاف منہ التلف اوالمرض وخوف عدووعطش واحتیاج لعجن لاالطبق مرق ولفقدآلۃ و خوف فوت صلاۃ جنازۃاوعیدولوبناء ولیس من العذرخوف فوت الجمعۃ والوقت .

تیمّم آٹھ شرطوں کے ساتھ صحیح ہے ان میں سے دوسری شرط وہ عذر جو تیمّم کو جائز کرے جیسے نماز کا ارادہ کرنے والا پانی سے ایک میل دور ہو اگر چہ شہر میں ہو یا مرض اور ٹھنڈ ہو جس سے فوت ہو جانے یا مرض کے بڑھنے کا خوف ہو اور دشمن کا خوف ہو، پیاس کا اندیشہ ہو، آٹا گوندھنے کے لیے پانی کی ضرورت ہو نا کہ شوربہ پکانے کے لئے اور پانی نکالنے کا آلہ نہ ہو، یا نماز جنازہ یا نماز عید کے چھوٹ جانے کا خوف ہو اگر چہ بناء ہی ہو اور جمعہ کے چھوٹ جانے کا خوف اور وقت نکل جانے کا خوف عذر نہیں ہے۔

فتاویٰ نوازل میں ہے:

شرط جوازالتیمم هوالعجزعن استعمال الماء و ذالك قديكون بعدم الماء وهوان يكون بينه وبين الماء نحوالميل ooo وقد يكون بخوف الهلاك ooo اوخوف زيادة المرض .[باب التيمم ، ۵۴]

تیمّم کے جائز ہونے کی شرط پانی کے استعمال سے عاجز ہونا ہے اور عاجز ہونا کبھی پانی موجود نہ ہونے کے سبب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو اور کبھی عاجز ہونا ہلاک ہونے کے ڈر سے یا بیماری کے بڑھنے کے خوف سے ہوتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جدید میں ہے:

''عیدین یا جنازہ کی نماز جاتی رہنے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرے جمعہ و پنج گانہ کے لئے وضو کرنا لازم ہے اگر چہ جمعہ و جماعت فوت ہو جائے'' [۳/۲۹۷]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ ''سمح الندریٰ فیما یورث العجزعن الماء'' ملاحظہ فرمائیں، جس میں پانی کی موجودگی یا عدم موجودگی میں تیمّم کے جائز ہونے کی پونے دو سو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

الحاصل: امام پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی مسئلہ عوام کے روبرو بیان نہ کرے۔ اور جن

لوگوں نے پانی پائے جانے کے باوجود بھی تیمم سے نمازِ جمعہ ادا کی ہے ان کی نماز نہیں ہوئی ان پر نماز ظہر کی قضا فرض ہے۔ اور ان پر لازم ہے کہ احکام شرعیہ سے واقفیت رکھنے والے کو ہی اپنا امام منتخب کریں ورنہ ان کی ساری نمازیں رائیگاں جائیں گی۔

(۲) چہلم کی محفل پاک بغرض ایصال ثواب ممنوعات شرعیہ سے پاک وصاف ایک امرِ محمود ومستحسن ہے۔ امام مذکور کا چہلم کو فرض قرار دینا جہالت ہے۔ فرض شریعت میں اس حکم کو کہا جاتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اصول فقہ کی معتبر ومشہور کتاب اصول الشاشی میں ہے:

الفرض oooo فی الشرع ماثبت بدلیل قطعی ۔[اصول الشاشی،۱۰۳]

دررالاحکام میں ہے:

الفرض oooo حکم لزم بدلیل قطعی وحکمہ ان یستحق العقاب تارکہ بلاعذر ویکفر جاحدہ ۔

فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو بلاعذر ترک کرنے والا مستحق عذاب اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

اور دلیل قطعی کا اطلاق آیات محکمہ اور خبر متواتر پر ہوتا ہے الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

الفرض oooo ثبت بدلیل قطعی لاشبھۃ فیہ کالکتاب والخبر المتواتر حتی انہ یکفر جاھدہ ۔

فرض وہ حکم ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس میں کوئی شبہ نہ ہو جیسے قرآن اور خبر متواتر یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔[جلد ۱ ،ص ٦ کتاب الطھارۃ]

الحاصل: چہلم کا لازم ہونا نہ تو آیات محکمہ سے ثابت ہے اور نہ ہی خبر متواتر سے لہٰذا امام صاحب کا چہلم کو فرض قرار دینا سراسر غلط اور دینی وعلمی مسائل سے ناواقفیت کی کھلی دلیل اور شریعت پر افترا ہے امام مذکور پر علی الاعلان توبہ لازم ہے۔ نیز محفل چہلم از روئے شرع ایک امرِ محمود ہے اگر اس میں ممنوعات شرعیہ جیسے نوحہ ،سینہ کوبی یا گریبان پھاڑنا یا ماتم کرنا تجدیدِ غم وغیرہ نہ ہوں اور روایات صحیحہ کی روشنی میں شہداء کربلا اور دیگر اخیار کا ذکر خیر کیا جائے۔ تو بلاشبہ موجب ثواب اور "**عندذکر الصالحین تنزل الرحمۃ**" کے مطابق باعثِ نزول رحمت ہے۔

(۳) احقر کو مذکورہ بالا اشعار میں از روئے شرع کوئی قباحت نظر نہیں آرہی ہے ایسے استعارے ہر زبان میں موجود ہیں پتنگ وغیرہ کا استعمال مجاز ابلندی کے لئے ہوتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ یا نبی میری

زندگی کی ڈوراب آپ کے ہاتھ ہے یا جیسے کسی کے لئے بولا جائے کہ وہ تو علم کا پہاڑ ہے یا اس کا دماغ ساتویں آسمان پر ہے،
سب بطور مجاز بولا جاتا ہے۔خطیب مذکور بغیر علم کے فتوی دینے میں جری معلوم ہوتا ہے۔خطیب کو یہ نہیں معلوم کہ بغیر علم کے
فتوی بازی کرنا ناجائز وحرام ہی نہیں بلکہ آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت کا سبب بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من افتى بغير علم لعنته ملائكة السماء والارض .

جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔[کنز العمال،۱۰/۱۹۳]

(۴) امام مذکور بڑا ہی بیباک اور علم سے کورا معلوم ہوتا ہے یہی نہیں بلکہ وہ اپنی مادری زبان اردو کو سمجھنے سے بھی عاجز ہے
اردو زبان میں تو،تم،تیرا،تمہارا وغیرہ کا استعمال صرف تحقیر کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے لئے بھی شائع وذائع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے
لئے تو،تیرا کا استعمال،بہت سے علاقوں میں ماں کے لئے تو کا استعمال بلا شبہ تعظیم ومحبت کے لئے ہے نا کہ تحقیر وتذلیل کے لیے
مزید یہ کہ اردو وفارسی کے مشاہیر شعرا کے نعتیہ کلام میں تو،تیرا کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے اسے بے ادبی اور گستاخی
پر محمول کرنا اوران کی زبانوں کے گونگے ہونے کی بددعا کرنا یقیناً حماقت،سفاہت اور جہالت پر مبنی ہے۔امام مذکور نے یہ
اختراعی مسئلہ بیان کرتے وقت اور زبانوں کے گنگ ہونے کی بددعا کرتے وقت یہ بھی نہیں سوچا کہ میری زبان کے اس
زہر آمیز جملے سے نہ جانے کتنے اولیا وعلما اور اکابر ملت کی بارگاہوں کا تقدس مجروح ہوگا۔بے شمار اکابر امت نے اپنے کلام
میں آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو،تیرا،تمہارا وغیرہ کا استعمال کیا ہے ہم ذیل میں چند اکابر کے اشعار بطور ثبوت
پیش کیے دیتے ہیں:

درج ذیل اشعار سیدی غوث اعظم علیہ الرحمہ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں:

چوذره ذره شود ایں تنم بہ خاك لحد
توبشنوی صلوات از جمیع ذراتم
سلام بہ گویم وصلوات برتوهر نفسے
قبول کن بہ کرم ایك سلام وصلواتم

مولانا روم مثنوی شریف میں حضرت ابوبکر کے حضرت بلال کو خریدنے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت
ابوبکر کا بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

گفت مادوبندگان کوئے تو
کردمش آزادمن برروئے تو
تومرا امیدار بنده ویار غار
هیچ آزادی نخواهم [illegible]

علامہ جامی فرماتے ہیں:

غریبم یارسول اللہ غریبم
ندارم درجہاں جزتوحبیبم
مرض دارم زعصیاں لادوائے
مگر الطاف توباشدطبیبم
بریں نازم کہ ہستم امت تو
گنہگارم ولیکن خوش نصیبم

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بلندآسماں پیش قدرت خجل
تومخلوق وآدم ہنوزآب وگل
تواصل وجودآمدی ازنخست
دگرہرچہ موجودشدفرع تست
تراعزلولاک تمکین بس است
ثنای توطہ ویسین بس است

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مجھے بھی یاد رکھیو ہوں تمہارا اُمتی عاصی
گنہگاروں کو جب تم بخشواؤ یارسول اللہ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

مفتی اعظم فرماتے ہیں:

تو شمع رسالت ہے عالم تیرا پروانہ
تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

مذکورہ بالا اشعار مشتے نمونہ ازخروارے کے طور پر بیان کردیے گئے ہیں ورنہ فارسی اور اردو کا کوئی نعتیہ دیوان ایسا نہیں ملے گا جس میں بارگاہ رسالت کے لئے تو، تیرا کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

الحاصل: نعت وغیرہ میں تو تیرا تمہارا کا استعمال بلاشبہہ جائز ہے امام مذکور اپنے اس قول سے توبہ کے ساتھ رجوع کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی ایسا جملہ استعمال نہ کرے جس سے اولیا و علما کی بارگاہوں کا تقدس پامال ہو۔

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات یا اس سے کم لوگوں کی شرکت جائز ہے البتہ سات سے زیادہ افراد ایک گائے یا اونٹ میں شریک نہیں ہو سکتے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجب ان یعلم ان الشاۃ لاتجزی الاعن واحدوان کانت عظیمۃ والبقر والبعیر یجزی عن سبعۃ اذاکانوا یریدون بہ وجہ اللہ تعالیٰ والتقدیربالسبع یمنع الزیادۃ لایمنع النقصان کذافی الخلاصۃ۔

جاننا ضروری ہے کہ بکری اگر چہ بڑی ہو مگر وہ ایک ہی آدمی کی طرف سے جائز ہوگی اور گائے، اونٹ سات لوگوں کی طرف سے جائز ہے جب کہ وہ اس سے لوجہ اللہ قربانی کا ارادہ رکھتے ہوں اور سات کی قید سات سے زیادہ لوگوں کو شرکت سے روکنے کے لئے ہے نا کہ اس سے کم کے لئے۔ [۳۰۴/۵]

(۶) خطیب مذکور اگر مولوی کشمیری کی بدمذہبیت سے واقف ہونے کے باوجود اسے پارسا عابد و زاہد خیال کرتا ہے تو از روئے شرع دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

مجمع الانہر میں فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے ہے:

من شک فی عذابہ و کفرہ فقد کفر۔

جو کسی کافر کے عذاب اور کفر میں شک کرے کافر ہے۔[مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ۳۶۵/۴]

خطیب پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور تجدید بیعت لازم و فرض ہے۔

(۷) صدقۂ فطر نماز عید سے قبل ادا کرنا سنت ہے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز عید سے قبل ادائیگی نہ ہو پائے تو بعد میں ادا کرے عمر بھر اس کا وقت رہے گا اور جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا قضا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ففی ای وقت ادی مؤدیالا قاضیاً oooo غیران المستحب قبل الخروج الی المصلی۔

کسی وقت بھی ادا کرے ادا ہی ہوگا قضا نہیں مگر یہ کہ عیدگاہ کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔

[باب صدقۃ الفطر، ۳۱۱/۳]

(۸) البحر الرائق میں ہے:

وصلاة ليلة النصف ذكرها الغافقي المحدث في لمحات الانوار وصاحب انس المنقطعين وابو طالب المكي في القوت عبد العزيز الديريني في طهارة القلوب وابن الجوزي في كتاب النور والغزالي في الاحياء قال الحافظ الطبري جرت العادة في كل قطر من اقطار المكلفين بتطابق الكافة على صلاة مائة ركعة في ليلة النصف من شعبان بالف قل هو الله احد وتروى في صحتها آثار واخبار ليس عليها الاعتماد ولا نقول انها موضوعة كما قال الحافظ ابن الجوزي فان الحكم في الوضع امره خطير وشانه كبير مع انها اخبار ترغيب والعامل عليها بنيته يثاب ويصدق عزمه واخلاصه في ابتهاله يجاب والاولى تلقيها بالقبول من غير حكم بصحتها ولا حرج في العمل بها .

محدث غافقی نے لمحات الانوار میں اورصاحب انس المنقطعین نے اورابوطالب مکی نے قوت القلوب میں عبدالعزیز دیرینی نے طہارۃ القلوب میں ابن جوزی نے کتاب النور میں اورامام غزالی نے احیاء العلوم میں پندرھویں شب کی نماز (سورکعت) کا ذکرکیا حافظ طبری نے فرمایا کہ مکلفین کے ہر ملک میں سب کے اتفاق سے پندرہویں شعبان کی رات میں سورکعات نماز پرایک ہزار قل هو الله احد کے ساتھ عادت جاری ہے اوراس کی صحت پر جوآثار اور خبریں روایت کی گئی ہیں ان پر اعتماد نہیں ہے البتہ ہم ان کوموضوع بھی نہیں کہیں گے جیسا کہ ابن جوزی نے کہہ دیا اس لئے کہ وضع کا حکم بڑی چیز ہے مزید یہ کہ وہ ترغیب کی خبریں ہیں اوران پر اپنی نیت سے عمل کرنے والا ثواب پائے گا اوراگر سچا ہوگا اس کا ارادہ اوراخلاص اس کی انکساری وعاجزی میں تو قبول کیا جائے گا اوران آثار پر صحت کا حکم لگائے بغیر قبول کرلینا زیادہ بہتر ہے اوراس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [البحر الرائق، ۲/۹۳، باب الوتر والنوافل]

الحاصل: پندرہویں شعبان کی رات سورکعت نماز ایک امر مستحسن ہے اوران رکعات کوخلوص وللّٰہیت سے ادا کرنے والا بلاشبہ اجروثواب کا مستحق ہے البتہ اگر قضا نمازیں ذمہ میں ہوں تو نوافل کی ادائیگی بے سود ہے۔

حضور اعلٰی حضرت فرماتے ہیں:

"اس کے قبول کی امید تو مفقود اوراس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اورنفل گویا تحفہ ونذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وہ قابلِ قبول ہوں گے؟..... لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے جزءِ املا اورعثمان بن ابی شیبہ اپنی سنن اورابو نعیم حلیۃ الاولیاء اورھنّاد فوائد اورابن جریر تہذیب الآثار میں عبدالرحمٰن بن سابط وزید وزبید پسرانِ حارث ومجاہد سے راوی:

فلما حضر ابابکرن الموتُ دعا عمر فقال اتق اللّٰہ یا عمر واعلم ان لہ عملا بالنھار لا یقبلہ باللیل و عملا باللیل لا یقبلہ بالنھار واعلم انہ لایقبل نافلۃ حتی تؤدی الفریضۃ ،الحدیث"

یعنی جب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے ،الحدیث۔

نیز فتوح الغیب شریف کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مبارک بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضور مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ واھین ۔

یعنی فرض چھوڑ کر سنّت ونفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خوار کیا جائے گا"

[فتاوی رضویہ جدید،۸،۱۷۸،۱۷۹،۱۸۰]

(۹) نماز میں زبان سے نیت کرنا مستحب ہے شرط نہیں اگر زبان سے نیت نہ کی گئی تو کوئی حرج کی بات نہیں اس سے نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

النیۃ ارادۃ الدخول فی الصلاۃ والشرط ان یعلم بقلبہ ای صلاۃ یصلی و ادناھا مالو سئل لامکنہ ان یجیب علی البدیھۃ ٥٥٥٥ ولاعبرۃ للذکر باللسان فان فعلہ لتجتمع عزیمۃ قلبہ فھو حسن کذافی الکافی ۔

نماز میں داخل ہونے کے ارادہ کا نام نیت ہے اور نیت کی شرط یہ ہے کہ وہ دل میں جانتا ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اگر اس سے پوچھ لیا جائے تو برجستہ جواب دیدے اور زبان سے کہہ لینے کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر نیت کے ساتھ اسے بھی جمع کرلے تو اچھا ہے ایسا ہی کافی میں ہے۔[باب النیۃ،۱/۶۵]

درمختار میں ہے:

التلفظ عند الارادۃ بھا مستحب ھو المختار ۔

نیت کے ساتھ زبان سے کہہ لینا مستحب ہے یہی مختار ہے۔

[باب شروط الصلاۃ، ۲/ ۹۲]ھٰذاماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۵/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

اہلسنّت کی مسجد سے بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان حرام

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب نے جو سنی ہیں جمعہ کے روز دیوبندیوں کے جلسہ کا اعلان کیا۔اعلان میں لوگوں سے جلسہ میں شرکت کی اپیل کی اور کہا کہ لوگ پہنچ کر اس جلسہ کو کامیاب بنائیں۔امام صاحب کا اس طرح بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان کرنا شریعت کی روشنی میں کیسا ہے؟اور امام صاحب کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ میں نے کمیٹی کے دباؤ میں یہ اعلان کیا اور کمیٹی میں سکریٹری دیوبندی ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد مجاہد رضا نوری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

عرب وعجم کے علماء اہلسنّت کے نزدیک دیوبندی وہابی جماعت اپنے عقائد باطلہ وکفریہ کے سبب بددین ،گمراہ،کافر ومرتد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت کی کتاب مستطاب حسام الحرمین نیز حضور صدر الا فاضل محدث مرادآبادی قدس سرہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

”وہابی بے دین منکر ضروریات دین خارج از اسلام ہیں“[فتاوی صدرالا فاضل،ص ۴۱۹]

جب دیوبندی جماعت کا کفر وارتداد متفق علیہ ہے تو پھر دیوبندیوں کے جلسہ کی دعوت دینا اور اسے کامیاب بنانے کی اپیل کرنا گویا لوگوں کو کفر کی دعوت پیش کرنا ہے اگر امام صاحب کا یہ فعل اپنی مرضی سے ان کے مذہب کو حق جانتے ہوئے ان کے جلسہ کو دینی جلسہ سمجھتے ہوئے تھا تب تو ازروئے شرع ان پر حکم کفر عائد ہوگا۔دیوبندیوں کے کفر پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان جاننے اور ان کے کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے۔

حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

”جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری و درمختار و شفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شك فی عذابه و كفره فقد كفر .

علماء کا اجماع ہے کہ جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

اور کتب عقائد کا مشہور ضابطہ ہے:

الرضا بالكفر كفر . کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

لہٰذا ایسی حالت میں ان پر توبہ و تجدید ایمان تجدید نکاح لازم و ضروری ہے۔

درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح واولاده اولادزنا، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة(ای تجديد الاسلام)وتجديدالنكاح .

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ والا دزنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

[باب المرتد، ۶/ ۳۹۱]

اور اگر فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ امام صاحب کے قول کے مطابق کمیٹی کے دباؤ میں آ کر انہوں نے انہوں نے جلسہ میں جانے اور اسے کامیاب بنانے کا اعلان کیا تب بھی امام صاحب نے ایک ناجائز و حرام کام کا ارتکاب کیا اور گناہ میں بددینوں کا ساتھ دیا فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [پارہ ۱۲، سورہ ھود آیت ۱۱۳]

اے مسلمانو! بدمذہبوں کی طرف نہ جھکو نہیں تو تم کو جہنم کی آگ چھوئے گی)

ولاتعاونوا على الاثم والعدوان"

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

اور کمیٹی کے دباؤ میں آ کر خلاف شرع کام کرنا گویا دین پر دنیا کو ترجیح دینا ہے اور یہ عذاب الٰہی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ .

اے نبی فرما دو کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہارا کنبہ تمہاری کمائی

کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کا مکان ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو یہاں کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو راہ نہیں دیتا۔[پارہ۱۰ سورہ توبہ]

خلاف شرع کام میں کمیٹی ہو یا کوئی اور کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف .[صحیح بخاری،۲/۱۰۷۸]

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔

الحاصل: امام صاحب پر اس فعل شنیع پر راضی ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا حکم کفر عائد ہوگا اور انہیں از روئے شرع شریف علی الاعلان توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

علاوہ ازیں کمیٹی میں دیوبندی کو سیکرٹری منتخب کرنے اور اس کو دین کے معاملات میں دخل اندازی کرنے پر راضی ہونے کی وجہ سے اہل محلہ پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی توبہ کریں اور فوراً اس بدمذہب دیوبندی کو سکریٹری کے عہدے سے برطرف کریں اس لئے کہ بدمذہبوں کی تعظیم کرنا اور اپنے دینی امور ان کے ہاتھوں میں سونپ دینا ناجائز و حرام ہے۔ ان کے لئے تو شریعت کا یہ حکم ہے جس پر عمل کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔

اعلیٰ حضرت مقاصد و شرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حکم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن .

یعنی بدمذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل و تحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

نا کہ ان کو اپنے دینی امور کا حاکم و مختار بنائیں۔

حدیث میں ہے: **ایاکم وایاهم لایضلونکم ولایفتنونکم .**

گمراہوں سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم،۱/۱۰]

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

باب الجنائز

﴿چپل پہن کر نماز جنازہ پڑھنا﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں عموماً نماز جنازہ راستے یا میدان میں پڑھی جاتی ہے جہاں گندگی رہتی ہے تو کیا جوتے چپل پہن کر نماز ادا کر سکتے ہیں یا جوتے چپل اتار کر اس پر کھڑے ہوکر۔ ایسے مقامات پر جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی محمد اسرار الحق

(خطیب وامام) جامع مسجد محلہ بانس پھوڑان کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

نمازِ جنازہ ایسی جگہ پر جہاں گندگی ہو یا گندگی کا احتمال ہو نہ پڑھیں اور اگر پڑھیں تو ننگے پیر یا جوتے چپل کے ساتھ نہ پڑھیں۔ اگر نجاست پر کھڑے ہو کر جوتے چپل پہن کر نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

فتاوی شامی میں ہے:

قدتوضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیھاویلزم منه فسادھامن کثیرمن المصلین لعموم النجاسة وعدم خلعھم نعالھم المتنجسة .

بعض مقامات میں جنازہ مسجد کے باہر روڈ پر رکھ کر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے بہت سے نمازیوں کی نماز میں فساد لازم آتا ہے کیونکہ وہ جگہ عام طور پر ناپاک ہوتی ہے اور لوگ اپنے نجاست آلود جوتے اتارتے نہیں ہیں)

[ردالمحتار ،باب صلاۃ الجنازۃ، ۳/ ۱۲۹]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولوقام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان اوجوربان لم تجزصلاته کذافی محیط السرخسی .

اور اگر نجاست پر کھڑا ہوا اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔ [الفتاوی الھندیه،الفصل الثانی فی الطھارۃ، ۱/ ۶۲]

البتہ جوتے چپل اُتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی۔

محیط برہانی میں ہے:

لوقام على النجاسة في الصلاة وفي رجليه نعلان او جوربان لاتجوز صلاته ولوفرش نعليه اوجوربيه وقام عليهما جازت صلاته.

اگر کھڑا ہو جائے نجاست پر نماز میں اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں اور اگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھالئے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو نماز جائز ہے۔[۱/۶۵،بیان احکام المحدث]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولوخلع نعليه وقام عليهما جازسواء كان مايلي الارض منه نجساأوطاهرااذاكان مايلي القدم طاهرا.

اوراگر اپنے جوتے اتارلئے اوران پر کھڑا ہو گیا تو جائز ہے خواہ وہ حصہ جو زمین کی طرف ہے پاک ہو یا ناپاک جب کہ قدم کی طرف والا حصہ پاک ہو۔[الفصل الثاني في الطهارة، ۱/۶۲]

بحرالرائق میں ہے:

ولوقام على النجاسة وفي رجليه نعلان اوجوربان لم تجز صلاته لانه قام على مكان نجس ولوافترش نعليه وقام عليهما جازت الصلاة.

اگر کھڑا ہو جائے نجاست پر نماز میں اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں اس لئے کہ وہ ناپاک جگہ پر کھڑا ہے اور اگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھالیے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو نماز جائز ہے۔[باب شروط الصلاة ۱/۲۶۶]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں خلاصہ کے حوالے سے ہے:

لوصلى على خشب وفي جانبه الآخر نجاسة ان كان غلظ الخشب بحيث يقبل القطع تجوز و الافلا.

اگر لکڑی پر نماز پڑھی اور اس کی دوسری جانب نجاست ہے اگر وہ لکڑی اس قدر موٹی ہو کہ کاٹی جاسکے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔[باب ما يفسد الصلاة، ۱/۲۷۹]

بدائع الصنائع میں ہے:

اذاصلى على حجرالرّحاأوعلى باب أوبساط غليظ أوعلى مكعب ظاهره طاهروباطنه

نجس یجوز عند محمد وبه كان يفتي الشيخ ابوبكر الاسكاف وعندابي يوسف لايجوزوبه كان يفتي الشيخ ابوحفص الكبير .

جب آٹے کے پتھر یا دروازے یا موٹے بچھونے یا مکعب پر جس کا اوپری حصہ پاک اور نچلا حصہ ناپاک ہونماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز جائز نہیں ہے ابوحفص کبیر اسی پر فتوی دیتے تھے۔

[بدائع الصنائع كتاب الطهارة،باب ۱/۲۳۹]

امام ابن عابدین شامی نے اس مسئلہ میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔

فرماتے ہیں:

وظاهره ترجيح قول محمدوهو الاشبه .

اور اس کا ظاہر امام محمد کے قول کی ترجیح ہے اور یہی اشبہ ہے۔[ردالمحتار، باب مایفسد الصلاۃ، مطلب فی التشبہ باھل الکتاب،۲/۳۸۷]

نیز فتاوی عالمگیری میں بھی امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے:

اذاصلى على حجر الرّحاأوعلى باب أوبساط غليظ أوعلى مكعب ظاهره طاهروباطنه نجس يجوزعندمحمدوبه كان يفتي الشيخ ابوبكرالاسكاف٥وهو الاشبه باالترجيح هكذافي شرح منية الصلي لابن اميرالحاج .

جب آٹے کے پتھر یا دروازے یا موٹے بچھونے یا مکعب پر جس کا اوپری حصہ پاک اور نچلا حصہ ناپاک ہونماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور یہی ترجیح کے زیادہ لائق ہے)

[فتاوى عالمگيرى ،الفصل الثاني في الطهارة، ۱/۶۳]

علامہ عبدالحی کی کتاب معین المفتی والسائل جس کا ترجمہ دیوبندی عالم مفتی محمد عتیق مظاہری (استاد حدیث-جامع الہدیٰ، مرادآباد) نے کیا ہے، اس کتاب میں فتح القدیر کے حوالے سے ہے:

الاترى انه لوقام في صلوته على نجاسة وفي رجليه نعلان لا تجوز صلوته ولوفرش نعليه اوجوربيه وقام عليهماجازت .

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی نماز میں جوتے پہن کر نجاست پر کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز درست نہیں اور اگر جوتیوں یا جرابوں کو بچھا کر کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔[معین المفتی والسائل مترجم، ۳۶۹]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اگروہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اوراس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی ان کی نماز نہ ہوئی احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھی جائے کہ زمین یا تلا اگر ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۹/۱۸۸]

حاصلِ کلام: ناپاک جگہ ننگے پیر یا جوتے پہن کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی ہاں جوتے اُتار کر اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی خواہ زمین یا جوتے کا تلا دونوں ناپاک ہوں۔

هٰذا ما عندی و العلم عند الله تعالیٰ۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخه ۱۲/جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ

باب الحج والعمرہ

عرفات میں قیام حج کا سب سے بڑا رکن

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں پچھلے سال میں نے اپنے ماں باپ کو حج کرایا تھا جب وہ لوگ عرفات کے میدان میں جارہے تھے تو میری والدہ کی شدید طبیعت خراب ہوگئی جس سے وہ آگے کے ارکان پورے نہیں کر پائیں حالانکہ انہوں نے قربانی کروادی تھی طواف کعبہ اور صفاومروہ کی سعی بھی کرلی تھی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میرے والدین کا حج مکمل ہوا یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد شاداب کٹوراتال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

عرفات میں ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے بلکہ اصل حج یہی ہے جس نے اسے پالیا اس نے حج پالیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحج عرفة فمن ادرك ليلة عرفة قبل طلوع الفجر من ليلة جمع فقدتم حجه.

حج عرفہ ہے جس نے طلوع فجر سے قبل مزدلفہ کی رات میں وقوف عرفہ پالیا اس کا حج پورا ہوگیا۔ [سنن النسائی باب فرض الوقوف بعرفة، ۲/۳۷]

اور جس کا وقوف عرفہ فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا حدیث شریف میں ہے۔ سرکار دوعالم صلى الله عليه وسلم نے فرمایا:

من وقف بعرفات بليل فقد أدرك الحج ومن فاته عرفات بليل فقد فاته الحج.

جو شخص رات کو عرفات میں ٹھہرا اس نے حج پالیا اور جس کا وقوف عرفہ رات سے فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا۔ [سنن الدارقطنی، کتاب الحج، ۲/۲۴۱]

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے:

من لم يقف بعرفة من ليلة المزدلفة من قبل ان يطلع الفجر فقد فاته الحج.

جس نے مزدلفہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ نہیں کیا اس کا حج فوت ہوگیا۔

نیز ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ولم يقف بعرفة فقد فاته الحج.

اور وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج فوت ہوگیا۔ [مؤطاامام مالك، كتاب الحج، ص، ۱۵۲]

لہٰذا اس پر آئندہ سال دوبارہ حج کرنا لازمی ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

من فاته عرفة بليل فقدفاته الحج فليحل بعمرة من غيردم وعليه الحج من قابل ۔

جس کا وقوف عرفہ فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا وہ عمرہ کرکے احرام کھول دے اس پر کوئی دم نہیں البتہ آئندہ سال اس پر حج لازم ہے) [سنن الدارقطنی، ۲/۲۴۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے: **من احرم بالحج كان فرضاأومنذوراأوتطوعاًصحيحاًكان أو فاسد اسواء طرأفساده أوانعقد فاسداكمااذاأحرم مجامعاوفاته الوقوف بعرفة حتى طلع الفجرمن يوم النحرفقدفاته الحج وعليه ان يطوف ويسعى و يتحلل ويقضي من قابل ولادم عليه كذافي الهدايه"**

جس نے احرام باندھا حج فرض یا نذر یا نفل کا صحیح ہو یا فاسد برابر ہے کہ وہ فساد درمیان میں آگیا ہو یا شروع ہی سے ہو جیسا کہ مجامعت کی حالت میں احرام باندھا تھا اور وقوف عرفہ فوت ہوگیا یہاں تک کہ قربانی کے دن فجر طلوع ہوگئی تو اس کا حج فوت ہوگیا اس پر لازم ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور احرام سے باہر ہوجائے اور آئندہ سال حج قضا کرے اور اس پر کوئی دم نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

[الفتاوی الہندیہ، کتاب المناسک، باب فی فوات الحج، ۱/۲۵۶]

فتاوی خانیہ میں ہے: **من فاته الوقوف بعرفة في وقت الوقوف فاته الحج ۔**

جس کا وقوف عرفہ وقت وقوف میں فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا۔ [فصل فی فائتة الحج، ۱/۲۵۶]

مذکورہ بالا عبارات کا ماحصل یہ نکلا کہ آپ کے والدین نے وقوف عرفہ ترک کیا جس کی کوئی تلافی نہیں سوائے اس کے کہ آئندہ سال حج کیا جائے آپ کے والدین پر لازم ہے کہ حج کی قضا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۷/جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ

آفاقی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں ایک شخص حرم شریف میں کام کرتا ہے جب اپنے وطن ہندوستان سے واپس آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے اگر بغیر باندھے داخل ہوگئے تو دم دینا ہوگا

کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا احرام کے ساتھ عمرہ بھی ضروری ہے؟

اور یہ بھی بتائیں کہ حدود حرم میں کام کرنے والا اگر زیارت کے لئے مدینہ گیا تو کیا واپسی میں اسے حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے عمرہ کے لئے احرام باندھنا اور حرم میں آ کے عمرہ کرنا واجب ہے ایسا نہیں کیا تو کیا دم واجب ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

مبارک علی خاں رضوی

کاکیہ قربان گاہ حرم شریف مکہ

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

از روئے شرع جب بھی کوئی باہر سے آنے والا مکہ شریف میں حاضر ہونا چاہے تو اس کے لیے میقات پہنچ کر احرام باندھنا واجب وضروری ہے عمرہ نہیں ہاں اگر بغیر احرام باندھے میقات سے گزر گیا تو اب اس پر شرعاً حج یا عمرہ واجب ہو گیا وہ میقات واپس آئے اور احرام باندھے عمرہ یا حج کی نیت کرے اگر وہ میقات واپس آ کر احرام نہیں باندھتا اور میقات پر آئے بغیر احرام باندھ کر حج یا عمرہ کر لیتا ہے تو اس پر دم واجب ہے۔ یوہیں جب وہ مکہ سے مدینہ جاتا ہے تو گویا میقات سے باہر ہو جاتا ہے ایسی صورت میں وہ آفاقی یعنی باہر سے آنے والے کی طرح ہو جاتا ہے تو اگر وہ مکہ کو واپس ہوتا ہے تو میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اگر نہیں باندھتا تو اوپر ذکر کیا گیا حکم نافذ ہوگا۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''باہر سے مکہ معظّمہ کا قصد کرنے والے کو بے احرام ان مقاموں سے آگے بڑھنا حرام ہے''

[فتاوٰی رضویہ جدید ۱۰/۷۷۹]

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ولا یجوز للآفاقی ان یدخل مکة بغیر احرام نوی النسك اولا ولو دخلها فعلیه حجة او عمرة کذافی محیط السرخسی .

باہر سے آنے والے کے لیے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہے حج وعمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو اور اگر بغیر احرام داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ واجب۔ ہے ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔

[باب فی المواقیت، ج ا ص ۲۲۱]

اسی میں ہے: اذادخل الافاقی مکة بغیر احرام وهو لا یریدالحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حجة او عمرة فان احرم بالحج اوالعمرة من غیران یرجع الی المیقات فعلیه دم لترك حق المیقات وان

عاد الی المیقات واحرم فھٰذا علی وجھین فان احرم بحجة اوعمرة عما لزمه خرج عن العھدة الخ

جب باہر سے آنے والا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوا اور اس کا حج اور عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو اس پر مکہ میں داخل ہونے کے سبب یا تو حج ہے یا عمرہ پس اگر میقات کو لوٹے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھا تو حق میقات ترک ہونے کے سبب اس پر دم ہے اور اگر میقات کو واپس آ کر احرام باندھا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر حق میقات ترک ہونے کے سبب جو حج یا عمرہ لازم آیا تھا اس کا احرام باندھا تو دم ساقط ہو گیا۔ الخ [باب مجاوزة المیقات بغیر احرام، ج ۱ ص ۲۵۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

لیس لاحد ینتھی الی المیقات اذا اراد دخول مکة ان یجاوزھا الا بالاحرام سواء کان من قصده الحج او القتال او التجارة۔

میقات تک پہنچنے والا جب مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے چاہے حج اور عمرہ کے نیت سے یا تجارت کی غرض سے تو اس کے لیے بغیر احرام میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ [باب المواقیت، ج ۵، ص ۳۸۲]

تحفۃ الفقہاء میں ہے:

الافاقی اذا جاوز المیقات لقصد الحج او لقصد مکة لتجارة من غیر احرام ودخل مکة کذلك فانه یلزمه اما حجة او عمرة عندنا۔

باہر سے آنے والا اگر حج یا مکہ میں تجارت کے ارادے سے بغیر احرام کے میقات سے گزر کر مکہ میں داخل ہو گیا تو احناف کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو گیا۔ [۱/۳۸۶]

ردالمحتار میں ہے:

المکی oooo لا یجاوز میقات الآفاقی والا فھو کالآفاقی لا یحل له دخوله بلا احرام۔

مکہ میں رہنے والا باہر سے آنے والے کے میقات سے نکلتے ہی اسی کے مثل ہو جائے گا اس کے لیے بھی مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہوگا۔ [کتاب الحج، مطلب فی المواقیت، ۳/۴۸۴]

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۵/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

حائضہ عورت کے لئے ارکان حج کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسئلہ میں اگر ایام حج میں عورت حائضہ ہو جائے تو حج کے افعال کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

قاری محمد ذاکر حسین

مدرسہ اہل سنت گلشن رضا کونڈا چوراہا کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

ایام حج میں حائضہ عورت سوائے طواف کعبہ اور سعی کے تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔

ملتقی الابحر میں ہے:

ولو حاضت عند الإحرام اغتسلت وأتت بجميع المناسك إلا الطواف ۔

اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہو جائے تو غسل کرے اور سوائے طواف کے تمام اعمال حج ادا کرے۔

[ملتقی الابحر، کتاب الحج، ۱/۵۲]

عقود الدریہ میں ہے:

حَيْضُهَا لَا يَمْنَعُ شَيْئًا مِنْ نُسُكِهَا إلَّا الطَّوَافَ ۔

عورت کا حیض سوائے طواف کے افعال حج میں سے کسی سے مانع نہیں۔

[عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی، ۱/۹۲]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

المرأة إذا حاضت في الحج إن حاضت قبل أن تحرم وانتهت إلى الميقات فإنها تغتسل وتحرم وإذا قدمت مكة وهي حائض تصنع كما يصنع الحاج غير أنها لا تطوف بالبيت ولا تسعى بين الصفا والمروة وتشهد جميع المناسك ۔

عورت جب دوران حج حائضہ ہو جائے تو اگر وہ احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہوئی ہے اور میقات تک حیض ختم ہو گیا تو وہ غسل کرے اور احرام باندھے اور جب حالت حیض ہی میں مکہ پہنچ گئی تو سوائے طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی کے تمام کام کرے جو حاجی لوگ کرتے ہیں)

[فتاوی قاضی خان، ۱/۳۴۷، فصل فی کیفیة اداء الحج]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

اغرب القهستاني حيث زادالسعي .

قہستانی نے انوکھی بات کہی کہ انہوں نے سعی کا اضافہ فرمایا یعنی حائضہ عورت کو طواف کے علاوہ سعی سے بھی منع فرمایا۔

[حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، ۱/۵۱۳]

ردالمحتار میں ہے: تنبيه قدمنا عن المحيط أن تقديم الطواف شرط صحة السعي فعن هذا قال القهستاني فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جميع المناسك إلا الطواف والسعي اه أي لأن سعيها بدون طواف غير صحيح .

خبردار ہم محیط کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ طواف کا مقدم ہونا سعی کے صحیح ہونے کی شرط ہے اسی وجہ سے قہستانی نے کہا کہ اگر عورت احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہوجائے تو غسل کرے اور احرام باندھے اور طواف وسعی کے علاوہ تمام مناسک ادا کرے اس لئے کہ بغیر طواف کے سعی کرنا صحیح نہیں ہے۔

[ردالمحتار، ۳/۵۵۲، کتاب الحج]

الحاصل: حائضہ عورت ایام حج میں طواف کعبہ اورسعی کے علاوہ تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔ھٰذاماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲۸/جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

باب النکاح

﴿مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے کسی عورت سے زنا کیا اور اب وہ اس عورت کی جوان لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

حافظ محمد غلام یسین منڈل سرسلا مسجد نور ضلع کریم نگر حیدرآباد

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم — نحمده ونصلّی علٰی حبيبه الكريم

زید کے لئے اس عورت کی لڑکی سے نکاح جس سے وہ زنا کر چکا ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن مقدس میں ہے:

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

(اور (حرام ہیں تم پر) ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بی بیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو)

[کنزالایمان سورہ نساء پارہ ۴ آیت ۲۳]

مجمع الانھر میں ہے:

لَوْ زَنَى بِامْرَأَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُصُولُهَا وَفُرُوعُهَا

(اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس پر اس عورت کے اصول وفروع حرام ہو گئے)

[کتاب النکاح باب المحرمات، ۱/ ۴۸۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فَمَنْ زَنَى بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَإِنْ عَلَتْ وَابْنَتُهَا وَإِنْ سَفُلَتْ۔

وہ شخص جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس پر عورت کی ماں اوپر تک (یعنی عورت کی نانی پرنانی وغیرھا) اور اس عورت کی بیٹی نیچے تک (یعنی نواسی وغیرھا) سب حرام ہیں۔ [کتاب النکاح باب فی بیان المحرمات ۱/۲۷۴]

فتاوی رضویہ میں ہے:

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

اس آیہ کریمہ میں زن مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف "اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ" یعنی اس کی گود میں پلنا بالاجماع شرط حرمت نہیں۔ مثلاً زید کسی پچیس سال والی عورت سے نکاح کرے اور اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چاردہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا درکنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو کیا

زید کو حلال ہوسکتا ہے کہ اس کی لڑکی سے بھی نکاح کر لے اور مادر دختر دونوں کو تصرف میں لا الـــہ الا اللہ یہ ہرگز شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔

اسی طرح وصف ''نِسَـائِـکُم''، یعنی ان مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، کیا لیلی وسلمی ماں بیٹی دونوں جس کی کنیز شرعی ہوں اسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے، مادر ودختر دونوں ایک پلنگ پر، عیـاذاًبـاللّٰہ، یہ شریعت محمدی صـلـی اللّٰہ عـلیـہ وسلم سے کس درجہ بعید ہے۔ حالانکہ ہرگز کنیزیں ''نِسَـائِکُم'' میں داخل نہیں نہ ان کی بیٹیوں پر'' رَبَـائِبُکُم '' صادق، غالبًا ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں، تو ثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تمہ آیت "فَـاِنْ لَـمْ تَـکُـونُـوا دَخَلْتُمْ بِهِـــنَّ ''تحریم دختر کے لیے کافی نہیں، یونہی شرط وضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے، نہ جزء علت اب آیہ کریمہ میں نہ رہا مگر ''اللَّاتِـی دَخَلْتُمْ بِهِن''یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی، معلوم ہوا صرف اس قدر علت تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ اس نے صحبت کی، لاجرم بحکم آیت اس کی بیٹی اس پر حرام ہوگئی۔''

مزید فرماتے ہیں:

''اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگر چہ بلا نکاح اگر چہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہوگئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرت علامہ صحابہ عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت اقرؤ الصحابہ ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مفتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمن اوزاعی وامام احمد بن حنبل وامام اسحق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضـی الـلّٰہ تعالیٰ عنهم اجمعین۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶]

الحاصل: زانی پر مزنیہ کی بیٹی قطعاً ناجائز وحرام ہے۔

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ اتم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

﴿ دیو بندی لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح جائز نہیں ﴾

جناب مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں؛

ایک سنی صحیح العقیدہ نے اپنی لڑکی کا رشتہ دیو بندی کے گھرانے میں کیا ہے ہم نے اس کو بہت سمجھایا پھر بھی نہیں مانا اب ان لڑکی و لڑکا کی شادی ہے لڑکی والے سنی ہیں جو ہمارے قریبی بھائی رشتہ دار ہیں کیا ایسی شادی میں جانا چاہئے یا نہیں؟ اگر لڑکی کی شادی میں نہیں جائیں گے تو آپس میں بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور بھائیوں میں آنا جانا بند ہو جائے ہم لوگ جس جگہ پر رہتے ہیں وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے بیس ۲۰ گھروں کی آبادی ہے آپس میں ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتا اس صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

فقط سلام دعا گو تاج محمد اکبری کرڑا جالور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلّی علٰی حبیبہ الکریم

دیابنہ اپنے عقائد باطلہ وخبیثہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں ان کے ساتھ کسی سنی و سنیہ مرد و عورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

فقہ حنفی کی معتبر و مستند و متدل کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ۔

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔

[باب المحرمات بالشرك ۱/۲۸۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وہابی ہو یا رافضی جو بد مذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے.....تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۷]

سنی صحیح العقیدہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح ایسے دیو بندی لڑکے سے کرنا جو علماء دیو بند کے کفریات پر مطلع ہوتے ہوئے بھی ان کو مسلمان جانتا ہو اگر اس کو مسلمان سمجھ کر ہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں ''جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری میں و درمختار و شفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شك في عذابه و كفره فقد كفر .

علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم و ضروری ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح و اولاده اولادزنا، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة (اى تجديد الاسلام) وتجديد النكاح .

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ والادزنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

[باب المرتد، ۱/۶ ۳۹]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی:

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

[کنزالایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

وفرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اياكم واياهم لايضلونكم ولايفتنونكم .

گمراہوں سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [صحیح مسلم، ۱/ ۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں اور نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منھ پھیر لیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد و شرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حكم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن .

یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل و تحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز و حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شرکت کرنا از روئے شرع ناجائز و حرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان ۔

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔[کنزالایمان، پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

رہا سائل کا یہ کہنا "وہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں اور شادی میں شرکت نہ کرنے پر بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور ایک دوسرے کے بغیر کام نہیں چل سکے گا" تو شریعت میں اس عذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شریعت کے بانی نبی محترم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور ان کے اصحاب کرام کی مقدس زندگیاں اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ سائل کو چاہئے کہ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کرے، اور ایسے نکاح میں ہرگز ہرگز شریک نہ ہو ایمان و شریعت کے مقابل کسی رشتہ اور قرابت کا پاس ولحاظ مومن کی شان نہیں ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة فی معصية الله انما الطاعة فی المعروف .

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔[صحیح بخاری، ۲/ ۱۰۷۸]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ

﴿دیابنہ و وہابیہ کے یہاں لڑکی دینے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید جس کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اپنی لڑکی کی شادی مشہور و متصلب وہابی کے یہاں کر رہا ہے ازروئے شرع یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اس شادی میں شریک ہوں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

(قاری) محمد نظر سلامی (امام) جامع مسجد غوثیہ کھائی کھیڑی کمال پور نجیب آباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

وہابیہ و دیابنہ اپنے عقائد باطلہ مثلاً اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی

آسکتا ہے، امتی عمل میں نبی سے بڑھ سکتا ہے، نماز میں نبی کا خیال گدھے بیل کے خیال اور بیوی سے مجامعت کے خیال سے بدتر ہے، جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں، نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، لاالہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، انبیاء واولیاء ہر مخلوق چھوٹی بڑی اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے، نبی کا علم شیطان سے کم اور جانوروں، پاگلوں، بچوں کے برابر ہے، صحابہ کو کافر کہنے والا کافر نہیں ہے، حضرت علی کا اسلام معتبر نہیں ہے، حضرت حسین جلیل القدر صحابی نہیں ہیں، وغیرہا۔ (معاذ اللہ رب العلمین) کے سبب دائرۂ اسلام سے خارج اور بدترین کافر و مرتد ہیں، ان کے ساتھ نکاح تو درکنار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جیسے باطل فرقوں سے وابستہ افراد کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے ان کے ساتھ نماز پڑھنے اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تؤاكلوهم ولا تناكحوهم .

بدمذہبوں کے ساتھ نہ ان کے ساتھ پیو نہ کھاؤ نہ ان کے ساتھ نکاح کرو۔

اور فرماتے ہیں:

فلاتناكحوهم ولاتؤاكلوهم ولا تشاربوهم ولا تجالسوهم ولاتصلوا عليهم ولاتصلوا معهم .

بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ [کنزالعمال ۱۱/۵۲۹:۵۴۰]

فقہ حنفی کی معتبر و مستند و مستدل کتاب فتاوی عالمگیری جسے پانچ سوا کابر علماء نے ترتیب دیا ہے اس میں ہے:

لايجوز للمرتد ان يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة اصلية وكذالك لايجوز نكاح المرتدة مع احد كذافي المبسوط .

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔ [باب المحرمات بالشرك ۱/۲۸۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے.....تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے" مزید فرماتے ہیں کہ مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت و مرد سے مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہو سکتا [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۷۷]

الحاصل: زید کا اہل سنت سے وابستہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی لڑکے سے کرنا اپنی لڑکی کو زنا کے لئے پیش

کرنا ہے۔ جیسا کہ عبارات بالا سے ظاہر ہو چکا ہے، لہٰذا زید پر فرض ہے کہ فوراً اپنے فعل سے باز آئے اور اپنی لڑکی کا نکاح کسی سنی صحیح العقیدہ کے ساتھ کرے اور اگر زید اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی وہابی لڑکے سے کر چکا ہے تو فوراً اپنی لڑکی کو واپس بلا لے اور بلا طلاق وعدت اس کا نکاح دوسری جگہ کر دے۔ اور اگر زید پھر بھی اپنی لڑکی کا نکاح وہابیوں کے یہاں ان کے عقائد باطلہ وکفریہ سے آگاہ ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر کر رہا ہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

"جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے وجیز امام کردری میں ودر مختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے "اجمع العلماء من شك في عذابه و كفره فقد كفر" علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے"

[فتاوی رضویہ جد ۱۱/۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم وضروری ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح واولاده اولادزنا، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة (اى تجديد الاسلام) وتجديد النكاح .

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

[باب المرتد، ٦/ ٣٩١]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شریک ہونا بھی ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

ولاتعاونوا على الاثم والعدوان .

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [ترجمہ قرآن، کنز الایمان، پارہ ٦ سورہ مائدہ آیت ٢]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا شخص جب تک توبہ نہ کرلے بموجب فرمان الٰہی:

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ [کنز الایمان پارہ ٢٨، سورہ انعام آیت ٦٨]

وفرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم ۔
گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم،۱/۱۰]

اس سے دُور رہیں اور اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں، نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منھ پھیر لیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد وشرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں: حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن ۔
یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۳/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

نکاح میں ایک گواہ کی گواہی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ایک لڑکے نے لڑکی سے ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح پڑھوایا شرعا یہ نکاح ہوا یا نہیں، اس کے بعد لڑکی کے گھر والوں نے لڑکے سے زبردستی طلاق دلوائی لڑکے نے دباؤ میں آکر طلاق دے دی تو کیا دباؤ میں آکر لڑکے کے طلاق دیدینے سے طلاق واقع ہوگئی؟

صابر حسین بن ذوالفقار علی محلہ نیاز نگر سنہری مسجد کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

ازروئے شرع نکاح میں دو گواہ شرط ہیں صرف ایک گواہ کی موجودگی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔
فتاوی عالمگیری میں ہے:

فلاینعقدالنکاح بشاھدواحد ۔ ایک گواہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔[کتاب النکاح، ۱/۲۶۷]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''نکاح کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا لازم ہے صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب وقبول کر لینے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۱/۲۹۴]

لہٰذا ایسا نکاح شریعت کی اصطلاح میں نکاح فاسد کہلاتا ہے جس میں قاضی شرع تفریق کرائے یا شوہر متارکہ کرے یعنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے چھوڑا وغیرہ اور طلاق خواہ جبراً ہی ہو یہ بھی متارکہ کے حکم میں ہے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی القاضی التفریق بینهما ooooo او متارکة الزوج .

قاضی پر ان دونوں کی تفریق واجب ہے اور شوہر پر متارکہ۔ [کتاب النکاح،۴/۲۷۶]

ردالمحتار میں ہے:

المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک .

نکاح فاسد میں متارکہ دخول کے بعد نہیں ہوتا ہے مگر قول سے جیسے کہے کہ میں نے تیرا راستہ خالی کیا یا تجھے چھوڑا۔ [۴/۲۷۶]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا وقع النکاح فاسدا فرق القاضی بین الزوج والمراة ooo وفی مجموع النوازل الطلاق فی النکاح الفاسد یکون متارکة .

نکاح فاسد میں قاضی میاں بیوی میں جدائی کرائے۔ اور مجموع نوازل میں ہے کہ نکاح فاسد میں طلاق متارکہ ہی ہوتی ہے۔ [باب النکاح الفاسد، ۱/۳۳۰]

علاوہ ازیں اگر شوہر نے عورت سے صحبت بھی کر لی ہو تو شوہر پر مہر بھی واجب ہوگا اور عورت پر متارکہ کے بعد عدت بھی۔ اور اگر صحبت نہ کی ہو تو مہر و عدت کچھ لازم نہ ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فان لم یکن دخل بها فلا مهر لها و لا عدة وان کان قد دخل بها فلها الخ .

اگر دخول نہ کیا ہو تو مہر اور عدت نہیں ہے ورنہ ہے۔ [مرجع سابق]

هذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۴/ ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ

﴿طلاق کے بعد دوسرے سے نکاح﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دی اور اس کے بعد زینب کی عدت بھی گزر گئی تو کیا اب زینب کے ماں باپ دوسری جگہ زینب کا نکاح کر سکتے ہیں؟ ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

شاہد حسین منجھرہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں زینب کا نکاح دوسری جگہ کرنے میں ازروئے شرع کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ پائی جائے۔

مطلقہ عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین حیض گزرنے تک رکنے کا حکم فرمایا ہے:

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء ۔

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔ [کنز الایمان سورۃ البقرۃ پارہ ۲ آیت ۲۲۹]

بلکہ اس دوران انہیں پیغام نکاح دینے سے بھی منع فرمایا گیا ہے:

ولاتعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ ۔

اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ [کنز الایمان، پارہ ۲ آیت ۲۳۵]

البتہ عدت گزر جانے کے بعد وہ آزاد و مختار ہو جاتی ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہو جاتی ہیں۔

تفسیر قرطبی میں آیت "والمطلقت یتربصن انفسھن ثلثة قروء" کی تفسیر میں ہے:

حتی انقضت عدتھافھی احق بنفسھاوتصییر اجنبیۃمنہ ۔

جب عدت پوری ہو جاتی ہے تو وہ خود مختار ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہیں۔ [تفسیر قرطبی ۳/۱۲۰]

لہٰذا زینب کے والدین زینب کا نکاح جہاں چاہیں کر سکتے ہیں شرعاً اجازت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۴/ ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ

شوہر کا بیوی کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زینب کے شوہر کو بیس سال کی سزا ہوگئی ہے وہ پانچ سال سے جیل میں ہے اور زینب اپنے ماں باپ کے گھر ہے شوہر سے جب طلاق کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں طلاق کا لفظ زبان پر لانا نہیں چاہتا لیکن جب زینب کبھی اس سے ملنے جاتی ہے تو وہ اسے دوسرا نکاح کرنے کے لئے کہتا ہے تو کیا ایسی حالت میں زینب کو شرعاً دوسرے نکاح کی اجازت ہے؟ از روئے شرع جو بھی حکم ہو عنایت فرمائیں۔

محمد شمیم رضوی

رضوی کتب خانہ محلہ قلعہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

زینب کے شوہر کا زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا اگر بنیت طلاق ہے تب تو زینب بائنہ مانی جائے گی اور بعد عدت اسے نکاح کی شرعاً اجازت ہوگی اور اگر شوہر کا یہ کہنا طلاق کی نیت سے نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ الفاظ کنایہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کے لئے طلاق کی نیت ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ انہیں جیسے الفاظ سے متعلق فرماتے ہیں:

''بقیہ چار الفاظ میں تین پیشیں کا حاصل اجازت نکاح دینا ہے اور وہ بے شک کنایات سے ہیں: فانہ ینبغی عن رفع قیدالنکاح واخراجھاعن عصمۃ لنفسہ کقولہ تزوجی کمافی الخانیۃ وابتغی الازواج کمافی الکنزو وھبتک للازواج کمافی الھندیۃ۔

چونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوندیوں کہے تو نکاح کر جیسا کہ خانیہ میں ہے تو خاوند تلاش کر جیسا کہ کنز میں ہے میں نے تجھے شوہروں کے حوالے کیا جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ .... تو ان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو لفظ رہے ایک کنایہ جس سے بلحاظ نیت طلاق بائن پڑے گی۔''

مزید ردالمحتار کے حوالے سے فرماتے ہیں: لایقع دیانۃ بدون النیۃ۔

کنایہ کی صورت میں بغیر نیت طلاق واقع نہ ہوگی۔ [فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/۶۳۳، ۶۳۴]

دوسرے مقام پر فتاوی عالمگیری کے حوالے سے فرماتے ہیں:

لو قال تزوجی ونوی الطلاق اوالثلث صح وان لم ینوشیألم یقع کذا فی العتابیہ۔

اگر کہا تو نکاح کرلے اور ایک طلاق یا تین طلاق کی نیت کی تو صحیح ہے اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی

جیسا کہ عنایہ میں ہے)[مرجع سابق،۱۲/ ۵۲۴]
واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مورخہ ۱۸ ،شعبان المعظم، ۱۴۳۳ ھ

بھاگی ہوئی بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید اور زینب کا نکاح ہوا زینب زید کے گھر ایک رات رہی دوسرے دن دعوت ولیمہ کے بعد زینب کے گھر والے اس کو گھر لے گئے تیسرے دن جب زینب کو لینے زید کے گھر والے پہنچے تو پتہ چلا و بکر کے ساتھ بھاگ گئی ہے زینب کے باپ نے بتایا کہ زینب نے زید سے شادی سے پہلے ہی بکر سے کورٹ میرج کرلیا تھا، اب زید اور اس کے گھر والے اس لڑکی کو رکھنا نہیں چاہتے اور طلاق دینا چاہتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں زینب مہر کی حقدار ہوگی؟ از روئے شرع حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد ناظم، طفیل گارڈن کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ زید سے شادی کرنے سے پہلے زینب اور بکر نے دو مسلمان گواہوں کے سامنے کورٹ میں ایجاب وقبول کیا ہے تو پھر یہ نکاح جو زید کے ساتھ ہوا وہ نکاح باطل ہے۔قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔[ترجمہ کنز الایمان، سورہ نساء، آیت ۲۴]

دونوں الگ ہو جائیں اس میں طلاق کی بھی حاجت نہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

ولا یجوز نکاح منکوحة الغیر ۔[فتاوی قاضی خاں،۱/ ۴۱۶]

البتہ زید پر زینب کا مہر مثل یعنی اس جیسی لڑکیوں کا خاندان میں جو مہر عام طور پر رائج ہو لازم ہے اگر چہ مقرر کردہ مہر سے کم ہو۔ہاں اگر مقرر کردہ مہر سے زیادہ ہو تو مہر مقرر ہی واجب الادا ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مہر مثل و مہر مسمّٰی سے جو کم ہو لازم آئے گا''

مزید درمختار کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فی الدر المختار یجب مھر المثل فی نکاح فاسد ००० ولم یزد علی المسمّٰی ولو کان دون المسمّٰی لزم مھر المثل ۔

نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور مہر مثل مقرر کردہ مہر سے زیادہ نہ ہو اور اگر اس سے کم ہو تو بھی مہر مثل لازم ہوگا۔[فتاویٰ رضویہ جدید ۱۲/۱۶۱]

اور اگر زینب کا بکر سے نکاح ثابت نہ ہو تو زینب بدستور زید کی بیوی رہے گی اور طلاق کے بعد مہر کی حقدار ہوگی ہاں اس کی اس حرکت قبیحہ کے سبب طلاق سے قبل اس کی عدم موجودگی اور طلاق کے بعد عدت کا نفقہ ضرور ساقط ہوگا مگر اس کا مہر زید پر لازم ہوگا۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جتنی مدت عورت فرار رہی اس مدت کا نفقہ تو زید پر اصلاً نہیں **فی الدر المختار لا نفقة لخارجة من بیته بغیر حق وھی الناشزة حتی تعود ۔** (درمختار میں ہے کہ بلا وجہ شوہر کے گھر سے جانے والی عورت نافرمان ہے اس کا نفقہ نہیں) [فتاویٰ رضویہ جدید ۱۳/ ۴۲۸]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''مھر بنفس عقد زن وشوئی واجب شود بوطی یا خلوت صحیحه یا موت احد الزوجین تاکد و تقرر یابد که بعد وقوع یکے ازینها بهیچ وجه پاره ازاں بے ادا یا ابراء ساقط نه گردد اگرچه زن معاذاللّٰه فسق و فجور در زد یا عیاذ باللّٰه مرتده شود فی الدر المختار یتاکد عند وطء او خلوة صحت او موت احدهما''

مہر نکاح سے لازم ہوجاتا ہے اور صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت ہو جانے سے مہر پکا ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد مہر کا کوئی حصہ بغیر ادا یا بغیر بیوی کے معاف کیے ساقط نہیں ہوگا اگرچہ بیوی فاسقہ فاجرہ یا معاذ اللہ مرتدہ ہو جائے درمختار میں ہے کہ صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت سے مہر پکا ہو جاتا ہے۔[فتاویٰ رضویہ جدید،۱۲/ ۱۲۶]

مزید فرماتے ہیں: ''وہ عورت فاسقہ ہے سخت گنہ گار ہے مگر ان حرکات کے سبب مہر ساقط نہ ہوگا رکھنے نہ رکھنے کا مرد کو اختیار ہے۔'' [فتاویٰ رضویہ جدید،۱۲/ ۱۴۴]

واللّٰه تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

یکم محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

متوفیہ بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میری بیوی اپنا مہر معاف کیے بغیر انتقال کر گئیں۔کوئی اولاد بھی نہیں چھوڑی، جو جہیز چھوڑا تھا وہ تو میں نے ان کے والدین کو دے دیا۔صرف مہر باقی ہے اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

محمد ناظم سیفی محلّہ نئی بستی و جے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

مہر آپ کی بیوی کا ترکہ ہے جو ان کے وارثین کو حسب فرائض دیا جائے گا۔کل مہر سے آپ کو نصف (آدھا) ملے گا بقیہ نصف میں تین حصے ہوں گے دو حصے آپ کے سسر کے اور ایک آپ کی ساس کو دیا جائے گا۔قرآن شریف میں ہے:

ولکم نصف ماترك ازواجکم ان لم یکن لهن ولد ۔

اور تمہاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ترجمہ کنزالایمان پارہ۴ سورہ نساء آیت ۱۲]

فان لم یکن له ولدوورثه ابوٰہ فلامه الثلث ۔

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی۔[مرجع سابق آیت ۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مہر میراث ہے ....جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرمادیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے الارث جبری لایسقط بالاسقاط'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۶/۳۴۴]

علاوہ ازیں جہیز بھی عورت کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ ہے اسے بھی حسب فرائض شرعیہ تقسیم کرنا لازم ہے۔اور اس کی تقسیم بھی مذکورہ بالا طریقہ سے ہوگی۔

ردالمحتار میں حاشیہ اشباہ کے حوالہ سے ہے:

المختار للفتوی ان یحکم یکون الجهاز ملکا ○○○○ واما اذا جرت فی البعض یکون الجهاز ترکة یتعلق بها حق الورثة وهو الصحیح .

فتویٰ یہی ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اس کی وفات کے بعد اس جہیز کے وارثین حقدار ہوں گے یہی صحیح ہے۔[ردالمحتار، کتاب النکاح ۴/۳۰۹]

اسی میں ہے:

کل احد یعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تأخذه کله و اذا ماتت یورث عنها

سب کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اگر شوہر اسے طلاق دیدے تو وہ کل لے لیگی اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے وارثین لیں گے۔[مرجع سابق ۴/۳۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جہیز ملک وترکہ ہندہ ہے بر تقدیم عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دین ووصیت چھ سہام ہو کر تین سہم (حصہ) شوہر دو سہم پدر، ایک مادر کو ملے گا اسی حساب سے مہر ہندہ اگر باقی ہو تقسیم ہوگا۔''[فتاوی رضویہ جدید ۱۳/۴۳۷] واللہ اعلم بالصواب .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۹/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

غیر کفو میں نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک ۱۸ سالہ لڑکی نے اپنے سے کم درجہ کی برادری والے لڑکے کے ساتھ بھاگ کر والدین کی رضامندی کے بغیر کورٹ میرج کر لیا تو کیا یہ نکاح ازروئے شرع صحیح ہوگا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی:۔شاہد خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کے اولیاء کے لئے اس برادری میں نکاح کرنا برا جانا جاتا ہو اور ان کی ذلت ورسوائی کا سبب ہو تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا کیوں کہ ازروئے شرع غیر کفو میں بغیر اولیاء کی مرضی کے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان ۔
غیر کفو میں نکاح کے بالکل جائز نہ ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا، اور فساد زمان کی وجہ سے فتویٰ کے لئے یہی مختار ہے۔[باب الولی،۴/۱۵۶،۱۵۷]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

لو تزوجت غیر کفوء فالمختار للفتوی روایۃ الحسن أنہ لا یصح العقد ۔
اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو فتویٰ کے لئے روایت حسن مختار ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

[باب الکفاءۃ،۴/۲۲۱]

اسی میں ہے:علی روایۃ الحسن المفتی بھا فلا ینعقد النکاح "
اور مفتی بہا روایت حسن کے مطابق نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

[مطلب الموضع التی یکون فیھاالسکوت کالقول،۶/۱۸۷]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

المرأۃ إذا زوجت نفسھا من غیر کفوء ooooوروی الحسن عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی أن النکاح لا ینعقد وبہ أخذ کثیر من مشایخنا رحمھم اللہ تعالی ، کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن وقال الشیخ الإمام شمس الأئمۃ السرخسی روایۃ الحسن أقرب إلی الاحتیاط ، کذا فی فتاوی قاضی خان فی فصل شرائط النکاح ۔
اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو امام حسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ (اللہ رحم فرمائے ان پر) نے اختیار کیا ہے ایسا ہی محیط میں ہے اور ہمارے زمانے میں فتویٰ کے لئے حسن کی روایت مختار ہے اور شیخ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ امام حسن کی روایت احوط ہے ایسا ہی فتاوی قاضی خاں میں شرائط نکاح کی فصل میں ہے۔

[۱/۲۹۳ باب الاکفاء]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''عاقلہ بالغہ کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیا اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کر لے اگر کر لے گی نکاح نہ ہوگا۔'' آگے فرماتے ہیں ''بالغہ نے اپنی رائے سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر لیا اور ایسا شخص ضرور غیر کفو ہے اور اس کے ساتھ بالغہ کا اپنی رائے سے نکاح کر لینا باطل محض ہے'' دوسری جگہ فرماتے ہیں ''او

ر بالغہ ولی رکھتی ہے بے اجازت صریحہ ولی بعد علم بعدم کفاءت جو نکاح غیر کفو سے کرے باطل ہے" مزید فرماتے ہیں" یہ نکاح جس سے ہوا اگر وہ عورت کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہے جب تو یہ نکاح کہ زن بالغہ نے بے رضائے ولی خود کیا سرے سے ہوا ہی نہیں باطل محض ہے۔"

نیز فتاوی خیریہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

سئل فی بکر بالغة زوجها اخوها من غیر کفوء باذنها اجاب تزویجه لها باذنها کتزوجها بنفسها وهی مسئلة من نکحت غیر کفو بلارضا اولیاء ها افتی کثیر بعدم انعقاده اصلا وهی روایة الحسن عن ابی حنیفة ففی المعراج معزیا الی قاضی خان وغیره والمختار للفتوی فی زماننا روایة الحسن .

باکرہ بالغہ کا اس کے بھائی نے غیر کفو میں نکاح کر دیا جبکہ لڑکی نے اجازت دی ہو، سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا ہو، یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفو میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر نکاح کرنے کا ہے، بہت فقہاء نے اس نکاح کے اصلا منعقد نہ ہونے پر فتوی دیا ہے، اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، تو معراج میں اس کو قاضی خاں وغیرہ کی طرف سے منسوب کر کے کہا کہ ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے یہی مختار ہے جو امام حسن نے روایت کی ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید، ج ۱۱ص ۲۲۷، ۲۷۹، ۲۳۴، ۲۹۲، ۲۹۹]

عبارات مذکورہ سے اس نکاح کا باطل ہونا صاف ثابت ہے البتہ اگر لڑکی کے باپ دادا وغیرہما اولیاء اجازت دیدیں تو ان کی صریح اجازت کے بعد از روئے شرع ان دونوں کو از سرنو نکاح کرنے کی اجازت ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:" البتہ اگر امور مذکورہ بالا سے کسی امر میں ایسا بھی ہے جس کے باعث وہ شرعاً کفو نہ ٹھہرے، اور باپ نے اس پر مطلع ہو کر اپنی رضا مندی ظاہر نہ کردی تھی تو بیشک، یہ نکاح سرے سے باطل ہوا کہ اب باپ کی رضا مندی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا، اس تقدیر پر فرض ہے کہ مرد عورت فوراً جدا ہو جائیں اور اس نکاح کو ترک کر دیں، پھر اگر چاہیں تو بعد اجازت صریحہ پدر از سرنو نکاح کر لیں، واللہ تعالیٰ اعلم" [مرجع سابق، ص ۵۵۷]

ھٰذا ما عندی والعلم اتم عند اللہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب الطلاق

﴿مطلقہ کی عدت اور شوہر کے گھر میں رہنے کا حکم﴾

زید نے زینب کو طلاق دی اور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے جب کہ کمرے الگ تھے۔ زینب گھر کا کام بھی کرتی تھی جیسے کپڑے دھونا کھانا پکانا اور اپنے بچوں اور گھر والوں کی دیکھ بھال کرنا اسی دوران زینب کو ایک حیض خود بخود آیا اور باقی دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے کیا ایسی صورت میں زینب کی عدت پوری ہوگئی؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ زینب نے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزاری ہے اور دوائی کرانے پر دو حیض آئے ہیں اس لئے عدت پوری نہیں ہوئی۔ شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔ ۔

محمد عثمان امام ادے پوری چوپڑا تحصیل رام نگر ضلع نینی تال

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں زینب کی عدت پوری ہوگئی معتدہ (عدت والی عورت) مطلقہ کو شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنا واجب وضروری ہے، اور غیر محرم حضرات سے پردہ میں رہتے ہوئے گھر کے کام کاج بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی بھی اجازت ہے۔ شوہر اور بیوی الگ الگ کمرے میں رہتے ہیں تو ٹھیک ہے اور یہی حکم شرعی ہے اگر ایک ہی کمرہ ہو تب بھی پردہ درمیان میں ڈال کر عورت کے لئے اسی کمرے میں عدت کرنے کا حکم ہے،

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"علی المعتدة أن تعتد فی المنزل الذی یضاف إلیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت کذا فی الکافی لو کانت زائرة أهلها أو کانت فی غیر بیتها لأمر حین وقوع الطلاق انتقلت إلی بیت سکناها بلا تأخیر .

(فرقت (طلاق وغیرہ) اور شوہر کی موت) واقع ہوجانے پر معتدہ پر واجب ہے کہ جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں عدت گزارے ایسا ہی کافی میں ہے اگر وہ گھر والوں کو دیکھنے گئی ہو یا کسی کام سے دوسرے کے گھر میں گئی ہو اور اس وقت طلاق واقع ہوجائے تو فوراً اپنے گھر میں واپس آجائے)

مزید اسی فتاوی میں ہے

"إذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة ولیس له إلا بیت واحد فینبغی له أن یجعل بینه وبینها حجابا حتی لا تقع الخلوة بینه وبین الأجنبیة"

(جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیں یا ایک طلاق بائن دی اور اس کے پاس صرف ایک گھر (کمرہ) ہے تو تو ضروری ہے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان ایک پردہ ڈال دے تاکہ دونوں کے درمیان خلوت واقع نہ ہو) [فتاوی ھندیہ، ۱/۵۳۵،باب الحداد]

اور رہا معاملہ حیض کا کہ ایک خود بخود آیا اور دو دوائی سے تب بھی عدت پوری ہوگئی اس لئے کہ شریعت میں تین حیض کامل گزرانے کا حکم ہے خواہ وہ دوائی سے ہی کیوں نہ ہوں البتہ یہ دھیان رہے کہ حیض ہی ہو اور کسی طرح کا کوئی خون نہ ہو،

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے

''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ''

(اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک)

[ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

فتاوی عالمگیری میں ہے

''اذا طلق الرجل امرأته ٥٥٥ وھی حرة ممن تحیض فعدتھا ثلاثة اقراء''

(جب مرد اپنی عورت کو طلاق دے تو اگر وہ آزاد حیض والی عورت ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے)

[فتاوی ھندیہ، ۱/۵۲۶،باب فی العدة]

لہٰذا جب زینب کے تین حیض مکمل ہو گئے تو اس کی عدت پوری ہوگئی۔ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ شوہر کے گھر میں عدت نہیں ہوئی اور دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے اس لئے عدت نہیں ہوئی وہ غلطی پر ہیں اس طرح کی فتوی بازی کرنے سے وہ شریعت کے مجرم ہیں توبہ کریں اور آئندہ دینی مسائل میں کسی طرح کی کوئی دخل اندازی نہ کریں۔

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ/ ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

دوائی کے ذریعہ حیض آنے سے عدت کی تکمیل کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زینب جسے اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے طلاق کے بعد زینب کو پہلا حیض خود بخود آیا اور دوسرا تیسرا حیض دوائی کے ذریعہ تو کیا اس کی عدت ازروئے شرع پوری ہوگئی؟ شریعت کا حکم بیان فرما کر عنداللہ

ماجور ہوں۔

حیدر بخش صدیقی، ادے پوری چوپڑا رام نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے:

"وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ"

(اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک)[ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

صدرالافاضل اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"جو آزاد عورتیں ہیں یہاں ان کی عدت وطلاق کا بیان ہے کہ ان کی عدت تین حیض ہے"[خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"اذاطلق الرجل امرأتہ ooooo وھی حرۃ ممن تحیض فعدتھاثلاثۃ اقراء"

(جب مرد اپنی عورت کو طلاق دے تو اگر وہ آزاد حیض والی عورت ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں)[فتاویٰ ہندیہ، ۱/۵۲۶، باب فی العدۃ]

صورت مسئولہ میں جب کہ زینب کے تین حیض مکمل ہو گئے ہیں از روئے شرع عدت تمام ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۲/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

"تو مجھ پر حرام ہے" کہنے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں جاوید خاں نے اپنی بیوی تبسم جہاں کو فون پر تین بار کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، تو مجھ پر حرام ہے، تو مجھ پر حرام ہے۔ ایسی صورت میں کیا جاوید خاں کی بیوی تبسم جہاں پر طلاق واقع ہوگئی؟ اگر ہوگئی تو کون سی طلاق اور اس کا کیا حکم ہے شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی حاجی محمد شریف خاں رحمت شاہ بابا کی زیارت، محلہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلی علٰی حبیبہ الکریم

الفاظ مذکورہ سے تبسم جہاں پر طلاق بائن پڑ گئی اور تبسم جہاں جاوید خاں کے نکاح سے نکل گئیں۔اب تبسم جہاں مختار ہیں جہاں چاہیں نکاح کریں اگروہ جاوید خاں ہی کے ساتھ رہنا چاہیں تو ازسرنو نکاح کریں عدت میں یا عدت کے بعد۔اور اگر دوسرے سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت پوری کرنا ضروری ہے اور مطلقہ کی عدت تین حیض (ماہواری) ہے۔عدت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کریں شرعاً اجازت ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں "اور اس کہنے سے کہ تو مجھ پر حرام ہے طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی بعد عدت اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر اس شوہر سے نکاح چاہے تو عدت میں بھی ہوسکتا ہے اور بعد بھی" [فتاوی رضویہ قدیم، ۵/۶۷۲]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں "ہر چند یہ لفظ بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے کہ بے حاجت نیت طلاق بائن واقع ہو"۔[ایضاص ۷۳۰]

یہ خیال رہے کہ مذکورہ الفاظ کنایہ میں سے ہیں مگر عرف میں طلاق کے لئے استعمال ہونے کے سبب فقہاء متاخرین نے صریح میں شمار کیا ہے لہٰذا اس میں کسی نیت کی ضرورت نہیں ہے بغیر نیت بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

منحۃ الخالق لابن عابدین حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

"أنت علی حرام ،أو حلال اللہ علی حرام حیث قال المتأخرون وقع بائنا بلا نیة لغلبة الاستعمال بالعرف"

تو مجھ پر حرام ہے یا اللہ کا حلال مجھ پر حرام ہے متاخرین نے فرمایا عرف میں اس لفظ کے غلبہ استعمال کی وجہ سے بغیر نیت طلاق بائن پڑ جائے گی[باب الطلاق،۳/۴۴۰]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"کما أفتی المتأخرون فی أنت علی حرام بأنه طلاق بائن للعرف بلا نیة"

(جیسا کہ متاخرین نے تو مجھ پر حرام ہے کے سلسلے میں فتوی دیا ہے کہ یہ عرف کی وجہ سے بغیر نیت طلاق بائن ہے)[۴/۵۰۴،کتاب الطلاق،باب الصریح]

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ جملہ عرف میں طلاق کے لئے کثرت استعمال کے سبب صریح میں داخل ہوکر طلاق بائن کا حکم رکھتا ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بولنے والے نے پہلی مرتبہ بولنے ہی سے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اگر تین مرتبہ کہنے میں پہلی بار ہی تین طلاق کی نیت کر لی تو اب طلاق مغلظہ بائنہ واقع ہوگی کہ اب بیوی بغیر حلالہ شرعیہ

پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر تین طلاق کی نیت نہ تھی یا عدد کی نیت نہ تھی تو چاہے جتنی بار بھی بولے ایک طلاق بائن ہی واقع ہوگی۔

بحرائق میں بزازیہ کے حوالے سے ہے

"وفي البزازية أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة"

(اور بزازیہ میں ہے تو مجھ پر حرام ہے ہزار بار کہنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی)

اس کے تحت بحرالرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق لابن عابدین میں ہے:

"قلت ولعل الفرق أن قوله ألف مرة بمنزلة تكرار هذا اللفظ مرارا وإذا بانت بالمرة الأولى لا تبين بالثانية ، والثالثة وهكذا لأن البائن لا يلحق البائن بخلاف ما لو نوى بأنت علي حرام الثلاث فإنه أوقعها جملة بمرة واحدة"

(میں کہوں گا شاید ان کے قول ایک ہزار بار میں فرق یہ ہے کہ ان کا یہ قول اس لفظ کی بار بار تکرار کی منزل میں ہے اور جب پہلی مرتبہ تو مجھ پر حرام ہے کہنے سے طلاق بائن پڑ گئی تو دوسری، تیسری وغیرہ سے بائن نہیں ہوگی ،اس لئے کہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی برخلاف اس کے کہ جب ایک بار کہنے سے تین بار کی نیت کرے تو تین طلاق ہی واقع ہوں گی)

[منحة الخالق حاشيه بحرالرائق،باب الطلاق،۳/۵۰۲]

نیز اسی حاشیہ میں ہے:

"لو قال أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة "

(اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے ہزار بار تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی)[باب الكنايات في الطلاق،۳/۵۲۵]

محیط برہانی میں ہے:

"أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة، لأن معنى كلامه مرة بعد مرة."

(تو مجھ پر حرام ہے ہزار بار سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی اس لئے کہ اس کے کلام کا معنی بار بار طلاق دینا ہے)

[۳/۴۵۴]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"الف مرة بمنزلة تكريره مرارا متعددة والواقع به في أول مرة طلاق بائن ففي المرة الثانية لا يقع شيء لأن البائن لا يلحق البائن"

(تو مجھ پر حرام ہے ایک ہزار بار یہ جملہ متعدد بار تکرار کی منزل میں ہے اور جب پہلی مرتبہ تو مجھ پر حرام ہے کہنے

سے طلاق بائن واقع ہوگئی تو دوسری مرتبہ یہ کہنے سے کچھ واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائن بائن کولاحق نہیں ہوتی ہے) [۴/۴۶۴، کتاب الطلاق، باب الصریح]

بالجملہ: تبسم جہاں الفاظ مذکورہ کے سبب جاوید خاں کے نکاح سے نکل چکی ہیں اب ان کو اختیار ہے اگر جاوید خاں کے ساتھ رہنا چاہیں تو نکاح جدید کر کے رہ سکتی ہیں اور اگر کسی اور سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کی ازروئے شرع مکمل اجازت ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۸/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

شوہر دو طلاق اور بیوی تین کی دعویدار

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی کو لڑائی کے دوران طلاق دی زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف دو بار طلاقیں دی ہیں زید کی بیوی کا کہنا ہے کہ زید نے تین بار طلاق دی ہے وہاں موجود چند عورتیں بھی اس بات پر گواہ ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہیں۔

المستفتی چھنا حسن محلہ وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب التواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

ایسی صورت میں کہ شوہر ایک یا دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی مدعی ہو شریعت کا حکم یہ ہے کہ بیوی شرعی گواہ پیش کرے اور گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں شوہر سے قسم لی جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ۔

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔

[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

دوسری حدیث میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر ۔

(دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے)

[السنن البیهقی الکبریٰ کتاب الدعوی و البینات ، ۱۰/۴۲۷]

اور طلاق میں گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیز گار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں۔لیکن سوال سے ظاہر ہے کہ مدعی زید کی بیوی کے پاس دو شرعی گواہ نہیں ہیں صرف چند عورتیں گواہ ہیں شریعت میں طلاق کے معاملہ میں صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے کمافی کتب الفقه و الفتاوی .

لہٰذا اب زید کو قسم دی جائے گی اگر زید قسم کھائے کہ اس نے صرف دو طلاقیں دی ہیں تو زید کی بیوی اور ان چند عورتوں کے بیان کا شرعاً کچھ اعتبار نہ ہوگا اور زید کی بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی جس میں زید کو اپنی بیوی سے عدت کے اندر بغیر نکاح کے رجعت کی شرعا اجازت ہوگی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

"اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا" [۱۲/۴۴۴]

رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔هكذافی الدرالمختار و الفتاوی الرضویه الجدیده ، ۱۲/۴۴۴]

علاوہ ازیں اگر زید کی بیوی واقعی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہر ممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے مہر کے بدلے یا کچھ رقم وغیرہ کے عوض۔اور اپنی مرضی سے اس کو خود پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کے ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔کما فی الفتاوی الرضویه الجدیده، ۱۲/۳۹۶]

هذاماعندی و العلم اتم عندالله تعالیٰ

كتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۷/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

شوہر کا تین طلاق سے انکار

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی ہیں میری بیوی کا کہنا ہے کہ تم نے تین طلاقیں دی ہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو بیان فرمائیں۔

محمد سلیم ماہی گیر محلّہ مدر کالونی کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

ایسی صورت میں جب کہ شوہر دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی دعویدار ہو بیوی پر شرعی گواہ یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیز گار نمازی غیر فاسق پیش کرنا ضروری ہیں اور اگر بیوی کے پاس شرعی گواہ نہ ہوں تو پھر شوہر قسم کھائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه .

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔ [ترمذی ابواب الاحکام،۱/۲۴۹]

اگر شوہر قسم کھائے کہ اس نے صرف دو ہی طلاقیں دی ہیں تو اس کی بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی اور وہ اپنی بیوی سے عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے یعنی عدت کے دوران اپنی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔ اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

الحاصل: تمہاری بیوی کے پاس اگر شرعی گواہ ہیں تو اس کی بات معتبر ہوگی ورنہ تمہیں قسم کھانا پڑے گی اور اس کے بعد تم عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجعت کر سکتے ہو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۸/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

﴿طلاق مغلظہ اور بیوی کا الفاظ طلاق نہ سننے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ میں ذیل میں تاریخ ۲۹ اپریل ۲۰۱۳ء کو شاداب علی نے اپنی بیوی رخسار کو ایک مجلس میں تین مرتبہ کہا میں نے تجھے طلاق دی طلاق دی طلاق دی کیا ایسی صورت میں رخسار شاداب علی کے نکاح سے نکل گئی اس کے دو گواہ محمد شکیل خان وار سعید علی صدیقی ہیں۔اور کیا رخسار کا ان الفاظ کو سننا ضروری ہے۔بینوا توجروا۔

سائل حاجی محمد فاروق سیفی ٹھاکردوارہ۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

از روئے شرع شاداب کی بیوی رخسار پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

[ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسر اعظم حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہوسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے دوبارہ نکاح کرلیں۔[تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت ۲۳۰]

فقیہ ابواللیث سمرقندی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

اذا طلق الرجل امرتہ المدخول بہا ثلاثاً یقع الطلاق

جب کسی شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دیدیں تو طلاق واقع ہوگئی۔[فتاوی نوازل، کتاب الطلاق، ۱۹۷]

اور رخسار کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔اگر شاداب نے اتنی آواز سے طلاق دی ہے کہ خود سنی ہو تو طلاق ہوجائے گی رخسار یا کسی اور کا سننا ضروری نہیں ہے۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

وأدنى المخافتة إسماع نفسه فقط وكذا كل ما يتعلق بالنطق كالطلاق ооооо أی

أدنى المخافتة في هذه الأشياء إسماع نفسه حتى لو طلق بحيث صحح الحروف ولكن لم يسمع نفسه لا يقع ولو طلق جهرا ووصل به إن شاء الله بحيث لم يسمع نفسه يقع الطلاق .

ہلکی آواز کم سے کم اتنی کہ خود سن سکے بس۔اور اسی طرح ہر وہ معاملہ جس میں بولی کو دخل ہے جیسے طلاق....اس میں کم از کم اتنی آواز ہو کہ خود سن سکے یہاں تک کہ اگر کسی نے طلاق دی کہ حروف بھی صحیح تھے لیکن اس نے خود سنا نہیں تو طلاق نہیں واقع نہیں ہوگی اور اگر اتنی زور سے دی اور اس میں ان شاء اللہ بھی ملا لیا اور الفاظ طلاق کو سن لیا لیکن ان شاء اللہ کو خود نہ سنا تو طلاق واقع ہوگئی۔[، کتاب الصلوۃ، ۱/۱۵۷]

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔[فتاوی رضویہ۱۲/۳۶۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی، بینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہو جائے گی

.ادنى الحد خروج صوت يصل الى اذنه ولو حكماً كمالو كان هناك مانع من صمم او جلبة اصوات او نحو ذالك .

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور و غل کی وجہ سے نہ پہنچی ۔)

[فتاوی رضویہ ۱۲/۳۷۴]واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۴/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

﴿وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زید نے شراب کے نشہ میں اپنی بیوی زینب سے یہ کہا کہ برقعہ اٹھا اور اپنی بہن

کے گھر جا میں تجھے طلاق دوں گا زید انکار کرتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا لیکن زینب اور وہاں موجود کچھ عورتوں اور بچوں کا کہنا کہ زید نے ایسا کہا ہے تو کیا ایسی صورت میں زینب مطلقہ مانی جائے گی ؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اچھن خاں، گرام بڑھیوں والا جسپور اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم نحمده ونصلى عليه حبيبه الكريم

صورتِ مسئولہ میں زینب پر طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے نہیں کہ زید نشہ میں تھا نشہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بلکہ اس لئے کہ زید نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں زید نے تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ کیا ہے اور وعدے سے از روئے شرع طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جیسا کہ فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

سئل نجم الدين عن رجل قال لامرأته اذهبى الىٰ بيت املك فقالت طلاق ده تا بروم فقال توبرومن طلاق دادم فرستم قال لاتطلق لانه وعد

حضرت نجم الدین سے سوال کیا گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا اپنی ماں کے گھر چلی جا بیوی نے کہا طلاق دے تا کہ میں جاؤں تو شوہر نے کہا تو جا میں طلاق بھجوادوں گا تو حضرت نجم الدین نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ وعدہ ہے۔

[۱/ ۳۸۴باب ایقاع الطلاق فصل الطلاق بالفاظ الفارسية]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”وعدے سے طلاق نہیں ہوتی جواہر الاخلاطی میں

”طلاق میکنم طلاق بخلاف قوله کنم لانه یتمحض الاستقبال“ طلاق میکنم (یعنی طلاق کرتا ہوں) حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم (طلاق کروں گا) کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے“ [فتاوی رضویہ جدید،۱۳/۱۱۸]

الحاصل: زید کے کہے ہوئے الفاظ سے زینب پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ هٰذا ما عندى و العلم عندالله تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۶/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

﴿طلاق، مہر، بچی کے پیدائش کا خرچ، بچی پر کس کا حق، وغیرھا چند اہم مسائل﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) اگر زینب خود طلاق لینا چاہتی ہو تو کیا وہ مہر اور زیور لینے کی حقدار ہے؟

(۲) زینب اور زید کے مابین اختلاف ہوا زینب میکہ میں آ گئی ماں باپ نے طلاق حاصل ہونے تک زینب کا جو خرچ تو کیا زید سے اس دوران کئے ہوئے خرچ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

(۳) زینب کی بچی کی پیدائش اسپتال میں ہوئی زینب کے ماں باپ نے مکمل خرچ کیا اور پرورش بھی وہی کر رہے ہیں اور اب وہ چاہتے ہیں کہ وہ رقم جو بچی کی پیدائش و پرورش میں خرچ ہوئی وہ بچی کے باپ سے لی جائے تو آیا شریعت میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

(۴) بچی تین سال کی ہے اور زید اس بچی کو زینب کے پاس سے لیجانا چاہتا ہے تو کیا اسے بچی کو لیجانے کا حق حاصل ہے؟

(۵) بالغ ہونے پر بچی اپنے ماں کے پاس رہنا چاہتی ہے یا باپ کے پاس یہ فیصلہ بچی کی مرضی پر منحصر ہوگا یا نہیں؟

(۶) کیا بچی کی پیدائش سے لیکر جوان ہونے تک پرورش پڑھائی لکھائی کا خرچ زید پر لازم ہے؟

شریعت کی روشنی میں مذکورہ بالا سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

محمد عقیل انصاری رام نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) زیور اگر زینب کی ملکیت ہے تو اس کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں اور مہر اگر مطلق ہے یعنی جس کا کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا ہے تو وہ شوہر یا بیوی کی موت یا طلاق سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے جب تک شوہر یا بیوی کا انتقال نہ ہو یا بیوی کو طلاق نہ ہو مہر کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

> ''اور اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد اصلاً نہ بیان کی تو وہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا اس سے پہلے مطالبہ کا عورت کو استحقاق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے ''حق طلبہ انما ثبت لھا بعد الموت او الطلاق (مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق شوہر کی موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے)'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۲/۱۴۲]

(۲) زینب اگر سسرال سے ناحق نکل کر آئی اور بعد میں زید کے بلانے پر بھی وہ زید کے ساتھ نہ گئی تو زینب ناشزہ

ونافرمان مانی جائے گی زید پراس کا نفقہ واجب وضروری نہیں اور اگر زید نے گھر جانے کا مطالبہ ہی نہیں کیا تو پھر زید پر زینب کا نفقہ حسب استطاعت واجب وضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور جب تک کوئی امر مانع نفقہ مثلاً عورت کا شوہر کے گھر سے ناحق نکل جانا یااس کے یہاں آنے سے ناحق انکار کرنا نہ پایا جائے بلاشبہہ وہ مستحق نفقہ وسکنیٰ رہے گی....

درمختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها ولوهي في بيت ابيهااذالم يطالبهاالزوج بالنقلة به يفتي وكذااذاطالبهاولم تمتنع او امتنعت للمهر لاخارجة من بيته بغيرحق وهي الناشزة حتی تعود .

(اگر بیوی اپنے میکہ میں ہواور خاونداس کواپنے گھر لے جانے کا مطالبہ نہ کرے تب شوہر پراس کا نفقہ ضروری ہے یوں ہی جب وہ خاوند کے بلانے پر گھر جانے سے انکار نہ کرے یا مہر غیر مطلق کے مطالبہ کے سبب انکار کرے تب بھی شوہر پرنفقہ واجب وضروری ہے لیکن اگرشوہر کے گھر سے باہر بلاوجہ رہتی ہوتو شوہر پرنفقہ واجب نہیں اس لئے کہ وہ اس صورت میں شوہر کے گھر واپس نہ آنے تک نافرمان مانی جائے گی۔)'' [فتاوی رضویہ جدید۱۳/۴۲۴،۴۲۵]

(۳) بچی کی پیدائش وپرورش وغیرہ کے اخراجات بچی کے باپ زید پرلازم ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ بچی صاحب مال نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر بچہ نے اپنی ماں کے ترکہ یا کسی اور وجہ سے اتنا مال پایا ہے جس کے سبب اسے شرعاً غنی کہا جائے اورزکوٰۃ دینا ناروا ہوتو یہ سب مصارف خاص اسی کے مال سے ہوں گے باپ پرواجب نہیں کہ اپنے پاس سے صرف کرے ہاں ان مصارف کی کارپردازی بحکم ولایت باپ کے ذمہ ہوگی اور اگر بچہ کے پاس اتنا مال نہیں تو بیشک یہ صرف باپ کے ذمہ میں ہیں ○○○○ وفی الدر المختار **و تجب النفقة لطفله الفقير فان نفقة الغني في ماله الحاضر**'' (درمختار میں ہے کہ بچے کا نفقہ اگر وہ فقیر ہوتو باپ پر ہے کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہوتو غنی ہونے کی وجہ سے نفقہ اس کے اپنے موجودہ مال سے کیا جائے گا) [فتاوی رضویہ جدید۱۳/۳۹۵]

(۴) نوسال کی عمر تک وہ بچی (لڑکی) ماں زینب کی پرورش میں رہے گی جب کہ بعد طلاق وعدت اس بچی کے غیرمحرم سے نکاح نہ کرے بچی کے غیرمحرم سے نکاح کے بعد بچی کی پرورش کا حق ماں سے ساقط ہوجاتا ہے تو اگر غیرمحرم سے نکاح نہیں

کیا تو ہوتو نو سال تک بچی زینب کے پاس رہے گی اس کے بعد زید کے سپرد کی جائے گی اس سے پہلے زید کا اس بچی کو لے جانے کا مطالبہ کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

ایسا ہی فتاوی رضویہ [۱۳/ ۳۸۴] ودیگر کتب فقہ میں۔

(۵) وہ بچی مدت حضانت (پرورش) یعنی نو سال کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا کے پاس رہے گی مگر جب عمر پختہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو جہاں چاہے رہے۔

صدر الشریعہ فتاوی شامی وفتاوی عالمگیری کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں:

''لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا بھائی وغیرھم کے یہاں رہے گی مگر جب کہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو اسے اختیار ہے جہاں چاہے وہاں رہے'' [بہار شریعت، حصہ ہشتم]

(۶) جب تک بچی بالغہ نہ ہو اور اس کے پاس اپنا مال نہ ہو تب تک اس بچی کی پرورش اور دینی تعلیم وتربیت کے اخراجات کی ذمہ داری زید پر ہے اس کے علاوہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/۴۶۱]

بہارِ شریعت میں ہے:

''نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جبکہ اولاد فقیر ہو یعنی خود اس کی ملک میں مال نہ ہو اور آزاد ہو... طالب علم کہ علم دین پڑھتا ہو اور نیک چلن ہو اس کا نفقہ بھی اس کے والد کے ذمہ ہے''

[بہار شریعت حصہ ہشتم]

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

والدین کا بیٹے کو طلاق سے روکنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید اپنی پہلی بیوی زینب کو طلاق دیکر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے لیکن والدین طلاق دینے سے منع کر رہے ہیں۔ البتہ زید کو دوسری شادی کی اجازت دے رہے ہیں۔ زید کے لئے ازروئے شرع کیا حکم

ہے؟ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد رئیس احمد جودھپور راجستھان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر زینب کو طلاق دینے سے والدین کو تکلیف ہو اور وہ ان کی ناراضگی کا سبب بنے تو زید کا زینب کو طلاق دینا جائز نہیں ہے۔

زید پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کے حکم پر عمل کرے کیونکہ والدین کی فرماں برداری واطاعت گزاری جائز باتوں میں شرعاً لازم وضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے۔'' [فتاویٰ رضویہ جدید ۲۱/ ۱۵۷]

اوران کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا أنبئکم باکبر الکبائر قلنابلی یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الاشراک بااللّٰہ و عقوق الوالدین ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں تو ہم نے کہا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اللہ کا شریک ٹھہرانا والدین کی نافرمانی کرنا۔

[بخاری شریف کتاب الادب،۲/۸۸۴]

علامہ عینی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شیخ تقی الدین سبکی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

قال الشیخ تقی الدین السبکی ان ضابط العقوق ایذاؤھمابأی نوع من أنواع الأذی قل او کثر ۔

(شیخ تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ نافرمانی والدین کو تکلیف پہنچانا ہے کسی بھی طرح ہو کم ہو یا زیادہ)

[باب عقوق الوالدین من الکبائر،۱۵/ ۱۴۷]

لہٰذا زید پر لازم ہے اپنے والدین کے حکم کی تعمیل کرے اور زینب کو طلاق نہ دے جہاں تک ممکن ہو نباہ کی کوشش کرے۔واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۲۳ /محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فون پر طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو فون پر تین بار طلاق دی مگر میری بیوی کہتی ہے کہ فون کٹ گیا تھا میں نے سنا ہی نہیں ایسی حالت میں میری بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

رئیس الدین خاں جسپور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑ گئی۔دوبارہ رکھنا ہو تو بلا حلالہ چارہ کار نہیں۔اور بیوی کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔[فتاوی رضویہ ۱۲/۳۶۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی، بینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہو جائے گی ۔ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنہ ولو حکماً کمالو کان ھناك مانع من صمم او جلبة اصوات اونحو ذالك الخ ۔

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور وغل کی وجہ سے نہ پہنچی) [فتاوی رضویہ ۱۲/۳۷۴]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿میرے خدا نے بھی تجھے طلاق دی کہنے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا لیکن جھگڑے کے دوران زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی بلکہ بعد میں طلاق دی اور اس طلاق کا محلّہ کے کئی لوگوں سے ذکر بھی کیا اور جب دو دن کے بعد بیوی گھر آئی تو زید نے اسے باہر نکال دیا اور کہا میں نے تجھے ہوش وحواس میں طلاق دی میرے خدا نے بھی تجھے طلاق دی اس جملہ کو کئی بار زید نے دہرایا اس وقت جب زید نے طلاق دی اور خدا کے تعلق سے یہ خراب جملہ بولا بیوی کے علاوہ اور بھی کئی مرد اور عورتیں وہاں موجود تھیں۔ لیکن زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف ایک بار شروع میں کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں۔ اور لڑکی اور بہت سارے ذمہ دار لوگ جو وہاں موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے کئی بار طلاق دی ہے۔ اب ایسے حالات میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی اور اگر طلاق ہوگئی تو کون سی طلاق ہوئی کیا دونوں کے ملنے کی کوئی صورت ہے۔ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتیان مختار احمد ومحمد خان محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

شوہر ایک طلاق کا اقرار کرے اور بیوی کئی بار طلاق دینے کا بیان دے تو ایسی صورت میں شرعاً شہادت وحلف کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه .

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔

[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

دوسری حدیث میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر .

دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے۔ [السنن البیهقی الکبریٰ کتاب الدعوی والبینات، ۱۰/۴۲۷]

چونکہ شہادت کا نصاب نکاح وطلاق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں لہٰذا دو گواہ خواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں پرہیزگار نمازی عادل غیر فاسق یعنی جو علی الاعلان گناہ نہ کرتے ہوں مثلاً مرد داڑھی نہ منڈاتے ہوں عورتیں بے پردہ نہ گھومتی ہوں اس کے علاوہ کوئی کام خلاف شرع نہ کرتے ہوں تو وہ اگر گواہی دیں کہ زید نے اپنی بیوی کو متعدد مرتبہ طلاق دی ہے تو ان کی گواہی قابل قبول ہوگی اور شرعاً نافذ مانی جائے گی، اور زید کا ایک سے زائد طلاق کا انکار قابل سماع وقبول نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

واشھدوا ذوی عدل منکم ۔

اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ [پارہ ۲۸، سورہ طلاق، آیت ۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔'' [فتاویٰ رضویہ جدید، ۱۲/۴۴۴]

اور اگر ایسے گواہ موجود نہ ہوں تو پھر زید سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو اس کی بات معتبر مانی جائے گی زید کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [۱۲/۴۴۴]

حاصل کلام: زید صرف ایک بار طلاق کا اقرار کرتا ہے اور بیوی اور اس کے علاوہ لوگ تین سے زائد مرتبہ طلاق کا بیان دے رہے ہیں تو اگر تین سے زائد طلاق کا بیان دینے والوں میں دو ایسے گواہ جو پرہیز گار نمازی خلاف شرع کام نہ کرنے والے موجود ہوں تو زید کے انکار کے باوجود زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ پڑ جائیں گی اور اب وہ زید کے لئے بے حلالہ و نکاح جائز نہ ہوگی۔ اور اگر بیان دینے والوں میں دو گواہ شرعی موجود نہ ہوں تو زید سے قسم شرعی لے جائے گی اگر زید قسم کھالے تو زید کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔ اور اگر زید نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو اس کا وہ گنہگار ہوگا مستحق عذاب نار ہوگا۔ اور اگر زید کی بیوی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہر ممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے رقم دے کر ہی۔ اور اپنی مرضی سے اس کو اپنے پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کی ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا ۔ **کمافی الفتاوی الرضویہ الجدیدہ**[۱۲/۳۹۶]

علاوہ ازیں زید کا یہ جملہ'' **میں نے طلاق دی اور میرے خدا نے طلاق دی**'' اگر شرعی گواہوں سے ثابت ہوجائے تو زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوجائیں گی ایک کا تو زید خود اقرار کررہا ہے اور دوسری ''**میں نے طلاق دی**'' اور تیسری ''**میرے خدا نے طلاق دی**'' کا ثبوت گواہانِ شرعی سے حاصل ہوگیا۔

'' **خدا نے طلاق دی**'' یہ طلاق صریح کے حکم میں ہے جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ **الجوہرۃ النیرۃ** میں ہے: **لوقال لھا طلقك اللہ ٥٥٥٥ وقع الطلاق**

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی)[۳/۵۱]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأته طلقك الله تعالیٰ تطلق وان لم ینو کذا فی الخلاصة ۔

کسی آدمی نے اپنی عورت سے کہا کہ تجھے اللہ نے طلاق دی طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ نیت نہ کی ہوایسا ہی خلاصہ میں ہے۔[الباب الثانی، ۱/۳۵۹]

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں:

ولوقال لامرأته قد طلقك الله ذکرفی المواقعات انه یقع نوی اولم ینو

اگر اپنی بیوی سے کسی نے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی ذکر کیا گیا ہے مواقعات میں کہ واقع ہو جائے گی نیت کرے یا نہ کرے ۔[فتاوی نوازل، کتاب الطلاق، ۲۰۹]

البتہ اس جملہ کے سبب زید کو توبہ اور تجدید ایمان چاہئے اس لئے کہ طلاق ایک جائز لیکن مبغوض امر ہے اور اس کا اطلاق اللہ کی شان کے لائق نہیں لہٰذا ایسا جملہ استعمال کرنا جو اللہ کی شایانِ شان نہ ہو بحکم فقہاء کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت مجمع الانھر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اذاوصف الله بمالایلیق به ○○○ یکفر

جو چیز اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہ ہو اس سے اللہ کو متصف کرنا کفر ہے۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۵٦٧] هٰذا ماعندی والعلم عندالله تعالیٰ

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه ۲۰/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

شوہر کا تین طلاق سے انکار

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی سے کچھ فاصلہ پہ کھڑے ہو کر صرف ایک بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی میرے فرشتوں نے تجھے طلاق دی۔لیکن میری بیوی اور بیوی کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ میں نے یہ جملہ کئی بار دہرایا حالانکہ یہ بات غلط ہے میں نے صرف ایک بار ہی یہ جملہ کہا تھا۔تو اب کیا میری بیوی میرے نکاح سے نکل گئی۔ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شکیل خان محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگرآپ کی بیوی یا بیوی کے گھر والے اپنے بیان پر دو گواہ شرعی نمازی پرہیزگار پیش کرتے ہیں تو شریعت میں آپ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ گواہوں کے مطابق آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اب بیوی آپ کے لئے بغیر حلالہ ونکاح جائز نہیں ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیزگار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

اور اگر وہ آپ کے خلاف گواہ شرعی نہ پیش کرسکیں تو آپ کو قسم شرعی کھانا پڑے گی اگر آپ قسم کھالیں گے تو بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا'' [۱۲/۴۴۴]

اللہ یا فرشتوں کی طرف طلاق وغیرہ کی نسبت کا مقصد اپنی بات کو پختہ کرنا ہوتا ہے اس لئے عندالعلماء وہ بھی طلَاق کے حکم میں ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لو قال لها طلقك اللّٰه ٥٥٥٥ وقع الطلاق .

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی۔ [۳/۵۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأته طلقك اللّٰه تعالیٰ تطلق وان لم ینو کذا فی الخلاصة .

[عالمگیری الباب الثانی،۱/۳۵۹]

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں:

ولو قال لامرأته قد طلقك الله ذكر في المواقعات انه يقع نوى اولم ينو .

[فتاوی نوازل کتاب الطلاق،۲۰۹]

حاصل کلام: گواہ شرعی نہ ہونے پر آپ کی قسم کا اعتبار ہوگا اور آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوں گی جس میں آپ کو عدت کے اندر رجعت کا حق حاصل ہوگا رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہیں کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ کمافی الفتاوی الرضویہ الجدیدہ ۔۱۲/۴۴۴]

اور فرشتوں سے متعلق کہے ہوئے جملہ کے سبب آپ توبہ کریں اور آئندہ ایسے جملوں کے استعمال سے بچیں۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ، ۲۱/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

طلاق کے عدد میں میاں بیوی کا اختلاف

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں محمد الیاس نے اپنی بیوی فریدہ کو تین مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں طلاق دی محمد الیاس اور ان حاضرین کا کہنا ہے کہ دو بار طلاق دی ہے لیکن محمد الیاس کی بیوی فریدہ کا کہنا ہے کہ تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دی ہے۔ فریدہ کے علاوہ کوئی بھی دو طلاق سے زیادہ بتانے والا نہیں ہے ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد مقبول، محمد رئیس، پرمانند پور کاشی پور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں فریدہ کے پاس شرعی گواہ نہ ہونے کے سبب محمد الیاس کی بات قسم کے ساتھ قابلِ قبول ہوگی یعنی محمد الیاس قسم کھا کر کہے کہ میں نے دو ہی طلاق دی ہیں تو فریدہ پر صرف دو ہی طلاق رجعی واقع ہوں گی۔ اور محمد الیاس کو اپنی بیوی فریدہ سے عدت کے اندر اندر بغیر نکاح کے رجعت کرنے کی اجازت ہوگی۔

شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر شوہر ایک یا دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کا دعویٰ کرے تو بیوی پر ضروری ہے کہ شرعی گواہ پیش کرے اور طلاق میں گواہی کے لیے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیزگار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں اور اگر بیوی گواہ پیش نہ کر سکے تو شوہر سے قسم لی جائے۔ حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ۔

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔

[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

اور رجعت کا طریقہ کیا ہے اس سے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیرلیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴] واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۸/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

مطلقہ بعد عدت نفقہ کی شرعاً حقدار نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں:

(۱) مطلقہ عورت نان ونفقہ کی حقدار ہے یا نہیں اور اگر حقدار ہے تو کب تک؟

(۲) کیا مطلقہ عورت کو شوہر سے عمر بھر نان ونفقہ کا مطالبہ جائز ہے اور کیا شوہر پر اس مطالبہ کا پورا کرنا ضروری ہے؟

شریعت کی روشنی جوابات مرحمت فرمائیں۔

رحمت علی خان ایڈوکیٹ محلہ کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دونوں سوالات کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں:

(ا) ہاں مطلقہ عورت عدت تک نفقہ کی حقدار ہے اور شوہر پر اپنی مطلقہ بیوی کا عدت تک نفقہ واجب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین ۔

اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان ونفقہ ہے یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر) [پارہ ۲، سورہ بقرۃ آیت ۲۴۱، کنز الایمان]

ملا جیون اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وھی قولہ تعالیٰ للمطلقات متاع بالمعروف ففی بیان نفقۃ المطلقات اذالمتاع النفقۃ○○○○○فمعنی الآیۃ ان المطلقۃ تجب نفقتھا علی الزوج مادامت معتدۃ"

آیت کریمہ میں متاع سے مراد نفقہ ہے پس آیت کا معنی یہ ہے کہ مطلقہ کا نفقہ جب تک وہ عدت میں ہے شوہر پر ضروری ہے۔ [تفسیرات احمدیہ پارہ ۲، سورۃ البقرۃ صفحہ ۱۱۵]

علامہ بدرالدین عینی کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری اور امام زیلعی کی تصنیف لطیف نصب الرایہ لا حادیث الہدایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول للمطلقۃ الثلاث النفقۃ والسکنیٰ مادامت فی العدۃ ۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جسے تین طلاقیں ہوچکی ہوں جب تک وہ عدت میں ہے اس کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے، یعنی کھانے پینے پہنے اور رہنے کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔

[عمدۃ القاری کتاب العدۃ ۱۴/ ۴۴۴، نصب الرایہ کتاب الطلاق، ۳/ ۲۷۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولکل مطلقۃ بثلاث اوواحدۃ السکنی والنفقۃ ما دامت فی العدۃ ۔

ہر مطلقہ کے لئے جو مطلقہ تین طلاق سے ہو یا ایک سے سکنیٰ اور نفقہ ہے جب تک وہ عدت میں ہے ۔

[۵/ ۲۰۱، باب النفقۃ فی الطلاق]

الجوہرۃ النیرۃ اور ہدایہ میں ہے:

واذا طلق الرجل امرأتہ فلھا النفقۃ والسکنیٰ فی عدتھا

جب مرد نے اپنی عورت کو طلاق دی تو عورت کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنی ہے۔

[الجوہرۃ النیرۃ کتاب النفقات ۳/ ۱۲۹، ہدایہ کتاب الطلاق باب النفقۃ، ۲/ ۴۴۳]

حاصل کلام: قرآن وحدیث اورعبارات فقہاء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مطلقہ عورت کے لیے عدت تک شوہر پر نفقہ واجب وضروری ہے۔عدت کے بعد شوہر مطلقہ کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں۔

(۲) جواب اول سے جب یہ واضح ہوگیا کہ عدت تک ہی شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم وضروری ہے۔تو مطلقہ کو عدت کے بعد شوہر سے زندگی بھر نفقہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں اور شوہر پر بھی عدت کے بعد بیوی کا نفقہ دینا ضروری نہیں۔دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق واقع ہونے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔

وبموت احدهما وطلاقها يسقط المفروض.

نفقہ موت اور طلاق سے ساقط ہوجاتا ہے۔

[العقود الدرية في تنقيح الفتاوى باب النفقة، ۸۸/۱ ،۴وتنوير الابصار باب النفقة، ۳۱۴/۵]

نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ لازم ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

النفقة تابع للعدة.

نفقہ عدت کے تابع ہے۔[کتاب الطلاق باب النفقة،۳۳۳/۵]

لہٰذا جب عدت پوری ہوگئی تو نفقہ بھی ختم ہوگیا۔

محیط برھانی میں ہے:

لانفقة لها بعد مُضي مدة العدة.

عورت کے لئے عدت گزر جانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔[الفصل فی نفقة المطلقات،۲۳۸/۴]

بحر الرائق میں ہے:

المعتدة اذالم تاخذ النفقة حتى انقضت عدتهاسقطت نفقتها.

عدت والی جب عدت پوری ہونے تک نفقہ نہ لے تو اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔

[کتاب الطلاق باب النفقة۳۳۷/۴]

علاوہ ازیں نفقہ درحقیقت شوہر کا بیوی کو پابند کرنے کا بدل ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

"نفقة الزوجة جزاء الاحتباس"

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقة ،۳۶۶/۵]

اور فتاوی نوازل میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس.

نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔ [باب النفقات، ۲۲۳]

اور بیوی عدت تک شرعاً شوہر کی پابند ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عمر بھر عدت کے بعد شوہر کی پابند ہی نہیں ہے تو پھر بھلا عمر بھر کا نفقہ کس بات کا؟

مزید برآں کہ عدت میں بھی نفقہ اس شرط پر ہے کہ بیوی شوہر کے گھر میں عدت گزارے اگر شوہر کے گھر میں عدت نہیں گزارتی اپنی مرضی سے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اور عدت گزارتی ہے تب بھی از روئے شرع وہ نفقہ کی حقدار نہیں۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

المعتدة اذاخرجت من بيت العد ةتسقط نفقتها

عدت والی جب عدت کے گھر سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

[كتاب الطلاق باب النفقة، ۴/ ۳۳۸]

وهكذافی فتاوی الهندية[الفصل فی نفقة المعتدة، ۱/ ۵۵۸]

تحریر کا لب لباب فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں ملاحظہ کریں، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو"۔

[فتاویٰ رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۱۵]

مزید فرماتے ہیں:

"مہر و نفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں"

[فتاویٰ رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۷۵]

هٰذاماعندی و العلم عندالله تعالیٰ

كتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه ۳/شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکا برادری شیخ نے ایک لڑکی برادری تیلی سے اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیا نکاح میں جو گواہ تھے ان کے تعلق سے بتایا جاتا ہے کہ وہ سب فاسق معلن شرابی تم

لوگ تھے۔ بعد نکاح جب لڑکی والوں کو علم ہوا تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئے اور لڑکی پر دباؤ بنایا گیا لڑکی اور لڑکے کے علاحدہ نہ ہونے کی صورت میں لڑکی والوں نے دونوں سے تعلقات ختم کر لئے مگر لڑکا اور لڑکی دونوں اسی نکاح کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارتے رہے پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد لڑکی والوں نے لڑکے پر دباؤ بناتے ہوئے کسی خاص میٹنگ میں لڑکے سے طلاق طلب کی ان کی طلب اور دباؤ پر لڑکے نے بذریعہ ٹیلی فون لڑکی کو طلاق دے دی جس پر لڑکی نے طلاق کی عدت کی مدت کو پورا کیا اور پھر بغیر کسی نکاح وحلالہ وغیرہ کے لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ساتھ پہلے جیسی زندگی گزارنے لگے ساتھ ہی پھر لڑکی حاملہ ہوگئی اور لڑکے سے بتائے بغیر ہی اپنی مرضی سے دوائی وغیرہ سے حمل ساقط بھی کرا دیا اس تفصیل کے بعد اب کچھ مدت سے لڑکا اور لڑکی اصل صورت مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے اپنے ازدواجی تعلقات ختم کئے ہوئے ہیں اور تلاش وجستجو میں ہیں کہ ازروئے شرع پھر سے یہ دونوں ازدواجی زندگی گزار سکیں۔ آیا ان دونوں کے لئے ازدواجی زندگی گزارنے کی شرعا کیا ترکیب ہوسکتی ہے اور اگر نہیں تو کیا ان کا ایک گھر میں رہنا کیسا ہے جواب عنایت فرمائیں، اور عنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں۔ فقط

المستفتی صوفی محمد جمشید عالم صابری، صابری نئی بستی پیران کلیر شریف

الجواب بعون الملک الوہاب التواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔ اگر وہ اپنے اسی شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کر کے طلاق دے اس کے بعد یہ عورت عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۔

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے [ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہوسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے دوبارہ نکاح کرلیں۔'' [تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب ''حجۃ'' میں ہے:

قال ابوحنیفة رضی اللّٰہ عنہ فی المراة یطلقها زوجها ثلاثا ثم تنکح زوجا غیرہ فیدخل بها ویجامعها ثم یطلقها فتنقضی عدتها انها تحل لزوجها الاول اذا کان النکاح الثانی صحیحا۔

وہ عورت جسے اس کے شوہر نے تین طلاق دیدیں ہوں اس کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ (اللہ ان سے راضی ہوا) نے فرمایا کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ اس سے مجامعت کرے پھر وہ اسے طلاق دے پھر یہ عدت گزارے تاکہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکے جب کہ دوسرا نکاح صحیح ہوا ہو۔ [۱۰۷/۴، باب نکاح الاحصان فی المطلقة ثلاثا]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولا تحل له المرأة بعد ما وقع علیها ثلاث تطلیقات حتی تنکح زوجا غیرہ یدخل بها ۔

تین طلاق سے مطلقہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے ہم بستر نہ ہوجائے۔[۱۴/۶، کتاب الطلاق]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإن کان الطلاق ثلاثا فی الحرة ooo لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها کذا فی الهدایة

اگر آزاد عورت تین طلاق سے مطلقہ ہوتو اپنے شوہر کے لئے جب تک حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے مجامعت نہ کرلے پھر وہ دوسرا شوہر طلاق دے یا انتقال کر جائے ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔[۴۷۳/۱، فصل فیما تحل فی المطلقة]واللّٰہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۴/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب العدة

﴿عدت کے چند اہم مسائل﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل میں؛

(۱) گیارہویں شریف کی تین تاریخ کو میرے شوہر کا انتقال ہوا میری عدت کب تک پوری ہوگی؟

(۲) عدت کا حکم کیا ہے اور کیا عدت کے دوران سر میں تیل اور کنگھی کا استعمال کر سکتی ہوں؟

(۳) مجھے میرے شوہر دکھائی نہیں دیتے کیا پڑھوں اور تبارک کتنے کلو میں ہونا چاہیے

(۴) میں اوپر رہتی ہوں نیچے ہندو کرایہ دار رہتے ہیں غسل خانہ اور لیٹرین نیچے ہیں۔ میرے نیچے جانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۵) کیا کلمہ شریف کے علاوہ کچھ اور پڑھ سکتی ہوں؟

(۶) میں اپنے شوہر کا فوٹو دیکھ سکتی ہوں یا نہیں؟

و جے نگر نئی بستی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱) موت کی عدت ازروئے شرع غیر حاملہ کے لئے چار مہینے دس دن ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا

اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

[پارہ ۲، سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۴]

اور چار مہینے دس دن ۱۳ شعبان المعظم کو ہوں گے یعنی آپ کی عدت ۱۳ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ کو پوری ہو جائے گی۔

(۲) مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت عدت کا حکم بیان کرتے ہوئے حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

"اس مدت میں نہ وہ نکاح کرے نہ اپنا مسکن چھوڑے نہ بے عذر تیل لگائے نہ خوشبو لگائے نہ سنگار کرے نہ رنگین اور ریشمیں کپڑے پہنے نہ مہندی لگائے"

[تفسیر خزائن العرفان پارہ ۲ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۴]

فتاویٰ عالمگیری میں معتدہ کے لئے یہ احکام مذکور ہیں:

الاجتناب عن الطیب والدهن والکحل والحناء والخضاب ولبس المطیب والمعصفر والثوب الاحمر وما صبغ بزعفران ولبس القصب والخز والحریر ولبس الحلی والتزین والامتشاط کذافی التتارخانیه

عدت والی عورت خوشبو، تیل، سرمہ، مہندی، خضاب نہ لگائے اور خوشبو بسے ہوئے، کسم کے رنگے ہوئے، سرخ کپڑے اور زعفران سے رنگے کپڑے نہ پہنے اور قصب، خز اور ریشم نہ پہنے اور زیور نہ پہنے زینت ترک کرے اور کنگھی نہ کرے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے۔[۱/۵۳۳: باب فی الحداد]

البتہ ان چیزوں کا استعمال مجبوری میں جائز ہے۔ اور سر میں تیل بھی اس وقت ڈال سکتی ہیں جب درد ہو یا ایسی عادت پڑ گئی ہو کہ نہ ڈالنے پر درد ہوگا اور زینت کا ارادہ نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

أما فی حالة الاضطرار فلا بأس بها ان اشتکت رأسها او عینها فصبت علیها الدهن او اکتحلت لاجل المعالجة فلا بأس به ولکن لا تقصد به الزینة کذافی المحیط لو اعتادت الدهن فخافت وجعا یحل بها لو لم تفعل فلا باس به .

مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں اگر سر یا آنکھ میں درد ہو تو بطور علاج سر میں تیل لگانے یا آنکھ میں سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ زینت کا ارادہ نہ ہو ایسا ہی محیط میں ہے اور اگر تیل ڈالنے کی عادت ہے اور خوف ہے کہ نہ ڈالنے پر درد بڑھ جائے گا تو تیل ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

اور کنگھی کا استعمال بھی مجبوری کی حالت میں جائز ہے جب کہ موٹے دندانوں سے کنگھی کی جائے:

ان امتشطت بالطرف الذی اسنانه منفرجة لابأس به .

جس طرف موٹے دندانے ہیں اس طرف سے کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

(۳) کثرت سے درود شریف اور سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھا کریں۔ اور تبارک شریف کی شرع میں کوئی مقدار متعین نہیں ہے جس قدر ہو سکے کریں۔ هکذافی ملفوظات اعلیٰ حضرت .

(۴) یہ آپ کے لئے عذر ہے لہٰذا پردہ کر کے جائیں تا کہ کسی غیر محرم کی نظر آپ پر نہ پڑے۔

(۵) بالکل کلمہ شریف کے علاوہ قرآن شریف اور دیگر اوراد و وظائف پڑھ سکتی ہیں۔

(۶) جی نہیں۔ از روئے شرع فوٹو کا رکھنا اور اس کا دیکھنا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول ولاقرة عين فيه لمن يتمسك التصاوير في صندوقه لينظر فيها متى شاء فانها وان كانت مستورة مادامت في الصندوق لكنه يفتحه و يخرجها فتظهر فياتي التحريم والامساك لامر ممنوع كمن امسك امرأة ليفجر بها في اثم الفجور حين لا يفجر لان الاعمال بالنيات .

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگر چہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کر نکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذا تحریم کا حکم ہوگا اور ممنوع چیز کو رکھنا بھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لیے روک لے تو اس پر بدی کا گناہ ہوگا اگر چہ وہ بدی نہ کر رہا ہو اور اعمال کا اعتبار نیت سے ہے۔

[عطایا القدیر فی حکم التصویر، ص ۵٦]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب .

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۳ / جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ

عدت کے بعد بیوی کے لئے نفقہ کا حکم

محترم جناب مفتی صاحب.................السلام علیکم

بعد سلام کے گزارش یہ ہے کہ میں نے ۲۰۰۳ء میں اپنی بیوی رضیہ بیگم دختر جناب عبدالستار کو طلاق دے دی تھی۔ اب میری بیوی میرے دس سال کی لڑکی اور تیرہ سال کے لڑکے کے ساتھ اپنے میکے رہ رہی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں کہ کیا میری بیوی طلاق ہونے کے بعد مجھ سے اپنا گزارا کرنے کے لئے خرچ لینے کی حقدار ہے اگر ہے تو کب تک؟

ذاکر حسین ولد جناب فدا حسین
نند پور نر کاٹو پا با جپور ضلع اودھم، سنگھ نگر
۲۲ / جنوری ۲۰۱۳ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــ نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ازروئے شرع عدت کے بعد شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم وضروری نہیں ہے۔رضیہ بیگم کی عدت ختم ہوچکی ہے اب انہیں شوہر سے خرچ لینے کا حق نہیں ہے۔کیوں کہ نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: النفقة تابع للعدة ۔

نفقہ عدت کے تابع ہے۔[کتاب الطلاق باب النفقۃ،۵/۳۳۳]

تو اب جب کہ عدت پوری ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے نفقہ بھی ختم ہوگیا۔

محیط برہانی میں ہے: لانفقة لهابعدمُضی مدة العدة ۔

عورت کے لئے عدت گزر جانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔[الفصل فی نفقۃ المطلقات،۴/۲۳۸]

نفقہ درحقیقت بیوی کے پابند ہوجانے کا بدلہ ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

نفقة الزوجة جزاء الاحتباس ۔

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقۃ،۵/۳۶۶]

اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ بیوی عدت تک ازروئے شرع پابند ہوتی ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عدت کے بعد پابند ہی نہیں رہی تو پھر بھلا خرچ کس بات کا دیا جائے گا؟

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو''[فتاوی رضویہ جدید ۱۳،/۴۱۵]مزید فرماتے ہیں''مہر ونفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں۔''

[فتاوی رضویہ جدید،۱۳/۴۷۵]

البتہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکی کے خرچ کا مطالبہ کرے اس لئے کہ بچوں کا خرچ آپ پر واجب ہے کذافی البحروردالمحتار۔واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۹/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

باب البیوع

﴿کافر حربی سے فائدہ لینا﴾

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین کہ زید نے ۳۵ کلو مینتھے کا تیل غیر مسلم کو بیچ دیا لیکن زید نے اسکی رقم اسی کے پاس چھوڑ دی کیونکہ اسی نے توجہ دلائی کہ تم مجھ سے رقم نہ لو بلکہ ۳۵ کلو کی رقم تصور کر کے ہر ماہ پندرہ روپے کلو کے حساب سے فائدہ لیتے رہو صورت حال میں زید کا یہ فائدہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ریاست حسین عزیزی خطیب و امام نوری مسجد سلطان پور پٹی ضلع اودھم سنگھ نگر اترا کھنڈ

مؤرخہ ۲۳؍ ستمبر ۲۰۱۱ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں زید کا غیر مسلم سے اس طرح کا فائدہ لینا از روئے شرع بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور ان کا مال معصوم نہیں ہے لہٰذا کافر حربی سے اس کی مرضی سے بغیر دھوکہ و خیانت کے جو مال بھی مسلمان کو حاصل ہوا گرچہ عقد فاسد کے ذریعہ ہی وہ مسلمان کے لئے جائز و حلال ہے۔

امام کاسانی کی کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

ان مال الحربی لیس بمعصوم بل ھو مباح فی نفسہ ۔

حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہے بلکہ وہ فی نفسہ جائز ہے۔[کتاب البیوع ۴/۶۱۴]

درمختار میں ہے: لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلا غدر ۔[کتاب البیوع باب الربا، ۷/۴۲۳]

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولان مالھم ای مال اھل الحرب مباح فی دارھم لانہ غیر معصوم بل ھو علی اصل الاباحۃ فبای طریق اخذہ المسلم اخذ ما لا مباحا اذ لم یکن فیہ ای فی اخذہ غدر لان الغدر حرام ۔[کتاب البیوع باب الربا، ۷/۳۸۵]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فلایحرم علینا معھم الا الغدر فاذا جاوزتہ و اخذت منھم ما اخذت باسم ای عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لا تبعۃ علیک فیہ ۔

ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکہ بازی کے کچھ حرام نہیں اور جب تو دھوکہ بازی سے بچتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو تو نے ان سے مال مباح حاصل کیا اس پر تجھ سے کوئی مواخذہ نہیں ۔[فتاوی رضویہ جدید،۱۷/۳۶۹]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

’’جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلامیہ میں مستامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں [فتاوی رضویہ جدید،۱۷/۳۵۶]

ھذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ،۲۴/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

﴿کسی کی زمین چھیننے والا قیامت میں زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں ؛

(۱) زید اور بکر نے دوسرے فریقوں کے ساتھ مل کر ایک پلاٹ خریدا جس کے بٹوارے میں زید اور بکر کے حصہ میں سوا سترہ گز چوڑی زمین آئی اس طرح زید کے حصہ میں دس گز چوڑی زمین آئی جو دونوں کی رضامندی سے زید نے وہ زمین تیسرے فریق کو بیچ دی دوسرے فریقوں میں سے ایک فریق نے بکر کی زمین میں سے کچھ زمین زبردستی سے دبا لی اس پر بکر نے کچھ نہیں کہا اب بکر زید کو کمزور دیکھتے ہوئے دبی ہوئی زمین میں کا حصہ زید سے مانگتے ہیں زید کے دس ہزار روپیہ بھی بکر پر باقی تھے اگر بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف ہوتا ہے تو اُس وقت کی قیمت دی جائے یا اس وقت کی؟

(۲) زید اور بکر کی جو زمین شرکت کی تھی وہ زمین بکر نے تاریخ .2\8\2004،کو بیچ دی بکر نے روپیہ زیادہ لے لئے زید کو کم دئے بکر نے حساب نہیں کیا اب زید کے روپیہ زیادہ نکلتے ہیں یہ روپیہ اس وقت کے لینے چاہئے یا اس وقت کے؟

(۳) زید اپنی بچی ہوئی زمین بیچ رہا تھا اس وقت بکر نے کہا کہ آپ سے ایک گز چوڑی زمین ہمیں لینی ہے ایک گز زمین کم کر کے بیچنا زید نے وہ ایک گز چوڑی زمین بطور قیمت چھوڑ دی کیونکہ بکر اپنا مکان بنانے کے لئے بس رہے تھے لیکن مکان نہ

بنا کر تین یا چار سال کے پہلے وہ زمین بکر نے بیچ دی زید سے نہیں بتایا لیکن زید کو بعد میں پتہ چلا اب زید کو بکر سے اس زمین کے روپیہ لینے ہیں اس زمین کی قیمت اُس وقت کی لینی چاہیے یا اِس وقت کی؟

محمد اسحاق صدیقی محلّہ تھانہ سابق کاشی پور ضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

مذکورہ بالا تمام سوالات کے جوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱) صورتِ مسئولہ میں بکر کی زمین پر تیسرے فریق کا جبراً قبضہ کرلینا ازروئے شرع ناجائز و حرام ہے نیز بکر کا زید کو کمزور جانتے ہوئے اس سے اپنی مغصوبہ زمین کے حصہ کا مطالبہ کرنا بھی ازروئے شرع جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من اخذمن الارض شیئاًبغیرحقه خسف به یوم القیامة الیٰ سبع ارضین ۔

جس شخص نے کسی کی تھوڑی سی زمین بھی ناحق لے لی قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسایا جائے گا۔[بخاری شریف]

لہٰذا بکر کی زمین غصب کرنے والے پر لازم ہے کہ بکر کی زمین فوراً بکر کو واپس کرے اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی بکر کو ادا کرے۔ اور بکر پر بھی ضروری ہے کہ زید سے بیجا مطالبہ نہ کرے۔

البتہ اگر واقعی بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف نکلے تو اس صورت میں زید موجودہ قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے بکر کے حصہ کی ادائیگی کرے۔

(۲) بکر پر زید کے جو روپے اس وقت بیچے تھے بس وہی لئے جائیں گے۔ مثلاً زمین ایک لاکھ میں بیچی گئی اور زید اور بکر حصہ میں برابر کے شریک تھے بکر نے زید کو بیس ہزار روپے دیئے تو اب بکر پر زید کے تیس ہزار باقی رہے تو اب اُس وقت یا اِس وقت کی قید کے بغیر تیس ہزار روپے ہی ادا کیے جائیں گے۔

(۳) صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے زمین اس وقت قیمت طے کئے بغیر اس لحاظ سے چھوڑی تھی کہ بکر جب قیمت ادا کرے گا اس وقت بکر کو بیچ دوں گا تو اب بکر سے زید زمین کی موجودہ قیمت وصول کرسکتا ہے۔

ھٰذا ماعندی و العلم عنداللہ تعالی

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۰؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

باب الذبائح

﴿وہابی کے ذبیحہ کا شرعی حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں دیوبندی کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام اور مسلمانوں کو اس کا کھانا کیسا؟

المستفتی حاجی اصغر حسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ از روئے شرع حرام ہے۔ مسلمان کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فلاتؤکل ذبیحۃ اھل الشرک والمرتد۔

مشرک اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔[جلد ۵ ص ۲۸۵، کتاب الذبائح]

امام کاسانی نے بدائع الصنائع میں فرمایا:

فلاتؤکل ذبیحۃ اھل الشرک والمجوسی والوثنی و ذبیحۃ المرتد ۔

مشرک اور آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔[بدائع الصنائع ۴/۱۶۴]

اور بحر الرائق میں کنز الدقائق کی عبارت "لامجوسی ووثنی و مرتد"

کے تحت ہے:

یعنی لاتحل ذبیحۃ ھؤلاء

یعنی آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔[کتاب الذبائح، ۹/۳۰۶]

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزام کفر ہے......اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصاً وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے طور پر حرام و مردار کا کھانا ہوگا لہٰذا احتراز لازم ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید، ۲۰/۲۴۹]

مزید فرماتے ہیں: ”دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگر چہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے“[مرجع سابق]

ان عبارات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ دیوبندی وہابی وغیرہما فرقہائے باطلہ کا ذبیحہ حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دیوبندی عقائد کفریہ تو نہیں رکھتے لیکن دیوبندی وسنّی دونوں جماعتوں میں گھلے ملے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ حرام نہیں ہے۔ البتہ بچنا مناسب ہے۔ هٰذا ما عندی و العلم عنداللّٰہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۴/ربیع النور ۱۴۳۳ھ

باب الاضحیه

﴿خصی جانور کی قربانی افضل ہے﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی کی ہے؟

(۲) اور خصی جانور کی قربانی کرنا افضل ہے یا نہیں؟

مدلل جواب مرحمت فرمائیں

(حافظ) محمد خورشید بھو پور پیپل سانہ مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش ہیں:

(۱) جی ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی کی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، أَوْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ ، اشْتَرَى كَبْشَيْنِ عَظِيمَيْنِ ، سَمِينَيْنِ ، أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوأَيْنِ

حضرت عائشہ یا حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قربانی کا ارادہ فرمایا تو سفید و کالے رنگ کے موٹے تازے سینگ والے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے خریدے۔

[سنن ابن ماجه،باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۲۲۵]

ددوسری حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوأَيْنِ .

حضرت جابر سے مروی ہے کہ قربانی کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگ والے سفید و کالے رنگ کے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے ذبح فرمائے" [سنن ابو داؤد، ۲/۳۸۶،باب مایستحب من الضحایا،]

(۲) علماء کرام کے نزدیک خصی جانور کی قربانی افضل ہے۔
تحفۃ الفقہاء میں اور مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی ہے:

عن الإمام إن الخصي أولى لأن لحمه ألذ و أطيب

امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ خصی بہتر ہے اس لئے کہ اس کا گوشت بہت زیادہ لذیذ اور بہت اچھا ہوتا ہے۔[تحفة الفقهاء لسمرقندی، ۸۶/۳، کتاب الاضحیه، مجمع الانهر، کتاب الاضحیه، ۱۷۱/۴] واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخه ۲۵/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

باب الحظروالاباحۃ

﴿کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے عوض رقم کا تقاضا کرنا کیسا؟﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص کرائے کے مکان پر رہتا ہے اب مکان مالک اس سے مکان خالی کرانا چاہتا ہے کرائے دار خالی کرنے کے عوض مکان مالک سے پیسہ مانگ رہا ہے کیا یہ جائز ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

حاجی محمد یعقوب انصاری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

کرائے دار کا مالک مکان سے مکان خالی کرنے پر پیسہ مانگنا ازروئے شرع جائز نہیں۔ جب اجارہ کی مدت ختم ہوگئی تو مالک مکان کو مکان خالی کرانے کا مکمل اختیار ہے۔

اعلٰی حضرت فرماتے ہیں:

''جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعاً اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے....ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

فللموجر اخراجھامن یدہ اذا مضت مدۃ اجارتہ۔

کرائے پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہوجانے پر دوکان (وغیرہ) کو کرائے دار کے قبضہ سے نکالنے کا حق حاصل ہے۔ [فتاوی رضویہ جدید:۲۰/۱۸۰]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

فاتحہ ونیاز میں آیات مختلفہ کی تلاوت کے جواز پر تفصیلی فتوی

مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

میں دارالعلوم امام احمد رضا رتنا گیری میں رابعہ جماعت کا متعلم ہوں چند سال قبل آپ کے پاس بھی تعلیم حاصل کر چکا ہوں ،میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت نے فاتحہ میں مختلف سورتیں پڑھنا جائز لکھا ہے اور حدیث بھی پیش کی ہے ،لیکن علامہ عبدالحی نے اپنی کتاب معین المفتی والسائل میں اس کو نا جائز لکھا ہے اور انہوں نے بھی حدیث پیش کی ہے مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان دونوں میں سے کس کی بیان کردہ حدیث قابل قبول اور راجح ہے۔اور اس کی وجہ ترجیح کیا ہے۔مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد عبدالواحد

متعلم امام احمد رضا رتنا گیری متعلم جماعت رابعہ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

فاتحہ و نیاز میں سور متفرقہ وآیات مختلفہ کی تلاوت معمولات اہلسنّت میں سے ہے اہلسنّت کے نزدیک یہ معمول جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔فاتحہ و نیاز کے جواز واستحسان کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے ابوداؤد کی ایک حدیث پیش کی ہے جب کہ علامہ عبدالحی نے اس کے برخلاف حدیث نقل کی ہے ہم یہاں دونوں حضرات کے بیان کردہ جوابات کو نقل کر کے اس پر قدرے گفتگو کرتے ہیں اعلیٰ حضرت سے جب سور وآیات مختلفہ پڑھنے کے سلسلے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے اس انداز میں جواب مرحمت فرمایا:

''یہ صورت بلا شبہ جائز ومباح ہے سنن ابی داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھا،اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت بلند آواز سے،اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سورت سے لیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

قداسمعت من ناجیت یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اوقظ الوسنان واطرد الشیطان ۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کی:

كلام طيب يجمعه الله بعضه الى بعض .

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے اور کچھ وہاں سے ملا لیتا ہوں۔ ارادۂ الٰہیہ یوں ہی ہوتا ہے، فرمایا:

كلكم قد اصاب .

تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ الخ [فتاوی رضویہ جلد ۳ ص ۴۸۱]

اور علامہ عبدالحی سے جب اس معاملہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

هذامما لا اصل له ولا اثر له في كتب المتقدمين وفي الاتقان في علوم القرآن فاما خلط سورة بسورة فعد الحليمي تركه من الآداب لما اخرجه ابو عبيد عن سعيد بن المسيب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر ببلال وهو يقرأ من هذه السورة فقال يا بلال مررت بك وانت تقرأ من هذه السورة ومن هذه السورة فقال اخلط الطيب بالطيب فقال اقرء السورة على وجهها او قال على نحوها الخ .

[معین المفتی والسائل ص ۶۲ ۳]

یعنی سور مختلفہ و آیات متفرقہ پڑھنے کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حدیث کتب متقدمین میں موجود ہے اور الاتقان میں ہے کہ ایک سورۃ کو دوسری سورۃ سے ملانا حلیمی نے ترک آداب میں شمار کیا ہے، اس دلیل سے کہ ابو عبید نے سعید بن میتب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال کے پاس سے گزرے اور وہ کچھ اس سورت سے پڑھ رہے تھے اور کچھ اس سورت میں سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'اے بلال! میں تمہارے پاس آیا اور تم اس سورت اور اس سورت میں سے پڑھ رہے تھے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں طیب کو طیب میں ملا رہا تھا سرکار نے فرمایا سورت کو اس کے مثل پڑھو یعنی ترتیب سے پڑھو۔

الحاصل: اعلیٰ حضرت کی متدل حدیث پاک سے جواز اور علامہ عبدالحی کی متدل حدیث پاک سے عدم جواز ثابت ہوا۔

اب آیئے ہم تفصیل سے دونوں حضرات کی متدل حدیث پاک کا جائزہ لیں تاکہ یہ بات منکشف ہو جائے کہ دونوں حضرات میں سے کس کی متدل حدیث کا معیار مقبول ہے۔

اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۸۸، کے علاوہ سنن الکبریٰ ۳/۱۱، شعب الایمان للبیہقی ۵/ ۳۲۰، تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۸۵، میں بھی متعدد اسناد سے مروی ہے۔ اس حدیث پاک کو حضرت ابو سلمہ سے روایت کرنے میں محمد بن عمرو متفرد ہے گویا تمام سندوں کا دارومدار محمد بن عمرو پر ہے۔

علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث پاک کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف ۲/۲۶۴، اورعبدالرزاق نے اپنی مصنف ۲/۴۹۵،اوربیہقی نے شعب الایمان ۲/۴۳۰، میں متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔ان کی اسناد کا دارومدار عبدالرحمٰن بن حرملۃ پر ہے کیوں کہ اس حدیث کو سعید بن میتب سے صرف عبدالرحمٰن نے روایت کیا ہے۔

بالجملہ اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث کے اصل راوی محمد بن عمرو اور علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث کے راوی عبدالرحمن بن حرملہ ہیں دونوں کی حیثیت جانے بغیر حدیث پر کسی طرح کا کوئی حکم لگانا تحقیق کے خلاف ہے لہٰذا آیئے ہم پہلے محمد بن عمرو کے متعلق محدثین وائمہ نقاد کے آراء ونظریات کا جائزہ لے لیں۔

امام ذہبی نے محمد بن عمرو کے متعلق فرمایا:

الامام المحدث الصدوق ००० وحديثه في عدادالحسن قال النسائي وغيره ليس به بأس وقال ابوحاتم صالح الحديث ،وقال عبدالله بن احمدسمعت ابن معين سئل عن سهيل والعلاء بن عبدالرحمٰن ،وعبدالله بن محمدبن عقيل ،وعاصم بن عبيدالله فقال ليس حديثهم بحجة قيل له فمحمدبن عمرو؟قال هوفوقهم قلت روى له البخارى مقرونابآخرورى له مسلم متابعة ٠٠٠٠ وسئل يحيى بن سعيدعن محمدبن عمروفقال للسائل تريدالعفواورنشددقال بل شددقال ليس ممن تريد،قال الجوزجانى ليس بالقوى وهوممن يُشتهىٰ حديثه قال ابن عدى: روى عنه مالك فى المؤطاوارجوانه لاباس به وروى احمدبن ابى مريم عن يحيى بن معين ثقة .

[سیر اعلام النبلاء ۶/۱۳۶، ۱۳۷]

ابن عدی نے کامل میں تحریر فرمایا:

قال يحيى القطان وامامحمدبن عمروفرجل صالح ليس باحفظ الناس للحديث وامايحيیٰ بن سعيدفكان يحفظ ويدلس،حدثناعلان ثناابن ابى مريم سمعت يحيیٰ بن معين يقول محمدبن عمربن علقمةثقة ٠٠٠٠ قال السعدى محمدبن عمرو ليس بقوى الحديث ويشتهى حديثه ٠٠٠٠٠ ولمحمدبن عمروبن علقمة حديث صالح وقدحدث عنه جماعة من الثقات كل واحدمنهم ينفردعنه بنسخة ويغرب بعضهم على بعض ٠٠٠٠ وارجوانه لاباس به[۶/۲۲۴، ۲۲۵]

ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا:

شيخ مشهور،حسن الحديث ٠٠٠٠ اخرج له الشيخان متابعة وقال يحيى بن معين

کانوا یتقون حدیثہ وروی احمدبن ابی مریم عن ابن معین ثقة ○○○○○○وقال عبداللّٰہ بن احمدسمعت یحییٰ بن معین یقول سھیل،والعلاء بن عبدالرحمن،وابن عقیل لیس حدیثھم بحجةقال ومحمدبن عمروفوقھم ۔[۳/۶۷۳،۶۷۴]

علامہ جلال الدین سیوطی نے اسعاف المبطأ برجال المؤطا میں فرمایا:

وثقہ النسائی وابن المدینی وابنہ یحییٰ القطان و ابوحاتم ۔[۲/۳۵۳]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

"ابن المدینی قال سمعت یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرواحب الی من ابن حرملة○○○○○○عبدالرحمٰن قال سالت ابی محمدبن عمروبن علقمہ فقال صالح الحدیث یکتب حدیثہ "(۸/۳۱)

کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی میں ہے:

قال یحییٰ مازال الناس یتقون حدیثہ وقال مرة ثقة وقال السعدی لیس بقوی ۔[۳/۸۸]

ابن حبان کی ثقات میں ہے:

کان یخطیء ۔۷/۳۷۷

علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں فرمایا:

قال احمدبن ابی مریم عن ابن معین ثقة○○○○○وقال الحاکم قال ابن المبارك لم یکن بہ باس وقال ابن سعد کثیرالحدیث یستضعف ۔[۳/۶۶۳]

اورتقریب میں فرمایا:

صدوق لہ اوھام ۔[۴۹۹]

الغرض محمد بن عمروکوامام ذہبی نے" حسن الحدیث" اورصدوق فرمایاتوابوحاتم نے "صالح الحدیث" سے تعبیرکیا،ابن حجر نے"صدوق لہ اوھام" فرمایا،امام نسائی،ابن عدی اورابن مبارک نے "لیس بہ بأس، ولابأس بہ،ولم یکن بہ باس" کے ذریعہ عدم ضعف کی جانب اشارہ کیاامام سیوطی نے نسائی،ابن مدینی،یحییٰ قطان اورابوحاتم کے حوالہ سےثقاہت پرجزم فرمایا،یحییٰ قطان نے ثقہ فرمایاتوکبھی"رجل صالح لیس باحفظ الناس" فرمایااورکبھی محمد بن عمروکےتعلق سے سائل کےتشددمرادلینے پرجواب میں" لیس ممن ترید" کےذریعہ نرمی کا پہلواختیارکیا،اوریحییٰ بن معین نے کہیں"کانوایتقون" کےذریعہ محدثین کااس کی حدیث سےاحتیاط برتنےکوبیان کیاتوکہیں ثقہ فرمایااورکہیں سھیل،علاء بن عبدالرحمن اورابن عقیل کی حدیث پرعدم حجت کاحکم لگاکرمحمدابن عمروکوان پرفوقیت دےکرگویاابن عمروکی حدیث کےلائق

حجت ہونے کی جانب اشارہ کیا۔امام بخاری ومسلم وامام مالک اور ثقات کی جماعت نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے۔
علاوہ ازیں امام جوزجانی، سعدی، یحییٰ بن سعید قطان اور ابن سعد نے " لیس بقوی ولیس بقوی الحدیث ویضعفه بعض الضعف، ویستضعف" کا حکم لگا کر قدرے ضعف سے متصف فرمایا ہے۔خلاصہ یہ کہ اکثر ائمہ نقاد کے نظریات بالا کی روشنی میں محمد بن عمرو حسن الحدیث وصالح الحدیث راوی ہے اور اس کی حدیث لائق حجت ہے۔
برخلاف عبدالرحمٰن بن حرملہ کے کہ اکثر ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور اس کی حدیث پر عدم حجت کا حکم لگایا ہے۔المغنی فی الضعفاء میں ہے:

"عبدالرحمن بن حرملة الاسلمی عن ابن المسیب قال ابن معین صالح قال یحییٰ القطان ضعیف وقال ابوحاتم لایحتج به ولینه البخاری"[۱/۵۳۴]

ابن جوزی کی کتاب الضعفاء والمتروکین میں ہے:

"ضعفه یحییٰ بن سعیدو البخاری"[۲/۹۲]

ابن حبان نے اپنی ثقات میں فرمایا:

کان یخطی[۷/۶۸]

تہذیب التہذیب میں ہے:

قال یحییٰ بن سعیدعنه کنت سیء الحفظ فرخص لی سعیدفی الکتابة قال یحییٰ بن سعیدمحمدبن عمرواحب الی من ابن حرملةوکان ابن حرملةیلقن وقال ابن خلادالباهلی سألت القطان عنه فضعفه ولم یدفعه وقال ابن اسحاق عن ابن معین صالح وقال ابوحاتم یکتب حدیثه ولایحتج به وقال النسائی لیس به باس وذکره ابن حبان فی الثقات وقال یخطیء ○○○○وقال محمدبن عمر کان ثقة کثیرالحدیث ○○○وقال الساجی صدوق یهم فی الحدیث .[۲/۵۰۱]

الجرح والتعدیل میں ہے:

یکتب حدیثه ولایحتج به .[۵/۲۲۳]

تاریخ ابن معین بروایۃ دوری میں ہے:

حدثنایحییٰ قال حدثنایحییٰ بن سعید عن عبد الرحمن بن حرملة قال کنت سیء الحفظ اوکنت لااحفظ قال فرخص لی سعیدبن المسیب فی الکتاب .[۱/۱۵۳]

شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

وذكـر ابـن ابـي خيثمة عن ابن معين عن يحييٰ عن ابن حرملة قال كنت سيء الحفظ فسالت سعيدبن المسيب فرخص لي في الكتاب .[۱۱۷]

المقتنيٰ في سرد الكنيٰ للذهبي میں ہے:

ابو حرملة ○○○ شيخ مالك ليس بالمتين عندهم .[۱/۱۷۱]

ابن حجر نے ”صدوق ربما اخطا“ فرمایا۔[تقریب التہذیب صفحہ ۳۳۹]

قطع نظر تضعیف سے بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے

تہذیب التہذیب میں ہے:

نقل ابن خلفون عن ابن نمير انه وثقه[۲/۱۰۵]

امام غیتابی نے مغانی الاخیار میں فرمایا:

قال محمدبن عمر، وكان ثقة كثير الحديث .[۳/۲۱۰]

امام ذہبی کی کتاب من تکلم فیہ میں ہے:

وثق، وضعفه القطان، وقال ابو حاتم لايحتج به .[۳۲۸]

کاشف میں امام ذہبی نے فرمایا:

قال ابن معين صالح .[۱/۶۲۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ اکثر ائمہ نے ابن حرملہ کی تضعیف کی ہے اور اس کی حدیث کے لائق حجت ہونے سے انکار کیا ہے یعنی اس کی حدیث لکھی جائے گی لیکن اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا اور یہ بات خود ابن حرملہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ وہ سوء حفظ کا شکار تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ سوء حفظ کے راوی کی حدیث کا اگر متابع نہ ملے تو اس حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ برخلاف محمد بن عمرو کے کہ اس کی حدیث لائق حجت ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے:

يحييٰ بن معين يقول سهيل، والعلاء بن عبدالرحمٰن، وابن عقيل ليس حديثهم بحجة قال ومحمدبن عمرو فوقهم .[۳/۶۷۳،۶۷۴]

بر سبیل تنزل ابن حرملہ کو ضعیف نہ بھی مانا جائے تب بھی محمد بن عمرو کو ابن حرملہ پر فوقیت حاصل ہے جیسا کہ شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

قال يحييٰ ومحمدبن عمرو اعليٰ من سهيل بن ابي صالح وهو عندی فوق عبدالرحمٰن بن حرملة[۱/۳۴۴]

ضعفاء العقیلی میں ہے:

یحییٰ بن سعیدیقول محمدبن عمرواحب الی من بن حرملة .[۳۲۸/۲]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

ابن المدینی قال سمعت یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرواحب الی من ابن حرملة[۳۱/۸]

اور جب ابن حرملہ پر ابن عمرو کو فوقیت حاصل ہے تو ابن عمرو کی حدیث کو بھی ابن حرملہ کی حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی محمد بن عمرو کی حدیث کو امام ذہبی نے درجۂ حسن میں رکھا ہے لہٰذا ابن عمرو کے مقابلہ میں ابن حرملہ کی حدیث کو حسن سے کم درجہ پر محمول کیا جائے گا اور ابن عمرو کی حدیث کو حسن مقبول تسلیم کیا جائے گا۔

تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی متدل حدیث علامہ عبدالحی کے متدل حدیث سے چند وجوہات کی بنیاد پر قوی تر اور اس کے مقابلہ میں قابل قبول ولائق حجت ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت کی متدل حدیث پاک کا راوی محمد بن عمرو علامہ عبدالحی کی متدل حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن حرملہ سے زیادہ قوی اور ثقاہت میں زیادہ ہے۔

(۲) محمد بن عمرو لائق حجت راوی ہے برخلاف عبدالرحمٰن کے کہ اس کی حدیث کو صرف لکھنے کا حکم ہے اس سے احتجاج نہیں کر سکتے۔

(۳) یحیی قطان اور یحییٰ قطان کے قول کو مقام نقد میں رکھنے والے ائمہ نے محمد بن عمرو کو ابن حرملہ سے زیادہ مقبول مانا ہے اور اسے ابن حرملہ پر فوقیت دی ہے۔

(۴) نیز ابن حرملہ کی حدیث میں ایک راوی سعید بن المسیب ہیں جن کے بغیر کسی واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کی وجہ سے ان کی حدیث مرسل ہے، کیونکہ وہ تابعی ہیں، اور بغیر واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تابعی کی روایت مرسل ہوتی ہے جسے جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف کا درجہ ملا ہے۔ اس کے برخلاف محمد بن عمرو کی روایت کردہ حدیث متصل ہے جسے کم از کم حسن کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا جمہور محدثین کی اس رائے کے مطابق بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ذکر کردہ حدیث کو علامہ عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی، اور اسے ہی راجح قرار دیا جائے گا۔

سطور بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فاتحہ میں سور متفرقہ وآیات مختلفہ کی تلاوت کے جائز ہونے پر اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک ہی قابل قبول لائق ترجیح ہے اور علامہ عبدالحی کی بیان کردہ حدیث پاک مرجوح اور غیر مقبول ہے۔

ھٰذاماعندی واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/ رجب ۱۴۳۲ھ

دو احادیث کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں؛

(۱) کیا "من زار قبری وجبت لہ شفاعتی" حدیث ہے اگر ہے تو کن کتابوں میں ہے چند کتابوں کے نام بیان فرمائیں اور اس حدیث کا معیار کیا ہے؟

(۲) "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" کا بھی حکم بیان فرمائیں کہ کیا یہ بھی حدیث ہے کن کتابوں میں ہے اور اس کا معیار کیا ہے؟ بینوا توجروا

محمد رضا مرآدباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

دونوں حدیثوں کی تحقیق بالترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ہاں یہ حدیث شریف ہے اور حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے:

سنن دارقطنی (۳۳۴/۲)، شعب الایمان للبیہقی فصل الحج والعمرۃ (۵۶/۲)، جامع صغیر للسیوطی باب حرف المیم (۳۲۹/۲)، کنزالعمال باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لعلامۃ عبدالحی لکھنوی (۲۱۱/۱) ذخیرۃ الحفاظ لمقدسی (جلد۴) الفتح الکبیر للسیوطی الکبیر للسیوطی (۱۸۵/۳) الدرالمنثورہ للسیوطی (۳۳۲/۱) فیض القدیر شرح جامع صغیر لمناوی (۱۸۱/۶) تیسیر شرح جامع صغیر لمناوی (۸۱۳/۲)

اور اس کے علاوہ بھی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے مزید تفصیل کے لیے الرفع والتکمیل لعلامہ عبدالحی ملاحظہ ہو۔

(۲) "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) حدیث ہے۔ اور درج ذیل کتب میں موجود ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی(۲۶۸/۹)المستدرک للحاکم(۱۲۶/۳)الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (۳۳۹/۱)الحاوی للفتاوی(۵۱/۲)

یہ حدیث پاک حسن کے درجہ میں ہے۔امام جلال الدین سیوطی اپنی تصنیف لطیف "اللالی المصنوعہ" میں امام ابن حجر کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وسئل شیخ الاسلام أبو الفضل بن حجر عن ھٰذا الحدیث فی فتیا فقال ھٰذا الحدیث اخرجه الحاکم فی المستدرک وقال انه صحیح وخالفه ابو الفرج بن الجوزی فذکره فی الموضوعات وقال انه کذب والصواب خلاف قولهما معاً وان الحدیث من قسم الحسن لایرتقی الی الصحة ولاینحطه الی الکذب وبیان ذلک یستدعی طولاً ولکن ھٰذا ھو المعتمد فی ذالك انتهیٰ .

شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا فتیا میں تو آپ نے فرمایا حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی تخریج کی اور صحیح فرمایا حالانکہ ابوالفرج ابن جوزی نے ان کی مخالفت کی اور موضوعات میں اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ جھوٹی ہے اور ٹھیک ان دونوں کے اقوال کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ حدیث حسن کی قسم سے ہے نہ اس کو صحیح تک ترقی دی جائے گی اور نہ ہی اسے کذب تک گھٹایا جائے گا اس کا بیان طوالت چاہتا ہے لیکن یہی معتمد ہے اس سلسلے میں) [۳۰۶/۱،دارالکتب العلمیہ بیروت]

الحاصل: استفتاء میں مندرج عبارات احادیث ہیں اور متعدد کتب میں ہیں اور دونوں درجۂ حسن میں داخل ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مؤرخہ ۵/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

﴿بہجۃ الاسرار کی صحت وتوثیق پر تفصیلی فتوی﴾

جناب مکرم مفتی صاحب وہابیہ غیر مقلدین کے مدرسہ جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور کے سہ ماہی رسالہ "نداء الجامعہ" بابت مارچ ۲۰۱۲ء میں عبدالرحمٰن ضیاء نامی شخص کا ایک مضمون بہجۃ الاسرار کے حوالہ سے شائع ہوا،مضمون کے مندرجات کا خلاصہ مع حوالہ پیش خدمت ہے:

''محققین علماء نے اس کتاب کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس پر اور اس کے مولف شطنوفی پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا شخص خود بھی جان سکتا ہے کہ اس میں کافی جھوٹی باتیں ہیں۔''

(سہ ماہی نداء الجامعہ، مارچ ۲۰۱۲:۴۰)

☆علامہ ذہبی نے کہا: لقد اتی بمصائب فی کتاب بهجة الاسرار يشهد القلب ببطلانه''

(لسان المیزان جلد ۴ص:۲۳۸)

☆ شیخ کمال الدین جعفر: حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے:
ذكر فيه غرائب و عجائب و طعن الناس في كثير من حكايات و اسانيد فيه .

(الدرر الکامنہ، جلد ۳ص:۱۴۲)

☆ ابن الوردی کا قول: ان فی البهجة امورا لا تصيح ومبالغات في شاذ الشيخ عبدالقادر لا تليق الابالربوبية .(کشف الظنون، ج ۱ص ۲۵۷)

☆ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابوالحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث خود گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔(لسان الميزان، ج ۴، ص ۳۳۸)

☆ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی:
اقول و هذا الكتاب هو (بهجة الاسرار) و فيه نسب الحكايات الشركية التي لا تلائم حال الابرار (الى حضرت الشيخ عليه الرحمة) و هو مملو بالاكاذيب والاباطيل''(التاج المكلل: ۱۶۴، رقم الترجمة: ۱۵۹)

☆ شیخ عبدالرحمٰن واسطی: ''شطنوفی کذاب متہم ہے اس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے خود شیخ عبدالقادر جیلانی کی شخصیت کے خدو خال انجانے لگتے ہیں۔''

(مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں از ڈاکٹر غلام قادر لون:۵۰۷)

☆ کچھ کتب تصوف کا تعارف کروا کر ڈاکٹر لون صاحب لکھتے ہیں:
''لیکن ان میں سب سے بدتر حال بہجۃ الاسرار کا ہے اس کے مصنف علی بن یوسف شطنوفی ہیں جنہیں وضع حدیث کا مرتکب کہا گیا ہے۔''(ایضا:۵۰۶)

☆علامہ زین الدین ابن رجب لکھتے ہیں:
''ابوالحسن شطنوفی نے شیخ عبدالقادر کے اخبار و مناقب میں تین اجزاء جمع کیے ہیں جن میں غلط اور صحیح روایات لکھی ہیں اور انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔''

☆مزید لکھتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کے بعض حصوں کو دیکھا میرا دل مجہول لوگوں سے لی گئی ان روایات پر اعتماد کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس کتاب میں شطحیات طامات دعاوی اور ایسا باطل کلام ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف اسے منسوب کرنا مناسب ہے۔'' (ذیل طبقات الحنابلہ طبع دارالمعرفہ بیروت جلد۳ ص۲۹۳)

☆ مزید کہا: '''شطنوفی نے اپنی اس کتاب بہجۃ الاسرار میں جو باتیں بیان کی ہیں ان کے بیان کرنے میں شطنوفی متہم ہے۔'' (ذیل الطبقات الحنابلہ لابن رجب، ج۳، ص: ۲۹۳)

برائے کرم مندرجہ بالا حوالہ جات اور مضمون نگار کی تنقید بر بہجۃ الاسرار و مولف بہجۃ الاسرار کی حقیقت واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ساجد رضا قادری لاہور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

مضمون نگار عبدالرحمٰن ضیا نے کتاب ''بہجۃ الاسرار'' کے بطلان اور اس کے مصنف امام شطنوفی کے کذاب ہونے پر جن حوالہ جات کا سہارا لیا ہے احقر نے جب ان حوالہ جات کی طرف مراجعت کی تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مضمون نگار نے جس بہجۃ الاسرار کے خلاف مذکورہ بالا عبارات کو پیش کیا ہے وہ امام شطنوفی کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' نہیں بلکہ علی بن عبداللہ بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار ہے۔

مضمون نگار نے خیانت کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً ان کے مکتبہ فکر سے وابستہ علما سے انہیں ورثہ میں ملا ہے اور وہ اپنے مکتبہ فکر کی جانب سے ضرور انعام کے مستحق ہیں۔ ہم یہاں عبدالرحمٰن ضیا کی پیش کردہ عبارات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مضمون نگار نے لسان المیزان کے حوالے سے علامہ ذھبی کا یہ قول بطور استدلال پیش کیا ہے:

لقد اتی بمصائب فی کتاب بھجۃ الاسرار یشھد القلب ببطلانھا ۔

ہم نے جب لسان المیزان کا مطالعہ کیا تو یہ عبارت ہمیں ملی تو ضرور، مگر جب سیاق وسباق پڑھا تو مضمون نگار کی علمی صلاحیت ولیاقت سامنے آگئی۔

ملاحظہ ہو:

علی بن عبداللہ بن جھضم الزاھد ابوالحسن شیخ الصوفیۃ بحرم مکۃ ومصنف کتاب بھجۃ الاسـرار متھم بوضع الحدیث قال ابن خیرون تکلم فیہ قال وقیل انہ کان یکذب وقال غیرہ اتھـمـوہ بـوضـع صلاۃ الرغائب توفی سنۃ ۴۱۴، ٥٥٥٥ وقال المصنف فی تاریخ الاسلام ''لقد اتی بمصائب فی کتابہ بھجۃ الاسرار' یشھد القلب ببطلانھا وروی عن ابی بکر النجاد عن

ابن ابی العوام عن ابی بکر المروذی محنة احمدفاتی بهابعجائب وقصص لایشك من له ادنی ممارسة ببطلانهاوهی شبیة بماوضعه البلوی فی محنة الشافعی ۔

(لسان المیزان لابن حجر، ۵/۵۵۴، ۵۵۵)

ترجمہ: ''علی بن عبداللہ بن جہضم حرم مکہ کے صوفیا کا شیخ اور کتاب بہجۃ الاسرار کا مصنف وضع حدیث سے متہم ہے ابن خیرون نے کہا کہ وہ متکلم فیہ ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا تھا اور ان کے علاوہ لوگوں نے اسے صلاۃ رغائب کے وضع کے سبب متہم قرار دیا ہے ۴۱۴ھ میں وفات ہوئی....اور مصنف (امام ذہبی) نے تاریخ الاسلام میں فرمایا کہ ''وہ کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

اور خود امام ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام میں جب اس عبارت کو تلاش کیا تو سیاق وسباق کے ساتھ عبارت کچھ اس طرح تھی:

علی بن عبداللّٰه بن الحسن بن جهضم بن سعید ابو الحسن البورانی الصوفی نزیل مکة ومصنف کتاب بهجة الاسرارفی اخبار القومooooooo ولقداتی بمصائب یشهد القلب ببطلانها فی کتاب بهجة الاسرار ۔

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیروالاعلام للذهبی مطبع دارالکتاب العربی بیروت لبنان، ۲۸، ص ۲۵۰، ۲۵۱)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

نیز سیر اعلام النبلا میں بھی علامہ ذہبی علی بن عبداللہ اور اس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے متعلق اسی طرح کا حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

علی بن عبداللّٰه بن الحسن بن جهضم الهمدانی المجاور مصنف کتاب بهجة الاسرارooooلیس بثقة بل متهم یاتی بمصائب قال ابن خیرون قیل انه یکذب ۔

(سیر اعلام النبلاء للذهبی، ۳۳/۲۶۵)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم بہجۃ الاسرار کا مصنف ثقہ نہیں ہے بلکہ متہم ہے اپنی کتاب میں مصائب لایا ہے ابن خیرون نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان لابن حجر تاریخ الاسلام وسیر اعلام النبلا لذھبی کی مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ

علامہ ذہبی نے جس کتاب کے بطلان کا حکم فرمایا ہے وہ علی بن عبداللہ بن جہضم کی ''بہجۃ الاسرار'' ہے نہ کہ امام شطنوفی کی بہجۃ الاسرار۔

مضمون نگار نے مزید حافظ ابن حجر کے حوالے سے بہجۃ الاسرار سے متعلق شیخ کمال الدین جعفر کا درج ذیل قول نقل کیا ہے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے: **ذکر فیہ غرائب و عجائب و طعن الناس فی کثیر من حکایات و اسانید فیہ**۔''

اس کے جواب میں ''**الاعلام للزرکلی**'' ملاحظہ ہو جس میں امام شطنوفی کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر کی اس عبارت کو نقل کیا گیا اور حاشیہ میں اس کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اعلام کے متن میں ہے

علی بن یوسف بن حریز بن معضاد اللخمی ابو الحسن الشطنوفی عالم بالقراء ات کا ن شیخ الدیار المصریۃ فی عصرہ من فقہاء الشافعیۃ ○○○○○○ قال ابن حجر ذکر فیہ غرائب و عجائب وطعن الناس فی کثیر من حکایاتہ و اسانیدہ فیہ''

ترجمہ: شطنوفی قراءات کے عالم اپنے دور میں دیار مصر کے شیخ شافعی فقیہ تھے۔۔۔۔ابن حجر نے فرمایا کہ شطنوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار میں غرائب و عجائب بیان کیے ہیں اور لوگوں نے ان کی بیان کردہ حکایتوں اور سندوں پر طعن کیا ہے۔

حاشیہ میں ہے:

قلت ھٰذا خلط بین ترجمۃ الشطنوفی الذی عاش ومات بمصر، وترجمۃ ابن جھضم علی بن عبداللہ الھمدانی المجاور بالحرم المکی المتوفی قبلہ بثلاثۃ قرون ۔

(الاعلام للزرکلی، ۵/۳۴)

ترجمہ: یہ خلط ہے شطنوفی جنہوں نے مصر میں زندگی گزاری اور وہیں انتقال فرمایا اور ابن جہضم علی بن عبداللہ ہمدانی حرم مکہ کے مجاور کے درمیان جو شطنوفی سے تین قرن قبل وصال پا چکے تھے۔'' یعنی امام ابن حجر نے امام شطنوفی کے ترجمہ میں علی بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار کا ذکر کر دیا ہے اور یہ ان کا سہو ہے۔

مزید یہ کہ شیخ کمال الدین کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس میں دو باتیں ہیں ایک بہجۃ الاسرار میں غرائب و عجائب کا ہونا تو یہ تو ہمیں بھی مسلم ہے اس لئے کہ کرامات غرائب و عجائب کے زمرے ہی میں آتی ہیں اور دوسری بات یہ کہ لوگوں نے بہجۃ الاسرار کی بہت سی حکایتوں اور سندوں میں طعن کیا ہے تو شیخ کی یہ بات مبہم ہونے کے سبب لائق اعتبار نہیں ہے کیوں کہ شیخ نے نہ توان واقعات کا ذکر فرمایا نہ طعن کرنے والوں کا اور نہ ہی طعن کا وہ کس انداز کا طعن ہے تو بھلا اس کتاب کے معتبر ہونے

پراکثر اسلاف کی صراحت کے خلاف شیخ کا قول مبہم کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔
نیز یہ بھی خیال رہے کہ حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کے درج بالا قول سے قبل یہ عبارت "**کان الناس یکرمونه ویعظمونه وینسبونه الی الصلاح**" اور اس قول کے بعد "**کان عالما تقیا مشکور السیرة**" بھی تحریر فرمایا ہے۔
جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام شطنوفی کذاب یا وضاع نہیں ہیں اور جب ایسا ہے تو پھر شیخ کمال الدین کا قول لائق اعتنا نہیں رہتا کیوں کہ ان کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہجۃ الاسرار کتاب میں مندرج واقعات پر لوگوں نے طعن کیا ہے تو اگر انہوں نے واقعات کے جھوٹا یا من گڑھت ہونے کا طعن کیا ہے تو پھر مصنف کا کذاب یا وضاع ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ امام ابن حجر کی مذکورہ بالا دونوں عبارتیں اس کے برخلاف گواہی دے رہی ہیں۔
علاوہ ازیں شاید مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب مستطاب **غبطة الناظر فی ترجمة الشیخ عبدالقادر** نہیں دیکھی ورنہ وہ امام سے متعلق غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتے کیوں کہ امام نے اپنی اس کتاب میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے جو واقعات درج فرمائے ہیں وہ اسی بہجۃ الاسرار سے ماخوذ ہیں جا بجا امام نے بہجۃ الاسرار کا حوالہ دیا ہے اور بیشتر مقامات پر **قال الشیخ نور الدین الشطنوفی** تحریر فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن حجر کے نزدیک امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار دونوں ہی درجۂ اعتبار میں تھے ورنہ وہ امام شطنوفی اور ان کی بہجۃ الاسرار سے استفادہ کیوں کرتے؟
مضمون نگار نے آگے کشف الظنون کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کے خلاف ابن الوردی کا قول نقل کیا ہے لیکن اس کے آگے کی عبارت جو ابن الوردی کے جواب میں لکھی گئی ہے اور جس سے مضمون نگار کے مدعا پر بجلیاں گرتی نظر آ رہی ہیں مضمون نگار نے اس کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ کشف الظنون میں مندرج ابن الوردی کا قول اور اس کی تردید میں صاحب کشف الظنون کا جواب ملاحظہ ہو:

ذکر ابن الوردی فی تاریخه ان فی البهجة امور الاتصح و مبالغات فی شان الشیخ عبدالقادر لاتلیق الابالربوبیة ومثل هٰذه المقالة قیل عن الشهاب ابن حجر العسقلانی واقول ما المبالغات التی عزیت الیه ممالایجوز علی مثل وقدتتبعت فلم اجد فیهانقلاًالاوله فیه متابعون وغالب مااورده فیهانقله الیافعی فی اسنی المفاخروفی نشر المحاسن وروض الریاحین وشمس الدین بن الزکی الحلبی ایضافی کتاب الاشراف واعظم شی نقل عنه انه احیی الموتی کاحیائه الدجاجة ولعمری ان هذه القصة نقلهاتاج الدین السبکی و نقل ایضاعن ابن الرفاعی وغیره وانی لغبی جاهل حاسدضیع عمره فی فهم مافی السطور .

(کشف الظنون، ۱/۲۵۶)

ترجمہ: ابن وردی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ بہجۃ الاسرار میں ایسے اُمور ہیں جو صحیح نہیں ہیں اور ایسے شیخ

عبدالقادر کی شان میں ایسے مبالغے ہیں جو ربوبیت کے لائق ہیں اور اسی مقالہ کے مثل ابن حجر عسقلانی سے بھی روایت کیا گیا ہے میں کہوں گا کہ وہ کون سے ناجائز مبالغے ہیں جو ان کے شیخ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں میں نے تلاش کے باوجود اس میں کوئی ایسی نقل نہیں پائی جس کے متابع نہ ہوں اور اس میں اکثر وہ روایتیں ہیں جن کو امام یافعی نے اسنی المفاخر اور نشر المحاسن اور روض الریاحین میں اور شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں نقل کیا ہے بڑی چیز جو شیخ سے نقل کی گئی ہے وہ ہے ان کا مردے مثلاً مرغی زندہ کرنا مجھے میری زندگی کی قسم اس قصہ کو علامہ تاج الدین سبکی نے نقل کیا ہے نیز یہ قصہ ابن رفاعی وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ بلاشبہ بیوقوف جاہل حاسد جس نے اپنی عمر کتاب میں لکھے ہوئے کو سمجھنے میں ضائع کی۔

آگے مضمون نگار نے صاحب بہجۃ الاسرار کے وضاع حدیث ہونے پر درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

''حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابوالحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔''

حوالے میں مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب لسان المیز ان کا حوالہ پیش کیا ہے احقر نے جب لسان المیز ان کا مطالعہ کیا تو کہیں بھی احقر کو یہ عبارت نظر نہیں آئی۔ جس طرح مضمون نگار نے شروع میں لسان المیز ان کا مغالطہ دیکر قارئین کو بہکانے کی کوشش کی تھی وہی ناپاک کوشش یہاں بھی کارفرما ہے احقر کے مطالعہ کے مطابق لسان المیز ان میں صرف علی بن عبداللہ بن جہضم کے کذاب اور وضاع ہونے اور اس کی کتاب کے باطل ہونے کا ذکر ہے امام شطنوفی کے کذاب یا غیر ثقہ ہونے یا ان کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' کے غیر معتبر ہونے کا ذکر پوری کتاب میں نہیں ہے اور ان شاء اللہ مضمون نگار کبھی دکھا بھی نہیں پائے گا۔

مضمون نگار نے آگے نواب صدیق حسن بھوپالی کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کو اکاذیب و اباطیل سے بھرا ہوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مضمون نگار کو یہ اچھی طرح سے معلوم ہوگا کہ علمائے اہلِ سنت کے نزدیک نہ اس کا کوئی وقار ہے اور نہ ہی اس کی کتابوں کا یہ وہی نواب بھوپالی ہے جس نے اسی کتاب

التاج المکلل صفحہ ۲۰۷ پر لکھا ہے:

فعل الصحابی لایصلح للحجۃ .

صحابی کا فعل لائق حجت نہیں۔

یہ وہی نواب ہے جس نے بدور الاہلۃ صفحہ ۱۷۵ پر دبر میں وطی کرنا جائز لکھا ہے، صفحہ ۱۸ پر گدھی کتیا اور سورنی کے دودھ کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۶ پر سور کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۵ پر شراب کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۳۹ پر عورت کا تنہا یا باپ بیٹے بھائی چچا ماموں

کیا مضمون نگار کے نزدیک یہ شخصیات مسلم نہیں؟

کیا امام شطنوفی کی جلالت علم کو یہ اقوال کافی نہیں ہیں؟

اور کیا ان مذکورہ بالا علما کی توثیق وتائید کے بعد بھی امام حنبلی کی جرح کو ترجیح دینا تنگ نظری نہیں ہے؟

مضمون نگار اگر تعصب کی عینک اتار کر کتب صوفیا ومحدثین میں تتبع کریں گے تو یقیناً امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار کی توثیق وتائید ہی پائیں گے۔

مزید برآں امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار سے متعلق خود مضمون نگار اور ڈاکٹر لون کا ذاتی نظریہ ان اکابر علما وصوفیا کے اقوال وآراء ونظریات کے سامنے کوئی وقعت وحیثیت نہیں رکھتا ہے۔اس لئے اس پر کوئی تبصرہ بے سود ہے۔

الحاصل: مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام شطنوفی اوران کی کتاب بہجۃ الاسرار علما کے نزدیک معتبر ومسلم الثبوت ہے اوراس پر مضمون نگار کے لگائے گئے الزامات باطل وبے بنیاد ہیں۔

ھٰذا ما عندی و العلم عنداللہ تعالیٰ ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲۱/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

﴿موبائل پر آیت سجدہ ودرود سننے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علما کرام درج ذیل مسائل میں:

(۱) کیا موبائل سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے؟

(۲) آیت درود "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" اگر موبائل سے سنی تو کیا درود پڑھنا ضروری ہے؟ شریعت کی روشنی میں جوابات مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد مقبول رامپور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دونوں سوالوں کے جواب بالترتیب حاضر ہیں:

(۱) موبائل پر آیت سجدہ سننے کی دوصورتیں ہیں

ایک یہ کہ ریکارڈ کی ہوئی آواز ہو۔
دوسری یہ کہ بات کرنے والا آیت سجدہ تلاوت کرے یا اس کے برابر میں کوئی شخص قرآن کی تلاوت کے دوران آیت سجدہ پڑھے اور اس کی آواز دوسری طرف موبائل سے بات کرنے والے کے کان میں پہنچے۔
احقر کے نزدیک دونوں صورتوں میں سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اس لئے کہ ریکارڈ سے سننا اور موبائل سے سننا دونوں سماع معاد کے حکم میں ہیں اور سماع معاد پر سجدہ واجب نہیں۔
حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
”سجدہ سماع اول پر ہے نہ معاد پر اگرچہ خاص اس سامع کی نظر سے مکرر نہ ہو۔“ [الکشف شافیا، فتاوی رضویہ ۹/۲۲]
(۲) اس کا حکم مثل سجدۂ تلاوت ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کو سجدہ تلاوت کے مثل مانا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:
وجوب الصلاۃ مرۃ فی کل مجلس کسجود التلاوۃ ۔ [فتاوی شامی ۲/۲۲۷]
لہٰذا سجدہ تلاوت میں حکم وجوب سماع اوّل پر ہے تو یہاں بھی اگر ریکارڈ شدہ آیت درود سنی یا موبائل کے ذریعہ سنی، دونوں صورتوں میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔
البتہ دونوں صورتوں میں درود پڑھ لینا مجرد عن الثواب نہیں ہے۔

كتبه
محمد ذوالفقار خان نعیمی
۲۰ رمضان المبارك ۱۴۳۳ھ

قیمتی موبائل کا استعمال اسراف نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ آج کل عموماً لوگ مہنگے موبائل استعمال کر رہے ہیں کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

محمد مقتصد خان ککرالہ بدایوں

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم
قیمتی موبائل کے خریدنے میں اگر قصد معصیت نہ ہو تو اسکا خریدنا اور استعمال میں لانا جائز ہے، اور یہ اسراف نہیں ہے

کیونکہ اسراف غیرحق میں صرف کرنے کا نام ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''اسراف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے غیرحق میں صرف کرنا۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی:

الفریابی وسعید بن منصور و ابوبکربن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفردوابناء جریروالمنذر وابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ لابن جریر کلهم عنه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ولاتبذرتبذیرا قال التبذیر فی غیرالحق وهوالاسراف۔

اسراف دوصورتوں میں منحصر ہے معصیت اوراضاعت اگران دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو اسراف ہوگا۔

حضوراعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''وہ قطب جن پر ممانعت کے افلاک دورہ کرتے ہیں دو ہیں ایک مقصد معصیت، دوسرا بیکار اضاعت اور حکم دونوں کا منع وکراہت''

آگے اس کی مثال میں فرماتے ہیں:

''معاصی میں صرف معصیت ہونا تو بدیہی ہے زید نے سونے چاندی کے کڑے اپنے ہاتھوں میں ڈالے یہ اسراف ہوا کہ فعل خود گناہ ہے اگرچہ تھوڑی دیر پہننے سے کڑے خرچ نہ ہوجائیں گے اور بلاوجہ محض اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو اسراف نہیں کہ نہ فعل خود گناہ ہے نہ مال ضائع ہوا اور اگر دریا میں پھینک دئے تو اسراف ہوا کہ مال کی اضاعت ہوئی اوراضاعت کی ممانعت پر حدیث صحیح ناطق۔'' الخ [فتاویٰ رضویہ جلد ا/ص ۱۸۰،۱۸۴]

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۹/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

معتکف یا غیرمعتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی ودنیاوی بات کرنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا مسجد میں موبائل سے دنیوی بات کرنا صحیح ہے؟

(۲) معتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی یا دنیاوی ضروری باتیں کرنا کیسا؟

محمد جاوید رضا خان کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

(۱) مسجد میں موبائل یا بغیر موبائل دنیاوی بات کرنا جائز نہیں ہے۔ آیت کریمہ

وان المساجد للّٰہ فلاتدعوامع اللّٰہ احدا ۔

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو [ترجمہ کنز الایمان]

کی تفسیر میں ملاجیون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ھٰذہ الأیۃ وان کانت تحمل المعانی واختلف فیھاالآراء الاانھاعلی ظاھرھا مما یستدل بہ علی انہ لایجوزفی المسجدالتکلم بکلام الدنیا ooooo وقدقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تکلم بکلام الدنیافی خمسۃ مواضع احبط اللہ تعالیٰ منہ عبادۃ اربعین سنۃ الاول فی المسجدالخ

یہ آیت اگر چہ چند معانی پر محمول ہے اور اس میں آراء مختلف ہیں مگر اس کا ظاہر یہی ہے کہ دنیاوی کلام مسجد میں جائز نہیں ہے.....اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ مقامات پر دنیاوی بات کرنے والے کیا اللہ تعالیٰ چالیس سال کی عبادت باطل فرما دیتا ہے جس میں سے پہلا مقام مسجد ہے۔

[تفسیرات احمدیہ، پارہ۲۹، ص۴۸۹]

غنیۃ المستملی میں ہے:

یجب ان تصان ooooo عن حدیث الدنیا ۔

مسجد میں دنیاوی بات سے بچنا واجب ہے۔[فصل فی احکام المسجد ص ۵۲۶]

فتاویٰ عالمگیری باب فی آداب المسجد میں ہے:

الجلوس فی المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق لان المسجدمابنی لامور الدنیاوفی خزانۃ الفقہ ما یدل علی ان الکلام المباح من حدیث الدنیافی المسجد حرام قال ولا یتکلم بکلام الدنیا ۔

مسجد میں بات کرنے کے لیے بیٹھنا بالاتفاق جائز نہیں اور خزانۃ الفقہ میں جو ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ دنیاوی جائز بات مسجد میں حرام ہے کہا اور دنیاوی بات نہ کرے۔[جلد۵/۳۲۱]

فتاویٰ رضویہ میں حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کے حوالے سے ہے:

کلام الدنیا اذا کان مباحا صدقا فی المساجد بلاضرورة داعية الی ذالك كاالمعتكف يتكلم فی حاجته اللازمة مكروه كراهة تحريم .

یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنا حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لیے بات کرے۔[جلد۶/۴۰۳]

(۲) دینی باتیں یا دنیاوی جائز ضروری باتیں مسجد میں کرسکتا ہے۔

درمختار کتاب الصوم باب الاعتکاف میں ہے:

وتكلم الابخير وهو مالااثم فيه ومنه المباح عند الحاجة اليه لاعندعدمها

بہتر کلام کرے اور بہتر وہ ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور اسی میں سے ضرورت کے وقت جائز بات کرنا ہے نا کہ بغیر ضرورت۔[جلد۳/۴۴۱،۴۴۲]

ردالمحتار میں اس عبارت کے تحت ہے:

كره تكلم الاتكلمابخير .

سوائے خیر کے کوئی بات کرنا مکروہ ہے۔[جلد۳/۴۴۱]

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولايتكلم الابخيرهذايتناول المعتكف وغيره الا انه فی المعتكف اشد

بہتر کلام کرے یہ حکم معتکف وغیر معتکف دونوں کے حق میں ہے مگر معتکف کے حق میں زیادہ مؤکد ہے۔[جلد۱/۲۱۴]

اور اگر بات دینی نہ ہو اور نا ہی ضروری ہو تو پھر معتکف کے لئے حکم کراہت ہے اگر چہ بات جائز ہی ہو۔

فتاوی شامی میں ہے:

فيكره للمعتكف التكلم بالمباح .

(معتکف کے لیے جائز بات کرنا بھی مکروہ ہے)[جلد۱/۲۱۴]

مراقی الفلاح میں معتکف کے لئے مسجد میں جائز بات کرنے کے تعلق سے فرمایا:

الكلام المباح مكروه . [ص ۷۰۵]

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۵/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

موبائل کے مسائل پر مشتمل تفصیلی فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں؛

(۱) اجنبیہ عورتوں سے موبائل پر بات چیت کرنا کیسا اور (customercare) موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے موبائل کے تعلق سے جانکاری حاصل کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۲) موبائل پر گیم کھیلنا کیسا؟

(۳) موبائل کے کیمرے سے کسی جاندار کی تصویر کھینچنا اور اس کو اپنے موبائل کی اسکرین پر رکھنا یا پھر اس کو اندر کسی فولڈر میں چھپا کر رکھنا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں، کیسا ہے؟

(۴) موبائل میں گانے قوالیاں سننا فلمیں دیکھنا کیسا؟

(۵) کیا موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا جائز ہے؟ اور اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ بالا سوالات کے تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد نسیم القادری متعلم الجامعۃ الرضا بریلی شریف

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم – نحمده ونصلّي على حبيبه الكريم

بالترتیب جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) اجنبیہ عورتیں چاہے وہ موبائل آفس میں ہوں یا کہیں بھی ان سے بلاضرورت بات چیت کرنا ناجائز ہے۔ کیوں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"نوازل امام فقیہ ابواللیث میں ہے:

"نغمة المرأة عورة" (عورت کی آواز عورت ہے)

کافی امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

"لاتلبي جهرا لان صوتها عورة" (عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے اس لیے کہ اس کی آواز عورت ہے)[فتاوی رضویہ، ۹/ ۱۴۷]

جب عورت کی آواز بھی عورت ہے تو جس طرح اجنبیہ عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے اس سے بات کرنا بھی جائز نہ ہوگا ہاں اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت بات کرنے کی اجازت ہے، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح اور ردالمحتار میں ہے:

فانا نجیز الکلام من النساء الاجانب ومحاورتھن عندالحاجة ۔

ہمارے نزدیک ضرورت کے وقت اجنبیہ عورتوں سے بات کرنے کی اجازت ہے۔

[حاشیہ طحطاوی ص۲۴۲، ردالمحتار، ۲/۹۷]

اور ردالمحتار ہی میں مذکور'' یجوز الکلام المباح مع امرأة اجنبیة''[۹/۵۳۰] (اجنبیہ عورتوں سے جائز بات کرنا جائز ہے) ان عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف ضرورت متحقق ہونے کے وقت بقدرِ ضرورت اجنبیہ عورتوں سے گفتگو کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

علاوہ ازیں موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے گفتگو کرنے میں ضرورت موجود نہیں کیوں کہ فون کاٹ کے دوبارہ لگانے پر کسی نہ کسی لڑکے سے بات ہو جاتی ہے۔

(۲) حدیث پاک میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کل مایلھو بہ المرء المسلم باطل الا رمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فانھن من الحق ۔

ہر وہ کھیل جس سے مسلمان آدمی کھیلتا ہے باطل ہے مگر اس کا اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا اور اپنے گھوڑے کو تربیت دینا اور اپنی بیوی سے چھیڑ چھاڑ پس یہ کھیل حق ہیں)

[سنن النسائی، باب الرمی فی سبیل اللّٰہ، ص ۲۰۲]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفی معناھا کل مایعین علی الحق من العلم والعمل اذاکان من الامور المباحة کاالمسابقة بالرجل والخیل والابل والتمشیة لتنزہ علی قصد تقویة البدن وتطریة الدماغ ۔

حدیث میں بیان کردہ کھیلوں میں ہر وہ کھیل داخل ہے جو علم وعمل کے لیے معاون بنتا ہو اور فی نفسہ جائز کاموں میں اس کا شمار ہوتا ہو جیسا کہ پیدل دوڑ، گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ، یا بدن کی تقویت اور دماغ کی تراوٹ کے ارادہ سے چہل قدمی۔ [مرقاة المفاتیح ۷/۳۹۶]

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''لذت لعب شرع کریم وعقل سلیم کے نزدیک فائدہ معتد بہا نہیں مگر جبکہ لہو مباح ہو اور تعب کے بعد اس سے ترویج قلب مقصود اب نہ وہ عبث رہے نا حقیقت لعب اگرچہ صورت لعب ہو۔

ولہٰذا حدیث میں ہے، حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الھوا والعبوا فانی اکرہ ان یرمی فی دینکم غلظة، رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(کھیلو کودو کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی تمہارے دین میں سختی دیکھے اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)

امام ابن حجر مکی کف الرعاع پھر سیدی عارف باللہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

" اللهو المباح ماذون فيه منه صلى الله عليه وسلم

(جائز کھیل کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجازت ہے۔)

[فتاوی رضویہ قدیم جلد ۱/ ۲۰۱]

ان عبارات سے یہ نتیجہ نکلا کہ موبائل پر ہر وہ گیم کھیلنا جائز ہے جس میں دینی یا دنیوی فائدہ ہو یا بدن کی تقویت اور دماغ کی تراوٹ مقصود ہو اور اس میں خلاف شرع کوئی امر جیسے جاندار کی تصویر وغیرہ نہ ہو۔ اور ایسے گیم جس میں جاندار کی تصاویر ہوں اور اس گیم سے کوئی دنیوی یا دینی فائدہ بھی نہ ہو اور نہ ہی اس سے بدن یا دماغ کو تازگی میسر آئے اس میں اپنا وقت ضائع کرنا خالی از کراہت نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"ہر کھیل اور عبث فعل جس میں نہ کوئی غرض دین نہ کوئی منفعت جائزہ دنیوی ہو سب مکروہ و بے جا ہیں کوئی کم، کوئی زیادہ الخ۔ [فتاوی رضویہ قدیم ۹/ ۴۴]

(۳) موبائل کے کیمرے سے ہو یا کسی اور چیز کے ذریعہ کسی بھی جاندار کی تصویر کشی ناجائز و حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم احيوا ما خلقتم

روز قیامت مصورین عذاب دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جو تم نے بنائی ہیں جان ڈالو) [بخاری شریف ۲/ ۸۸۱]

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لانه متوعدا عليه بهذا الوعيد المذكور في الاحاديث سواء صنعه في ثوب اوبساط او درهم او دينار او غير ذالك .

ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے فرمایا حیوانات کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور بڑے گناہوں میں سے ہے اس لئے کہ اس پر شدید وعید آئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے، چاہے کسی کپڑے پر تصویر بنائی جائے، یا بستر پر یا درہم و دینار پر یا اس کے علاوہ پر۔ [مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب التصاویر جلد ۸/ ۳۲۳]

ردالمحتار میں ہے:

فعل التصوير فهو غير جائز طلقا لانه مضاهاة لخلق الله

تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ وہ تخلیق الٰہی سے مشابہ ہے۔[جلد۲/۴۲۰]

لہٰذا جب تصویر کشی ہی حرام ٹھہری تو پھر اس کا اسکرین پر رکھنا کب روا ہوگا کہ اس میں ایک شیء حرام کی حفاظت ہے جو حرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ناجائز تصویریں حفاظت سے رکھ چھوڑنا خود ہی منع ہے۔[عطایا القدیر فی حکم التصویر ۵۴]

رہا تصویر کا کسی فولڈر میں محفوظ کر لینا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں یہ بھی ناجائز ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول ولاقرة عين فيه لمن يتمسك التصاوير فى صندوقه لينظر فيهامتى شاء فانهاوان كانت مستورة ما دامت فى الصندوق لكنه يفتحه ويخرجهافتظهر فياتى التحريم والامساك لامرممنوع كمن امسك امرأة ليفجربهافى اثم الفجورحين لا يفجر لان الاعمال بالنيات .

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگرچہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کر نکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذا تحریم کا حکم ہوگا اور ممنوع چیز کو رکھنا بھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لئے روک لے تو اس پر بدی کا گناہ ہوگا اگرچہ وہ بدی نہ کر رہا ہو اور اعمال کا اعتبار نیت سے ہے[مرجع سابق ص،۵۶]

(۴) گانے سننا مروجہ قوالیاں سننا ناجائز و حرام ہے۔

درمختار میں ہے:

قال ابن مسعود صوت اللهو والغناء ينبت النفاق فى القلب كماينبت الماء البنات .

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ کھیل اور گانے کی آواز دل میں نفاق پیدا کر دیتی ہے جس طرح پانی گھاس اگا دیتا ہے)[جلد۵/۳۵۲]

درمختار ہی میں بزازیہ کے حوالے سے ہے:

وفى البزازيه استماع صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام استماع الملاهى معصية .

اور بزازیہ میں ہے کہ گانے کے آلات کی آواز جیسے بانسری بجنے کی آواز اور اس کے مثل سننا حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''ملاہی کا سننا گناہ ہے'' کی وجہ سے)[جلد۹/۵۰۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

قال رحمه الله تعالیٰ السماع والقول والرقص اللذی یفعله المتصوفه فی زماننا حرام لایجوز القصد الیه والجلوس علیه .

حلوانی، اللہ رحمت فرمائے ان پر، انہوں نے فرمایا کہ سماع اور قول اور ناچ وہ جسے (نام نہاد) صوفیہ کرتے ہیں ہمارے زمانے میں حرام ہے اس کی طرف ارادہ اور اس میں بیٹھنا جائز نہیں۔[باب الغناء واللہو، جلد۵/۳۵۲]

عباراتِ بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ گانا اور قوالیوں کا سننا نا جائز و حرام ہے۔ اب رہا یہ کہ موبائل میں سننا تو موبائل ہو یا موبائل کے علاوہ میں ہر طرح حرام ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''شک نہیں کہ طبلہ، سارنگی، ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورات کا گانا یا فحش گیت وغیرہ جن آوازوں کا فونو کے باہر سننا حرام ہے بلا شبہ ان کا فونو سے بھی سننا حرام ہے۔[فتاوی رضویہ ۹/۱۸]

اور رہا فلم کا دیکھنا تو اس کے نا جائز و حرام ہونے میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجموعۂ مفاسد اور مفضی الی النار ہے اس میں ناچ گانے مرد و زن کا اختلاط و عریانیت جیسے بے شمار امور ممنوعہ پائے جاتے ہیں۔

(۵) موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا نا جائز و حرام ہے کہ یہ اعانۃ علی المعصیۃ یعنی گناہ پر مدد کرنا ہے قرآن میں ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان .

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔[ترجمہ کنز الایمان سورہ مائدۃ آیۃ ۲]

فتاوی عالمگیری کتاب الشہادات میں ہے:

الاعانة علی المعاصی والفجور والحث علیهامن جملة الکبائر .

گناہوں اور برائیوں پر مدد کرنا اور اکسانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔[جلد۳/۴۵۱]

اور اس کی آمدنی بھی نا جائز و حرام ہے۔ فتاوی عالمگیری کتاب الاجارۃ میں ہے:

لا تجوز الاجارة علی شیء من الغناء والنوح والمزامیر والطبل وشیء من اللهو

گانا، نوحہ کرنا، ڈھول تاشے اور کھیل کود کے کسی بھی چیز پر مزدوری جائز نہیں۔ [جلد۴/۴۴۹] هذا ماعندی والعلم عند الله تعالیٰ .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۸ ربیع النور ۱۴۳۴ھ

﴿مسجد کے نیچے دوکان میں قرآن وغیرہ کا رکھنا﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں مسجد کی دوکان ہے جو کہ عام راستہ پر ہے زید اس میں کتابیں اور قرآن پاک فروخت کرتا ہے دوکان کے پیچھے سے زینہ ہے اور دوکان کے اوپر لیٹرین بنی ہے حجرے کا راستہ بھی ہے بکر کہتا ہے کہ دوکان میں قرآن وغیرہ رکھے ہیں ان کی بے حرمتی ہورہی ہے جبکہ دوکان کا رخ اور راستہ عام راستہ کی طرف ہے ان ساری چیزوں کا راستہ دوسرے رخ سے تو کیا اس طرح بے حرمتی ہورہی ہے بالدلیل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی خلیل احمد محلہ وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

صورت مسئولہ میں قرآن مجید اور اس کے علاوہ جو بھی کتب شرعیہ دینیہ دوکان میں موجود ہیں ان کی توہین وبے حرمتی لازم نہیں آرہی ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر ومستند کتاب ''محیط برھانی'' میں ہے:

لو وضع فی البیت لابأس بالنوم علی سطحه oooo واذا حمل المصحف اوشیء من کتب الشریعة علی دابة فی جوالق ورکب صاحب جوالق علی الجوالق لا یکره ۔

اگر گھر میں قرآن رکھا ہو تو چھت پر سونے میں کوئی حرج نہیں ....اور جب قرآن شریف یا کتب شرعیہ بورے میں کر کے سواری کے جانور پر رکھدی جائیں اور سوار اس بورے پر بیٹھ جائے تو کوئی کراہت نہیں) [الفصل الخامس،۵/۱۵۴] وھکذافی الھندیه،۵/۳۲۲]

حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

لو جعل المصحف فی الجوالق وھو یرکب علیه لابأس به للحفظ ولغیر الحفظ یکرہ ۔

اگر قرآن بورے میں رکھا اور وہ اس پر سوار ہوگیا تو کوئی حرج نہیں جب کہ یہ بیٹھنا حفاظت کی غرض سے ہو ورنہ مکروہ ہے) [کتاب الطھارۃ،باب الحیض،۱۴۸] ھذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالی ۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

﴿آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا، اور قیامت ملک شام میں واقع ہوگی﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں:

(۱) کیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا اگر نہیں تو پھر حضرت کے والد کا نام کیا تھا؟

(۲) میدانِ قیامت ملکِ شام ہے یا میدانِ عرفات؟

حاجی اصغر حسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا باپ نہیں۔ حضرت کے والدگرامی کا نام نامی اسم گرامی تارخ یا تارح ہے۔ حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں آیت کریمہ "**واذقال ابراهيم لابيه آزر**" کے تحت فرماتے ہیں:

"قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے امام علامہ جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے"۔

[پارہ ۷، سورہ انعام آیت ۷۵]

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ اسی آیت کریمہ کے تحت رقم طراز ہیں:

"امام جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں نیز مفردات میں امام راغب نے تفسیر کبیر میں امام رازی نے علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا آزر بت پرست تھا۔ آپ کے والد کا نام تارح ہے جو مومن وموحد تھے تفسیر ابن کثیر نے بھی یہی کہا ہے۔"

[تفسیر نعیمی پارہ ۷ سورہ انعام، ص ۶۰۵]

علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالے **مسالك الحنفاء في والدي المصطفىٰ**، میں علامہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

الامام فخر الدين الرازي فقال في كتابه "اسرار التنزيل" مانصه' قيل ان آزر لم يكن والد ابراهيم بل كان عمه، واحتجوا عليه بوجوه منها ان آباء الأنبياء ماكانوا كفاراً، الخ .

امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں فرمایا کہ کہا گیا کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔ اوراس پر چند وجوہ سے احتجاج کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ کہ انبیاء کے آباء کافر نہیں تھے۔

[مسالك الحنفاء، ص ۲۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اہل تواریخ واہل کتابین (یہود ونصاریٰ) کا اجماع ہے کہ آزر باپ نہ تھا سید خلیل علیہ السلام الجلیل کا چچا تھا''

[فتاوی رضویہ جدید، ۳۰/۲۸۴]

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تحقیق یہ ہے کہ آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، چچا تھا۔ ان کے والد ماجد کا نام تارخ تھا۔

[فتاوٰی شارح بخاری، ج۱ص ۵۴۹

یز علامہ عینی نے شرح بخاری میں تارح بالحاء اور تارخ بالخاء دونوں کو نقل کیا ہے

[عمدة القاری شرح بخاری ۱۱/۵۲

الحاصل: اکثر علماء اہلسنّت کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم حضرت تارخ یا تارح ہیں اور آزر چچا ہے۔

(۲) قیامت کا میدان ملک شام ہے۔ حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''آخر حشر روزِ قیامت کا حشر ہے کہ آگ سب لوگوں کو سرزمین شام کی طرف لے جائے گی اور وہیں ان پر قیامت قائم ہوگی۔''

[تفسیر خزائن العرفان پارہ ۲۸ سورہ حشر آیت ۲]

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:

''یحشر الناس احیاء الی الشام''

لوگ زندہ کر کے ملک شام کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ [جلد ۱۰/۱۹۰ باب الحشر]

واللہ تعالیٰ اعلم باالصواب ۔

کتبه

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۶/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن کا شرعی حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں سر پر اگر بال کم ہوں کچھ جگہ خالی ہو تو کیا بالوں کی ٹرانسپلانٹیشن یعنی خالی

جگہ پر اپنے یا کسی اور کے بال لگوا سکتے ہیں۔
شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد ناظم رضوی منصوری، قصبہ پیپل سانہ مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن (پیوندکاری) سے متعلق کوئی حکم بیان کرنے سے پہلے ہم اس سے متعلق احادیث کریمہ ونصوص محدثین وفقہاء کا جائزہ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

عن اسماء بنت ابی بکران امرأۃجاء ت الی رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلّم فقالت انی انکحت ابنتی ثم اصابھاشکوی فتمرق رأسھا و زوجھا یستحثنی بھا افاصل رأسھافسب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الواصلۃ والمستوصلۃ ۔

ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ میری بیٹی کے چیچک کی وجہ سے بال جھڑ گئے ہیں اور میں نے اس کا نکاح کردیا تو کیا میں اس کے بال جوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ بال جوڑنے والی اور جڑوانی والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لعن اللّٰہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور گودنے اور گودوانے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔[البخاری باب الوصل فی الشعر ۲/۸۷۸،۸۷۹]

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ "الواصلۃ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ای التی تصل الشعرسواء کان لنفسھاام لغیرھا"

واصلہ وہ ہے جو بال جوڑے خواہ اپنے یا اپنے غیر کے

اور

المستوصلۃ" ھی التی تطلب وصل شعرھا ۔

مستوصلہ وہ ہے جو اپنے بال جڑوائے۔

[فتح الباری فی شرح البخاری،باب وصل الشعر، ۱۷/۳۵،۴۳]

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے

نقل ابو عبیدعن کثیرمن الفقهاء ان المنع فی ذالك وصل الشعربالشعر

ابوعبید نے بہت سے فقہاء سے نقل کیا کہ بال کا بال سے جوڑ نا منع ہے۔[باب الوصل فی الشعر]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے:

وقال القرطبی هٰذانص فی تحریم وصل الشعربشعر۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ نص بال کو بال سے ملانے کی حرمت میں ہے۔[فیض القدیر شرح جامع صغیر،حرف اللام،۵/۲۷۳]

احکام جراحۃ التجمیل فی الفقہ الاسلامی میں ہے:

اتفق الفقهاء علی تحریم وصل الشعرفی الجملة۔

فقہا نے بال ملانے کی حرمت پر بالکلیہ اتفاق کیا ہے۔[ج۱،ص۳]

مذکورہ بالا احادیث اور عبارات علماء سے صرف یہ مفہوم مستفاد ہو رہا ہے کہ بالوں کو بالوں سے ملانا حرام ہے۔ البتہ محدثین کرام وفقہاء عظام کے آراء ونظریات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مطلقاً بالوں کا ملانا حرام نہیں بلکہ اپنے یا غیر کے بال دوسرے کے بال سے ملانا حرام ہے۔ملاحظہ ہو۔

شرح نووی میں ہے:

اماالواصلةفهی التی تصل شعر المرأة بشعر آخر ○○○○ وهٰذه الاحادیث صریحة فی تحریم الوصل ولعن الواصلة والمستوصلة مطلقاً وهٰذاهوالظاهر المختار○○○○وفی هٰذاالحدیث ان الوصل حرام سواء کان لمعذورةاوعروس اوغیرهما

واصلہ وہ ہے جو عورت کے بال دوسرے کے بال کے ساتھ ملائے اور یہ احادیث بال ملانے کی حرمت کے سلسلے میں صریح ہیں اور واصلہ اور مستوصلہ کی لعنت مطلق ہے یہی ظاہر پسندیدہ ہے اور اس حدیث میں وصل حرام ہے خواہ وہ معذورہ کے لئے یا دلہن یا ان دونوں کے علاوہ کے لئے ہو)[ج۷ص ۲۳۶،باب تحریم فعل الواصلة]

حاشیة السندی علی ابن ماجة میں ہے:

الواصلةهی التی تصل الشعر بشعر آخرسواء اتصل بشعرهااوبشعرغیرها۔

واصلہ وہ ہے جو دوسرے کے بال سے بال ملائے خواہ اپنے بال یا دوسرے کے)[۴/۱۷۵]

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے:

"الواصلة"ای التی تصل الشعرسواء کان لنفسهاام لغيرها .

واصلہ وہ ہے جو بال سے بال سے ملائے خواہ اپنے یا دوسرے کے)[تحفة الاحوذی، ۵/۳٦۸،باب ماجاء فی مواصلةالشعر]

احکام جراحة التجميل فی الفقه الاسلامی میں ہے:

الواصلة فی الاحاديث هی التی تصل شعرامرأةبشعراخری لتكثربه شعر المرأة ٠٠٠٠ ان الوصل حرام لان اللعن لايكون علی امرغيرمحرم و دلالة اللعن علی التحريم من اقوی الدلالات٠٠٠٠٠٠اتفق فقهاء الحنفيه و المالكية و الحنابلة و الظاهرية و الشافعية علی تحريم وصل شعر المرأة بشعر آدمی بقصدالتجمل و التحسين سواء اكان الشعرالذی تصل به شعرها ام شعرزوجهاام محرمهاام امرأة اخری غيرهالعموم الاحاديث الواردة فی النهی عن الوصل ولانه يحرم الانتفاع بشعرالادمی وسائر اجزائه لكرامته بل يدفن شعره وظفره وسائراجزاءه .

واصلہ احادیث میں وہ عورت ہے جو عورت کے بال دوسری عورت کے بال سے ملائے تا کہ اس سے عورت کے بال زیادہ ہو جائیں .....وصل حرام ہے اس لئے کہ لعنت نہیں ہوتی ہے غیر حرام معاملہ پر اور لعنت کی دلالت وصل کی حرمت پر دلیلوں میں سب سے مضبوط ہے....فقہاء حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور شوافع عورت کے انسان کے بال کے ساتھ بال ملانے کی حرمت پر متفق ہیں۔ زینت اور خوبصورتی کے ارادے سے خواہ وہ بال جو وہ عورت جوڑ رہی ہے اسی کا بال ہو یا اس کے شوہر کا یا اس کے محرم کا یا دوسری عورت کا ان احادیث کے عمومیت کی وجہ سے جو بال ملانے کی نہی میں وارد ہوئیں ہیں اور اس لئے کہ نفع حاصل کرنا آدمی کے بال سے اور اس کے تمام اجزا سے اس کی بزرگی کے سبب ہے۔ بلکہ اس کے بال اور ناخون اور تمام اجزاء دفن کئے جائیں گے)[۱/ص۴]

مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ويكره وصل الشعربشعرآدمی سواء كان شعرها اوشعرغيرها

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا مکروہ ہے خواہ وہ عورت کے بال ہوں یا اس کے غیر کے)[فصل فی المتفرقات ،۸/۲۱۱]

شرح بہجۃ الوردیۃ میں ہے:

وصلها شعرها بشعر آدمی حرام قطعالانه يحرم الانتفاع بشیء منه لكرامته سواء كان شعرها اوشعر غيرها اذن فيه الزوج او لالانه بانفصاله من الآدمی تجب مواراته كذافی الروضة .

عورت کا اپنے بال آدمی کے بال کے ساتھ جوڑنا حرام قطعی ہے اس لئے کہ حرام ہے نفع حاصل کرنا آدمی کی کسی جزء سے اس کی بزرگی کی وجہ سے خواہ وہ بال عورت کا ہو یا اس کے غیر کا اس کے شوہر نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اس لئے کہ اس کا آدمی سے الگ ہونا واجب کر دیتا ہے اس کی تکریم کو۔

[۳/۲۵۵، فصل فی بیان شروط الصلاة

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها كذافی الاختيارشرح المختار"

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا حرام ہے خواہ وہ بال عورت ہو یا غیر کا۔

[الفتاوی الهنديه كتاب الكراهية ۔۵/۳۵۸]

بدائع الصنائع میں ہے:

يكره للمرأة ان تصل شعرغيرهامن بنی آدم بشعرها لقوله عليه السلام لعن الله الواصلة والمستوصلة ۔

عورت کے لیے اپنے بال دوسرے آدمی کے بال کے ساتھ ملانا مکروہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لعن الله الواصلة والمستوصلة" کی وجہ سے)[كتاب الاستحسان باب حكم الخلوة باالمرأة]

فتاوی شامی میں تاتارخانیہ کے حوالے سے ہے:

لكن فی التاتارخانيه واذاوصلت المرأة شعرغيرهابشعرهافهو مكروه

لیکن تاتارخانیہ میں ہے کہ جب عورت اپنے غیر کے بال اپنے بال کے ساتھ ملائے تو مکروہ ہے۔

[كتاب الحظروالاباحة ۹/۵۳۵]

مزید واصلۃ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الواصلة التی تصل الشعر بشعر الغير .

واصلہ وہ ہے جو بال غیر کے بال سے ملائے۔[كتاب الحظر والاباحة، ۹/۵۳۶]

مذکورہ بالا عبارات محدثین وفقہاء کی روشنی میں صاف ظاہر ہو گیا کہ اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے کے بالوں کو ملانا حرام ہے۔

رہا اپنے بالوں میں اپنے ہی بال ملانے کا حکم تو اس سلسلے میں اس وقت کوئی صریح جزیہ فقیر کی نظر میں نہیں آیا۔ البتہ احادیث کے تناظر میں بیان کردہ علماء کے ارشادات سے ماخوذ حکم شرع (بالوں کا دوسرے کے بالوں سے جوڑنا حرام ہے) سے یہی مستفاد ہو رہا ہے کہ اپنے بالوں کا اپنے ہی بالوں سے جوڑنا حرام نہیں ہے مزید یہ کہ اپنے بالوں میں اپنے ہی بال جوڑنے سے متعلق شرعاً ممانعت نہ ہونا ہی جواز کے لیے کافی ہے۔

لہٰذا بالوں کی پیوندکاری (ٹرانسپلانٹیشن TRANSPLANTAION) اگر اپنے ہی بالوں سے ہے یعنی اپنے بال اپنے ہی بالوں میں جوڑے جائیں تو احقر کے نزدیک جائز ہے۔

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہ صلّی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۸؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

داڑھی منڈے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ منبر رسول پر داڑھی منڈے کو بٹھانا کیسا ہے؟ اور اس کے بارے میں نورانی چہرہ والا کہنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی محمد ناظم قاضی باغ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

ایک مشت داڑھی رکھنا ازروئے شرع واجب ہے اس سے کم کرنے والا شرعاً فاسق و گنہگار ہے۔ اس کو منبر پر بٹھانا اس کے مکروہ چہرہ کو نورانی کہہ کر اس کی تعریف کرنا کسی بھی طور پر اس کی تعظیم وتکریم کرنا ناجائز وحرام مستوجب غضب الٰہی اور عذاب شدید کا باعث ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انهکوا الشوارب واعفوا اللحی

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مونچھیں پست کرواور داڑھیاں بڑھاؤ۔

[صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی، ۱/۸۷۵

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

حلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج و ہنود وجو القیان است کہ ایشانرا قلندریہ گویند و گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است۔

داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندروں کا طریقہ ہے اور ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔[کتاب الطھارۃ باب السواك، ج ۱ ص ۲۱۳]

شعب الایمان للبیہقی میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللّٰہ عزوجل یغضب اذامدح الفاسق فی الارض .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں جو حضرت انس سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذامدح الفاسق غضب الرب واهتزله العرش .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔[شعب الایمان للبیهقی ج ۴ ص ۲۳۱، باب فی حفظ اللسان]

اس کی تعظیم تو درکنار علمانے تو اس کی توہین کا حکم فرمایا ہے۔ صاحب تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق فاسق کی توہین کو واجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

الفاسق ٥٥٥٥ وجب علیهم اهانته شرعاً .

لوگوں پر از روئے شرع فاسق کی توہین ضروری ہے۔

[۱۵۷/۲ ،باب الاحق بالامامة]

لہٰذا جس شخص نے بھی داڑھی منڈے کو منبر پر بٹھایا اور نورانی چہرہ والا کہا اسے چاہیے توبہ کرے اور آئندہ ایسی خلاف شرع بات زبان پر نہ لائے۔

واللّٰه تعالیٰ اعلم وعلمه اتم .

کتبه
محمدذوالفقارخان نعیمی
مورخه ۲۲/ذی الحجة ۱۴۳۳ھ

﴿غیر مسلم سے گوشت بنوانا﴾

کیافرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں ایک مسلمان نے لڑکی کی شادی میں ایک غیر مسلم جس کی جھٹکے کے گوشت بیچنے کی دوکان ہے اس سے مرغہ کا گوشت بنوایا اس نے اپنے گوشت رکھنے کے سارے برتن چھریاں کرا کری کا استعمال کیا مرغہ ذبح کرنے کے لئے ایک مسلمان لڑکا لگا رکھا تھا۔اس گوشت کو جن مسلمانوں نے کھایا ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

شہاب الدین محلّہ کٹورہ تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

صورتِ مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ غیر مسلم کی دوکان سے گوشت بنوانا اس وقت جائز ہوگا جب کہ ذابح (ذبح کرنے والا) مسلمان ہو اور ذبح کے وقت سے لیکر گوشت بنوانے والے مسلمان کے ہاتھوں میں گوشت پہنچنے کے وقت تک گوشت کسی لائق اعتبار مسلمان آدمی کے نگاہ کے سامنے رہے۔ورنہ اس گوشت کا خریدنا بنوانا کھانا اور کھلانا،سب ناجائز وحرام ہوگا اور کھانے اور کھلانے والوں پر توبہ ضروری۔

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ میں ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۰/۲۸۲]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''اگر ذبح کر کے اسے (یعنی کافر کو) دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا اس نے گوشت بنایا اور

مسلمانوں کو دیا تو اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا"فان الکافر لایقبل قوله فی الدیانات" دین کے امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں"[فتاوی رضویہ جدید،۲۰/۳۰۹]
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ
محمدذوالفقارخان نعیمی
مؤرخہ ،۱۲/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

روٹی چومنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں لوگ روٹی کو چومتے ہیں اس کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ذیشان کٹ گھر مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

روٹی کی تعظیم وتکریم جائز بلکہ مستحب ہے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی کی تعظیم وتکریم کا حکم عطا فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لاتقطعوا الخبز بالسکین اکرموہ فان اللہ اکرمہ ۔

روٹی کو چھری سے مت کاٹو اس کی تکریم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنایا ہے۔[مسند الفردوس للدیلمی، ۱/۴۸۸]

اور روٹی چومنے سے متعلق درمختار میں ہے:

اماتقبیل الخبز فحرر الشافعیة انه بدعة مباحة وقیل حسنة وقالوایکرہ دوسه لابوسه ۔

رہا روٹی چومنا تو شوافع نے بدعت مباحہ لکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ بدعت حسنہ ہے اور انہوں نے کہا کہ اس کا کچلنا مکروہ ہے نہ کہ چومنا۔[باب الاستبراء،۹/۵۵۲]

عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی لابن عابدین میں ہے:

کون تقبيل الخبز بدعة فصحيح ولكن البدعة لاتنحصر فی الحرام بل تنقسم الی الاحكام الخمسة ولا شك انه لايمكن الحكم علی هٰذابالتحريم لانه لادليل علی تحريمه ولا بالكراهة لان المكروه ماوردفيه نهی خاص ولم يردفی ذالك نهی والذی يظهران هٰذامن البدع المباحة فان قصدبذلك اكرامه لاجل الاحاديث الواردة فی اكرامه فحسن .

[۴۳۶/۷]

روٹی چومنا بدعت ہے صحیح ہے لیکن بدعت حرام میں منحصر نہیں ہے بلکہ بدعت پانچ احکام میں منقسم ہوتی ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس پر حرام کا حکم ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے حرام اور مکروہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں اس لئے مکروہ وہ ہے جس کے سلسلے میں کوئی نہی خاص وارد ہوا اور اس سلسلے میں کوئی نہی وارد نہیں ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بدعت مباحہ ہے پس اگر روٹی چومنے سے اس کی تعظیم کا ارادہ کر لے ان احادیث کے سبب جو روٹی کی تعظیم میں وارد ہیں اچھا ہے۔

واللّٰه تعالٰی اعلم ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

﴿(اورل سیکس) ہم بستری کا غلط طریقہ﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں

(۱) کیا شوہر اپنی حائضہ بیوی کی شہوت کی تسکین کے لئے اس کی شرمگاہ میں اپنی انگلی کا استعمال کر سکتا ہے؟

(۲) اورل سیکس (یعنی میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو چوسنا) شرعاً کیسا ہے؟

(۳) بیوی اگر حالت حیض میں ہو تو کیا وہ شوہر کی منی اپنے ہاتھ سے نکال سکتی ہے؟

شریعت کی روشنی میں جوابات عنایت فرمائیں۔

(مفتی)محمد کاشف رضا بنگلور

۱۲/رمضان المبارك ۱۴۳۳ھ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

(۱) یہ عمل از روئے شرع جائز نہیں ہے کیوں کہ شوہر کے لئے حائضہ بیوی کی شرمگاہ یا ناف سے گھٹنے تک کسی حصہ کا چھونا جائز نہیں ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

یحرم علیه الاستمتاع بمابین السرۃ والرکبة .

مرد کو ناف اور گھٹنے کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ [باب الحیض، ۱/ ۳۴۴]

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

فیجوز الاستمتاع بالسرۃ وما فوقها والرکبة وماتحتهاوالمحرم الاستمتاع بمابینهما .

ناف اور ناف کے اوپر اور گھٹنا اور اس کے نیچے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور ان دونوں کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے) [باب الحیض، ۱/ ۱۴۹]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''کلیہ یہ ہے کہ حالتِ حیض ونفاس میں زیر ناف سے زانو تک عورت کے بدن سے بلا کسی ایسے حائل کے جس کے سبب جسم عورت کی گرمی اس کے جسم کو نہ پہنچے تمتع جائز نہیں یہاں تک کہ اتنے ٹکڑے بدن پر شہوت سے نظر بھی جائز نہیں اور اتنے ٹکڑے کا چھونا بلا شہوت بھی جائز نہیں اور اس سے اوپر نیچے کے بدن سے مطلقاً ہر قسم کا تمتع جائز یہاں تک کہ سحق ذکر کر کے انزال کرنا۔ [فتاوی رضویہ جدید،۴/۳۵۳]

(۲) علماء کرام نے اس عمل کو مکروہ قرار دیا ہے

محیط برہانی میں ہے:

''اذاادخل الرجل ذکرہ فی فم امرأته فقدقیل یکرہ لانه موضع قراءۃ القرآن فلایلیق به ادخال الذکر فیه''

جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منھ میں داخل کرے تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے اس لیے کہ منھ قرآن پڑھنے کی جگہ ہے۔ پس اس وجہ سے آلہ کا منھ میں داخل کرنا مناسب نہیں ہے۔ [۱/۱۳۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فی النوازل اذا ادخل الرجل فی فم امرأته قدقیل یکرہ .

نوازل میں ہے کہ جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منھ میں داخل کرے تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے۔ [۵/۳۷۲]

(۳) ہاں یہ عمل جائز ہے۔فتاوٰی شامی میں ہے:

یجوزان یستمنی بیدزوجته او خادمته"

اپنی بیوی یا خادمہ (لونڈی) کے ہاتھ سے منی نکالنا جائز ہے۔واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصّواب ۔

[کتاب الحدود، ۶/ ۳۹]

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲۶/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

﴿سیکس ڈول﴾ (SEX DOLL)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ قضائے شہوت کے مصنوعی طریق اختیار کرنا کیسا ہے؟ مشت زنی اور زنا کے علاوہ یورپی تہذیب کے اثرات سے نت نئے ذرائع سامنے آرہے ہیں۔یورپی کمپنی کا ایک پروڈکٹ Sex Doll ہے یعنی مصنوعی لڑکی جو کہ ویب سائٹ پر فروخت کے لیے پیش کی جارہی ہے جو کہ جسامت اور قد و قامت میں مثل انسان ہے اور ویب سائٹ پر دی گئی Promo Vedio کے مطابق تمام حرکات وسکنات میں بھی مثل جسم انسانی ہے۔ایسے آلات کا بنانا، فروخت کرنا، خریدنا اور استعمال کرنا عندالشرع کیسا ہے؟

گلزار احمد قادری، پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

اس مصنوعی لڑکی کا استعمال ازروئے شرع ناجائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے بیوی اور باندی کو تسکین قلب ونفس کا ذریعہ بنایا ہے مرد کے لیے ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے استمتاع جائز نہیں۔فتاوی شامی میں ہے:

فلوادخل ذكره فی حائط او نحو حتی امنی اواستمنی بكفه بحائل یمنع الحرارة یاثم ایضاویدل ایضا علی ما قلنافی الزیلعی حیث یستدل علی عدم حله بالكف بقوله تعالیٰ والذین هم لفروجهم حافظون الآیة وقال فلم یبح الاستمتاع الابهمای بالزوجة والامة"فافادعدم حل الا ستمتاع ای قضاء الشهوة بغیرهما ۔[كتاب الصوم، مطلب فی حكم الاستمناء بالكف،۳/ ۳۷۱]

اگر مرد نے اپنے ذکر کو دیوار یا اس کے مثل کسی چیز میں داخل کیا یہاں تک کہ منی نکل آئی یا حرارت کو روکنے والی کسی چیز کے ہوتے ہوئے ہاتھ سے منی نکالی تو وہ گنہگار رہوگا زیلعی میں ہاتھ سے منی نکالنے کے جائز نہ ہونے پر قرآن کی آیت:

والذین هم لفروجهم حافظون

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ بیوی اور باندی کے سوا کسی سے استمتاع جائز نہیں ہے تو اس بحث نے استمتاع یعنی بیوی اور باندی کے سوا شہوۃ پوری کرنے کے حلال نہ ہونے کا نفع دیا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ علماء نے شہوت کے اس حد تک برانگیختہ ہو جانے پر کہ زنا یا کسی اور امر حرام کے ارتکاب کی نوبت آجانے کا قوی اندیشہ ہو مشت زنی کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

و کذاالاستمناء بالکف وان کرہ تحریمالحدیث ناکح الیدملعون ولو خاف الزنایرجی ان لا وبال علیه .

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والا ملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر زنا کا اندیشہ ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

اس کے حاشیہ میں امام شامی فتح کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فان غلبته الشهوة ففعل ارادة تسکینها به فالرجاء ان لایعاقب

اگر مرد پر شہوۃ کا غلبہ ہو اور وہ تسکین شہوۃ کی غرض سے جلق کرلے تو امید ہے کہ عذاب نہیں دیا جائے گا۔

مزید فرماتے ہیں:

وفی السراج ان اراد بذلك تسکین الشهوة المفرطة الشاغلة للقلب وکان عزبالازوجة له ولا امة اوکان الاانه لایقدرعلی الوصول الیهابعذرقال ابو اللیث ارجوان لاوبال علیه .

سراج میں ہے کہ اگر جلق کے ذریعہ حد سے بڑھی ہوئی اور دل کو بہکانے والی شہوۃ کی تسکین مقصود ہو اور وہ کنوارا ہو اس کی کوئی بیوی اور باندی نہ ہو یا ہو مگر کسی عذر کے سبب ان سے مطلب براری ممکن نہ ہو تو فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی وبال نہ ہوگا۔

لیکن اس کو اس مصنوعی گڑیا پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ یہ گڑیا مجموعۂ منکرات و مفسدات ہے۔ شہوۃ کو برانگیختہ کرنے اور لذت اندوزی کا آلہ ہے اور جہاں تک شہوۃ کو حاصل کرنے اور لذت کی تحصیل کا معاملہ ہے ہرگز ہرگز سوائے بیوی اور باندی کے کسی بھی چیز سے شہوۃ اور لذت حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار رہوگا۔

ردالمحتار میں ہے:

واما اذافعله لاستجلاب الشهوة فهو آثم .

اور جب مشت زنی شہوۃ کو حاصل کرنے کے لیے کی تو گنہگار ہوگا۔[مرجع سابق]

لہٰذا اس مصنوعی گڑیا کا استعمال اور اس کا بنانا اور اس کی خرید و فروخت

ازروئے شرع بالکل ناجائز ہے۔

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۳/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

﴿مچھر مارنے کی مشین کا شرعی حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ مچھروں کو مارنے کے لئے ایک مشین مارکیٹ میں آئی ہے جس میں کرنٹ ہوتا ہے اور وہ بجلی سے چارج ہوتی ہے اس کا استعمال مچھر کو مارنے کے لئے کیا جاتا ہے ازروئے شرع اس کا استعمال کیسا؟

جواب عنایت فرمائیں۔

محمد انیس عالم رضوی پا کبڑا امراد آباد

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

اس آلہ کا کام ہے مچھروں کو جلا دینا ہے اور کسی بھی جاندار کو جلانے سے شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي سَفَرٍ ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ ، فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا ، فَجَاءَتِ الْحُمَرَةُ ، فَجَعَلَتْ تُعَرِّشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ، فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا ؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا ، فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ ؟ قُلْنَا نَحْنُ ، قَالَ إِنَّهُ

لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ .

حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ قضائے حاجت کو تشریف لے گئے ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے تو چڑیا پر بچھانے لگی اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ نے فرمایا اسے اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تڑپایا ہے اس کے بچے اسے واپس کردو اور پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا بل دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا فرمایا کہ اسے کس نے جلایا؟ ہم نے کہا کہ ہم نے جلایا ہے فرمایا کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا آگ پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔

[سنن ابو داود، کتاب الادب، باب فی قتل الذر، ۲/۴۱۷]

اس حدیث مبارک سے صاف ثابت ہے کہ جاندار کو جلانے کا اختیار صرف اللہ کو ہے بندے کو اس کی اجازت نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وأما في شرعنا فلا يجوز احراق الحيوان بالنار الا في القصاص بشرطه

ہماری شریعت میں جاندار کو جلانا جائز نہیں ہے البتہ قصاص میں اس کی شرط کے ساتھ اجازت ہے)

[فتح الباری شرح صحیح بخاری، ۶/۳۵۸]

درمختار میں ہے:

في المبتغى يكره احراق جراد وقمل وعقرب ولا بأس بأحراق حطب فيمانمل

مبتغی میں ہے کہ ٹڈی اور گھن اور بچھو جلانا مکروہ ہے اور اگر لکڑی میں ہو تو اس لکڑی کو جلانے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ شامی نے اس کراہت کو کراہت تحریمی قرار دیا ہے "یکرہ احراق جراد" کے تحت فرماتے ہیں:

ای تحریما

(یعنی ٹڈی وغیرہ کو جلانا مکروہ تحریمی ہے)[کتاب الخنثی، ۱۰/۴۸۲]

محیط برہانی میں ہے:

وفي فتاوى أهل سمرقند إحراق القمل والعقرب بالنار مكروه، جاء في الحديث لا يعذب بالنار إلا ربها .

فتاوی اہل سمرقند میں ہے ٹڈی اور بچھو کو جلانا مکروہ ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آگ سے عذاب نہیں دے

گا مگر آگ کا پیدا کرنے والا۔[۵/۲۵۴، الفصل الثالث والعشرون]

مذکورہ بالا حدیث مبارک اور فقہی عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ کسی جاندار کو جلانا جائز نہیں ہے کیوں کہ جلا کر عذاب دینا صرف اللہ کے لئے ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مچھر مہلک جانور ہے اس کے کاٹنے سے انسان کے جسم میں ڈینگو بخار، ملیریا اور ٹائی فائڈ جیسی بہت ساری مہلک بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں اور ان بیماریوں کے سبب انسان کا بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن مچھروں کو بھگانے اور مارنے کے اور بہت سارے طریقے موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے اس طریقہ کار کو اپنانا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہونا چاہئے۔

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۳/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

۲۵ سوالات کے تفصیلی جوابات

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں:

(۱): اہلسنّت و جماعت کسے کہتے ہیں؟

(۲): سنّی کی پہچان کیا ہے؟

(۳): محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اللہ کے ولی ہیں لگ بھگ سبھی مسلمان آپ سے محبت کرتے ہیں مگر آپ کے طریقے پر چلنے والوں کو ''وہابی'' کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہی لوگ آپ کے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

(۴) کتابوں میں پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے کہ چاروں امام (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) حق پر ہیں ان میں سے کسی ایک امام کی پیروی کرنا واجب ہے مگر ان کے ماننے والوں میں شدید اختلاف کیوں؟

(۵) محفل میلاد کا انعقاد کرنا کیسا؟

(۶) نماز سے فارغ ہونے کے بعد، محفل میلاد اور قرآن خوانی کے بعد ایک طرف ترچھا ہو کر کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا کیسا؟

(۷) بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنا کیسا ہے۔؟

(۸) احباب و عام مسلمین کو کھانا کھلانا نیاز یا فاتحہ کے طور پر کیسا ہے۔

(۹) کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانا۔ کہاں سے ثابت ہے۔

(۱۰) شب برأت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) اذان وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا؟

(۱۲) فرض نماز کی اذان کے بعد صلاۃ پڑھنا کیسا؟

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے اندر سنت ہے یا دروازے پر اور مسجد کے اندر اذان پڑھنا کیسا؟

(۱۴) تکبیر بیٹھ کر سننا چاہئے یا کھڑے ہو کر؟

(۱۵) وتر کی نماز فرض، واجب، سنت کیا ہے اس کی قضا پڑھی جانی چاہئے یا نہیں؟

(۱۶) نماز پڑھنے کے لئے جب کھڑے ہوں تو اپنے اور دوسرے مقتدی کے پاؤں کے درمیان کیا چار انگلیوں کا فاصلہ

رکھا جائے گا؟

(١٧) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منھ پھیر لینا اور دعا مانگنا کیسا؟

(١٨) فجر کی نماز کے بعد پابندی کے ساتھ مصافحہ کرنا کیسا؟

(١٩) داڑھی منڈانا کیسا ہے اور داڑھی منڈے کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں

(٢٠) شریعت میں داڑھی کی مقدار کیا ہے؟

(٢١) مونچھیں بالکل صاف کر دینا کیسا ہے؟

(٢٢) قربانی کا گوشت غیر مسلم دوستوں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(٢٣) مرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(٢٤) قبر کے اندر عہد نامہ رکھنا کیسا؟

(٢٥) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر اذان پڑھنا کیسا؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد مقبول انصاری
کوارٹر نمبر ٦٩٦، پنت نگر ضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے ترتیب وار جوابات تحریر کیے جارہے ہیں:

(١) اہلسنّت و جماعت کی تعریف

جولوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اصحاب کے طریقہ پر ہیں اصطلاح شرع میں انہیں اہلِ سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔

ملاعلی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اھل السنة والجماعة وھم الذین طریقتھم کطریقة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنھم ۔ [کتاب المناقب باب ثواب ھذہ الامة ج ١١ ص ٤١١]

اہل سنت وہ ہیں کہ ان کا طریقہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کی طرح ہے۔

(۲) سنّی کی پہچان

موجودہ دور میں سنّی کی پہچان یہ ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے قرآن وحدیث اور صحابہ ودیگر اسلاف سے جو عقائد ثابت ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کو جھوٹ وغیرہ عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ونظیر کو محال ماننا نبی کو علوم غیبیہ کا عالم ماننا، حاضر وناظر تسلیم کرنا اللہ کے حکم سے مختار کونین جاننا، اور وہ شعائر جو قرآن وحدیث یا صحابہ واسلاف سے ثابت ہوں جیسے متبرک مقامات واوقات کا احترام، جشن عید میلا دالنبی ومجلس میلا د نبی اور اولیاء کرام کا اعراس کا انعقاد اور نیاز وفاتحہ کرنے اور بہت سے شعائر جو اسلاف سے اب تک چلے آرہے ہیں ان کو جائز اور باعث برکت سمجھنا، مزید یہ کہ علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ کفایت اللہ کافی، حضور اعلیٰ حضرت، حضور صدر الافاضل وغیرہم علمائے اہلسنّت کے عقائد ونظریات وتعلیمات کو ماننے موجودہ دور میں اسی کو سنّی کہتے ہیں۔ اور یہی سنی ہونے کی پہچان ہے۔

(۳) وہابی غوث پاک کے طریقہ پر نہیں

یہ بات سراسر غلط ہے کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ وہابی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد ونظریات کی تقلید کرتے ہیں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی جس کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''یہ ناپاک ترکہ اسی بے باک اخبث امام اول دین مستحدث یعنی ابن عبدالوہاب نجدی علیہ ماعلیہ کا ہے کہ اپنے موافقان ناخردمند نفرے چند بے قیدوبند آزادی پسند کے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتا اور خود اپنے باپ دادا اساتذہ مشائخ کو بھی صراحۃ کافر کہہ کر پوری سعادت مندی ظاہر کرتا..... اگرچہ بظاہر ادعائے حنبلیت رکھتا مگر مذاہب ائمہ کو مطلقاً باطل جانتا اور سب پر طعن کرتا اور اپنے اتباع ہر کندہ ناتراشیدہ کو مجتہد بننے کا حکم دیتا۔''

اعلیٰ حضرت ابن عبدالوہاب نجدی سے متعلق مزید فتاوی شامی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

کما وقع فی زماننافی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلة لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وأن من خالف اعتقادھم مشرکون، واستباحوا بذلک قتل اھل السنة وقتل علمائھم حتی کسر اللہ تعالیٰ شوکتھم وخرب بلادھم وظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین وألف۔

یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروان محمد بن عبدالوہاب نجدی سے واقع ہوا جنہوں نے نجد سے خروج کرکے حرمین محترمین پر تغلب کیا اور وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ

مسلمان بس وہی ہیں اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ سب مشرک ہیں اس وجہ سے انہوں نے اہلسنّت کا قتل اوران کے علماء کا شہید کرنا مباح ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اوران کے شہر ویران کیے اور لشکر مسلمین کو ان پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔

[النیر الشهابی علی تدلیس الوهابی، ص ۶، ۷]

اور دیوبندی مولوی حسین احمد مدنی اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں لکھتے ہیں

''محمد بن عبد الوہاب نجدی .....خیالات باطلہ اورعقائد فاسدہ رکھتا تھا... الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خونخوار فاسق شخص تھا الخ'' [الشہاب الثاقب ص ۵۴]

اور مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔''

[فتاوی رشیدیہ ۲۴۱، ۲۴۲]

الحاصل: وہابی محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متبعین کو کہا جاتا ہے نا کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کو۔

رہا یہ کہنا کہ وہ غوث پاک کے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں تو ایسا بھی نہیں ہے غوث پاک تو مسلکاً حنبلی تھے یعنی مسائل میں امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے اوران وہابیوں کے نزدیک تو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید جائز نہیں یہی نہیں بلکہ ان کی تقلید کرنے والا ان کے نزدیک کافر ومشرک ہے۔ تو بھلا وہ غوث پاک کے طریقہ پر کہاں ہوئے ان کا طریقہ تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا طریقہ ہے۔ یہ الگ بات کہ ظاہراً ان کی نماز کا طریقہ تھوڑا بہت حنبلی مسلک سے ملتا جلتا ہے لیکن یہ حنبلی نہیں ہیں۔

(۴) مقلدین کا آپس میں کوئی ذاتی اختلاف نہیں

ائمہ اربعہ کے مقلدین وپیروکار حضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں البتہ مسائل میں ضرور اختلاف ہے اور وہ بھی فروعی مسائل میں نا کہ مسائل عقائد میں اور مسائل میں اختلاف تو صحابہ کے درمیان بھی رہا ہے یہ کوئی معیوب بات نہیں۔

(۵) محفل میلاد کا انعقاد باعث برکت ہے

جائز ومستحسن اور باعث برکت ہے۔ حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حضور نعمة الله ہیں قرآن عظیم نے ان کا نام نعمة الله رکھا۔ ان الذین بدلوا نعمة الله کفرا کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نعمة الله محمد ہیں۔ ولہٰذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ امتثال (بمطابق) امر الٰہی ہے۔ قال تعالیٰ واما بنعمة ربك فحدث اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔ حضور کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے ......رب کی نعمتوں

کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے.... مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کو حضور اقدس کی تشریف آوری وفضائل جلیہ کمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے"

[المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ]

منکرین مجلس میلاد کے مسلّم پیشوا حضرت علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی محدث لکھنوی کے فتاوی پر مشتمل کتاب جو مکتبہ تھانوی دیوبند سے چھپی ہے اور جس پر مدرسہ دیوبند کے ایک مدرس عالم کا مقدمہ بھی موجود ہے۔اس میں علامہ عبدالحی نے مجلس میلاد پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور اس کے مستحب و مستحسن باعث برکت ہونے کا حکم فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

"سرورانبیاء کی ولادت کا ذکر جو لاکھوں برکتوں اور مسرتوں کا سبب ہے وہ بغیر کسی وقت کی خصوصیت کے ہر مسلم کے رگ وریشہ میں جاگزین ہے"

آگے فرماتے ہیں:

"اور لوگوں کا خود بخود جمع ہو کر مجلس ومحفل کی صورت اختیار کر لینا بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو یا ایک دوسرے کو دعوت دینا کہ فلاں جگہ مجلس میلاد منعقد ہوگی سب لوگ اس میں شریک ہوں اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس قسم کا ذکر خود صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین تبع تابعین کے دور میں نہیں تھا.... مگر یہ چونکہ نیک کام ہے اور بظاہر سبب گناہ نہیں اور خوشی کے موقع پر اجتماع کی نظیریں شریعت سے ثابت ہیں بلکہ گاہ گاہ حضرت بلال آں حضرت کے مواعظ کا گلی کوچوں اور بازاروں میں اعلان کیا کرتے تھے اس لئے علماء اس کی اجازت دیتے ہیں اور اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔جس کا فاعل مستحق ثواب ہوگا۔......البتہ مہینہ دن تاریخ اور وقت متعین کرنے کی صورت میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جس زمانہ میں بھی یہ عمل مستحب طریقہ پر کیا جائے گا تو باعث ثواب ہوگا حرمین شریفین بصرہ یمن شام اور دوسرے شہروں کے رہنے والے ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشیاں مناتے ہیں مال کثیر خیرات کرتے ہیں۔ذکر ولادت بیان کرنے اور سننے اور مجالس منعقد کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔[فتاوی عبدالحی ص،۹۵،۹۶]

مزید تفصیل کے لئے علماء اہلسنّت کی تصانیف ملاحظہ فرمائیں خصوصاً حضرت علامہ بیدل سہارنپوری علیہ الرحمہ کی کتاب لاجواب" انوارساطعہ در بیان مولود وفاتحہ" اور صدر الافاضل کے استاذ گرامی حضور علامہ محمد گل علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب" ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ" ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) نماز وغیرہ کے بعد کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھنا

جائز اور باعثِ برکت ورحمت ہے۔قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی یأیہاالذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔

بےشک اللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

[ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۲۲، سورہ احزاب]

اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ ایمان والوکو درود اور خوب خوب سلام پڑھنا ہے اب جس کا جس طرح، جہاں، جب دل چاہے درود وسلام پڑھے۔ کسی خاص نوعیت پر سلام پڑھنے کے لئے کسی دلیل خاص کی ضرورت نہیں علاوہ ازیں اس کی ممانعت پر دلیل شرعی نہ ہونا اور مسلمانوں کی اکثریت کا اس پر بنیت حسن عامل ہونا ہی اس کے جائز اور مستحسن ہونے کے لیے کافی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ " اقامة القیامة علی طاعن القیام لنبی تہامة" ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنے کا ثبوت

اموات مسلمین کے لئے صدقہ وخیرات کرنا جائز بلکہ سنت اور باعث ثواب ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن انس قال یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انا نتصدق عن موتانا وندعولھم فھل یصل ذالک الیھم فقال نعم انہ لیصل لیفرحون بہ کما یفرح احدکم بالطبق اذاأھدی الیہ ۔

حضرت انس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اپنے مردوں کی جانب سے صدقہ دیتے ہیں اور اُن کے لئے دعا مانگتے ہیں تو کیا اس کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ثواب پہنچتا ہے اور مردے اس سے خوش ہوتے ہیں، جیسا کہ تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے جب اسے کوئی طبق ہدیہ کیا جاتا ہے)

[حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ۶۲۱، عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، ۵۹۹/۲]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

رجل تصدق عن المیت ودعالہ قالوایجوزذالک ویصل الی المیت لماجاء فی الاخبار ان الحی اذاتصدق عن المیت بعث اللّٰہ تعالی تلک الصدقة الیہ علی طبق من النور ۔

[فتاوی قاضی خان ملحق بفتاوی عالمگیری، فصل فی الصدقة، ۲۸۴/۳]

کسی شخص نے میت کی جانب سے صدقہ دیا اور اُس کے لئے دُعا بھی مانگی تو یہ جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ زندہ اگر میت کی جانب سے صدقہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نور کے طبق اُس کے

پاس بھیجتا ہے۔

نیز عالمگیری میں ہے:

رجل تصدق عن المیت و دعاله یجوز و یصل الی المیت ۔

یعنی اگر کوئی شخص میت کی جانب سے صدقہ دے اور اُس کے لئے دُعا مانگے، جائز ہے اور میت کو پہنچتا ہے۔

[فتاوٰی عالمگیری،۴/۴۰۸]

(۸) مسلمانوں کو کھانا کھلانا موجب ثواب ہے

مسلمانوں کو کھانا کھلانا موجب ثواب اور باعث برکت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم تعرف

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کونسا کام بہتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس کو جسے پہچانو اور جسے نہ پہچانو۔

[صحیح بخاری، ۱/۶، باب اطعام الطعام من الاسلام]

اور نیاز و فاتحہ میں چونکہ قرآن شریف وغیرہ کی تلاوت ہوتی ہے اس لئے عامل دو اجر کا مستحق ہے ایک قرآن کی تلاوت اور دوسرا کھانا کھلانا۔ البتہ اہل میت کا تقریب کے طور پر دعوت کر کے لوگوں کو کھلانا شرعاً منع ہے۔

(۹) کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانے کا ثبوت

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور اسے بانٹنا بخاری شریف کی حدیث پاک سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے نکاح فرمایا تو ام سلیم نے بطور ہدیہ کھجور، گھی اور پنیر کا حلوہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا حضرت انس جب وہ حلوہ لے کر سرکار کی بارگاہ میں حاضر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب لوگوں کو بلالاؤ جب سب آگئے تو حضرت انس فرماتے ہیں:

فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یدیه علی تلك الحیسة وتکلم بها ماشاء اللہ ثم جعل یدعو عشرة عشرة یاکلون منه ویقول لهم اذکروا اسم اللہ ولیأکل کل رجل ممایلیه ۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کھانے پر اپنا دست اقدس رکھا اور جو اللہ کو منظور تھا آپ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا پھر آپ نے دس دس آدمیوں کو کھانے کے لئے بلایا اور ان سے فرمایا کہ اللہ کا نام

لے کر اپنے سامنے سے کھاؤ۔[بخاری،۲/۷۷۶، کتاب النکاح،باب الھدیة للعروس]
مذکورہ بالا حدیث سے کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا بھی اور اس کا بانٹنا بھی ثابت ہو گیا۔

(۱۰) شب براءت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانے کا حکم

شب براءت میں حلوہ پکانا اور موم بتی جلانا بلا شبہ جائز ہے۔البتہ آتش بازی ضرور ناجائز و حرام ہے۔
حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
"حلوہ وغیرہ پکانا فقراء پر تقسیم کرنا احباب کو بھیجنا جائز ہے اللہ کے فضل و نعمت پر خوشی کرنے کا قرآن مجید میں حکم ہے جائز خوشی ناجائز نہیں آتش بازی اسراف و گناہ ہے۔"[فتاوی رضویہ جدید،۲۳/۷۴۴]
حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ شب برأت میں حلوہ بنانے کے جواز پر تفسیر مدارک سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"تفسیر مدارک میں ہے
وعن عمر بن عبدالعزیز انه کان یشتری اعدال السکر ویتصدق بهافقیل له لماتتصدق بثمنهاقال لان السکر احب الی فاردت ان انفق مما احب ۔
حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ فرمایا کرتے تھے ان سے کہا گیا کہ آپ اس کی قیمت کیوں صدقہ نہیں کر دیتے؟ فرمایا: شکر مجھے پسند ہے تو میں چاہتا ہوں کہ وہی چیز خرچ کروں جو مجھے پسند ہے۔
ثابت ہوا شے مرغوب و محبوب کا خرچ کرنا اس آیت کی تعمیل ہے۔حلوہ مسلمانوں کو مرغوب و محبوب ہے اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں تو اس آیت کے مصداق ہیں "اور اللہ سے اجر پائیں گے۔"[فتاوی صدر الافاضل،۲۳۵]
علامہ عبدالحی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:
"اس بارہ میں کوئی نص اثبات یا نفی کی صورت میں وارد نہیں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازم ہوگی ورنہ کوئی حرج نہیں اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے تمام مباحات، مندوبات اور بدعات میں۔"[فتاوی عبدالحی مترجم،۱۰۱]
اور مخصوص اوقات میں روشنی سے متعلق حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
تزئین مذکور شرعاً جائزاست قال تعالیٰ قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ همچناں روشنی

بقدر حاجت ومصلحت نیز۔

مذکورہ زیب وزینت شرعاً جائز ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرمادیجئے کہ اس زینت وزیبائش کو کس نے حرام ٹھہرادیا ہے جو اس نے بندوں کے لیے ظاہر فرمائی ہے اسی طرح ضرورت ومصلحت کے مطابق روشنی کرنا بھی جائز ہے۔) [فتاوی رضویہ جدید،۲۳/ ۲۵۸]

(۱۱)اذان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے والا کبھی اندھا نہیں ہوگا

یہ امر مستحسن ومستحب ہے۔نام گرامی سن کر انگوٹھیں چومنے والا نہ کبھی اندھا ہوگا نہ ہی اس کی آنکھوں میں کوئی بیماری ہوگی۔

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھدان محمدرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمدبن عبداللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھماعلی عینیہ لم یرمدابدا ۔

جوشخص مؤذن سے اشھدان محمد رسول اللّٰہ سن کر ”مرحبابحبیبی وقرۃ عینی محمدبن عبداللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم“ پھر دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

[المقاصدالحسنہ، ص ۳۸۴]

انگوٹھا چومنے سے انکار کرنے والوں کے مسلم پیشوا ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

”اس تقبیل کو بعض کتب فقہ میں مستحب لکھا ہے“[فتاوی عبدالحی ،مترجم،۱۰۰]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ منیفہ ”منیر العین فی تقبیل الابھامین ،اور”نھج السلامۃ فی حکم تقبیل الابھامین فی الاقامۃ“ کامطالعہ کریں۔

(۱۲)اذان کے بعد صلاۃ پڑھنے کا شرعی ثبوت

اذان کے بعد جو صلاۃ پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح شرع میں ”تھویب“ کہتے ہیں۔جمہور علماء کے نزدیک صلاۃ پڑھنا جائز بلکہ مستحسن اور موجب ثواب فعل ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

''اسے فقہ میں تثویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاع مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے۔[فتاوی رضویہ جدید ۵/۳۶۱]

فقہ کی مشہور و معروف کتاب مستطاب فتاوی ہندیہ میں ہے:

التثویب حسن عند المتأخرین فی کل صلاۃ الافی المغرب ٥٥٥٥٥٥ وھو رجوع المؤذن الیٰ الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ۔

صلاۃ پکارنا علماء متأخرین کے نزدیک سوائے مغرب کے ہر نماز میں اچھا ہے۔ اور تثویب مؤذن کا اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے لئے دوبارہ اعلان کرنے کا نام ہے اور کل شہر کی تثویب وہ ہے جس سے لوگ متعارف ہوں۔ [ج، ا ص ۵۶ الباب الثانی فی الاذان] وھکذا فی اکثر کتب الفقہ۔

علاوہ ازیں دیوبندی مکتبہ فکر کی مسلمہ شخصیت علامہ عبدالحی لکھنوی کی کتاب معین المفتی والسائل میں بھی تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

التثویب بعد الاذان احدثه علماء الکوفه ولم یر ابویوسف به بأساً لمن یشغل لمهمات الامور کالامیر والقاضی واستحسنه المتأخرون فی جمیع الصلوات کذافی الکفایة۔

اس عربی عبارت کا ترجمہ دیوبندی مفتی عتیق مظاہری استاد حدیث دارالعلوم جامع الہدیٰ گل شہید مرادآباد نے اس طرح کیا ہے

اذان کے بعد تثویب کو علماء کوفہ نے ایجاد کیا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی حرج نہیں ہے جو اہم امور میں مشغول ہیں جیسا کہ امیر اور قاضی اور متاخرین نے اس کو تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ کفایہ میں ہے۔

[معین المفتی والسائل، ص ۱۷۱]

تثویب (صلاۃ) کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو حضور اعلیٰ حضرت کے فتاوی رضویہ اور آپ کے شہزادے حضور مفتی اعظم ہند کی کتاب ''القول العجیب فی جواز التثویب'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے

خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے:

قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد ۔[سنن ابوداود، کتاب الصلاۃ باب النداء یوم الجمعة، ص ۱۵۵]

علامہ ابن رجب شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وقد خرج ابو داؤد هٰذا الحديث من طريق ابي اسحاق○○○○ففي هٰذه الرواية زيادة ان هٰذا الاذان لم يكن في نفس المسجد بل على بابه بحيث يسمعه من كان في المسجد ومن كان في الخارج ليترك اهل الاسواق البيع ويسرعوا الى السعي الى المسجد .

(ابوداؤد نے ابواسحاق کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کی .... تو اس روایت میں یہ زیادہ ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے دروازے پر ہوتی تھی تاکہ جو لوگ مسجد میں ہیں اور جو خارج مسجد ہیں اذان سنیں بازار والے خرید و فروخت چھوڑ کر جلد مسجد میں آنے لگیں۔]

[فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن رجب الحنبلی، کتاب الصلاۃ باب الاذان یوم الجمعۃ، ۲۰۴/۶]

اور اندرونِ مسجد اذانِ خطبہ بلکہ ہر اذان ممنوع و مکروہ خلاف سنت ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وينبغي ان يؤذن على المأذنة اوخارج المسجد ولا يؤذن في المسجد كذافي فتاوى قاضي خان .

اذان مئذنہ یا خارج مسجد دینا چاہیے مسجد میں اذان نہیں دینا چاہئے ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے)

[الباب الثاني في الاذان، ۱/۵۵]

حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ويكره ان يؤذن في المسجد كمافي القهستاني .

مسجد میں اذان مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔ [باب الاذان، ص۱۹۷]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''فتاویٰ امام اجل قاضی خاں و فتاوی خلاصہ و بحرالرائق شرح کنزالدقائق و شرح نقایہ للعلامۃ عبدالعلی البرجندی و فتاوی عالمگیریہ و حاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح و فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہا میں اس کی منع و کراہت کی تصریح فرمائی الخ'' [فتاوی رضویہ جدید، ۳۶۳/۶]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ'' **اوفى اللمعة في اذان يوم الجمعة** ''اور'' **شمائم العنبر في النداء بازاء المنبر** ''ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۴) تکبیر بیٹھ کر ہی سننا چاہیے

تکبیر بیٹھ کر سننا چاہیے کہ سنت ہے، کھڑے ہو کر سننا مکروہ وممنوع خلاف سنت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اذااقیمت الصلاۃ فلاتقوموا حتی ترونی ۔

جب نماز قائم ہو تو جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے مت ہو۔

[صحیح البخاری، باب متی یقوم الناس، ۱/۸۸]

ملاعلی قاری اس حدیث شریف کی شرح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولعله عليه السلام كان يخرج من الحجرة بعدشروع المؤذن في الاقامة ويدخل في محراب المسجدعندقوله حي على الصلاة ولذاقال ائمتناويقوم الامام والقوم عندحي على الصلاة

غالباً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے موذن کے اقامت شروع کر دینے کے بعد نکلتے تھے اور موذن کے قول حی علی الصلاۃ کے وقت مسجد کی محراب میں داخل ہوتے تھے اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ امام اور قوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب الاذان، ۲/۳۱۸]

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

عن ابی حنیفة یقومون اذاقال حی علی الفلاح ۔

ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔

[فتح الباری لابن حجر، باب متی یقوم الناس، ۲/۱۵۰]

تحفۃ الملوک لزین الدین الرازی الحنفی میں ہے:

السنة قیام الامام والقوم عند قول المؤذن حی علی الفلاح ۔

امام اور قوم کا موذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا سنت ہے۔ [جلد ۱ ص ۶۸، باب موضع تکبیر الامام]

امام کاسانی فرماتے ہیں:

ان المؤذن اذاقال حی علی الفلاح فان کان الامام معهم فی المسجدیستحب للقوم ان یقوموافی الصف

مؤذن جب حی علی الفلاح کہے تو اگر امام مقتدیوں کے ساتھ ہو مسجد میں تو قوم کے لئے صف میں کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔ [بدائع الصنائع]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

اذاقال المؤذن فی الاقامة حی علی الصلاة قام الامام والجماعة عندعلمائناالثلاثة للاجابة 0000وفی الوقایةو یقوم الامام والقوم عندحی علی الصلاة .

جب مؤذن اقامت میں حی علی الصلاۃ کہے تو امام اور جماعت ہمارے تینوں علما کے نزدیک جواب دینے کے لئے.....اور وقایہ میں ہے کہ امام اور قوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہو جائیں۔ [۲۱۱/۱]

محیط برہانی میں ہے:

یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثةرحمهم الله .

ہمارے تینوں علما کے نزدیک امام اور قوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

[آداب الصلاة،۲/۱۶]

کتاب المبسوط للشیبانی میں ہے:

اذا کان الامام معهم فی المسجدفانی احب الیهم ان یقوموافی الصف اذاقال المؤذن حی علی الفلاح .

جب امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مجھے محبوب ہے کہ وہ مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت صف میں کھڑے ہو جائیں۔

[باب افتتاح الصلاة، ج ۱/ص ۶]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذادخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظارقائماولکن یقعده ثم یقوم اذابلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح 000000 کان القوم مع الامام فی المسجدفانه یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عندعلمائناالثلاثة وهو الصحیح .

جب کوئی شخص داخل ہوا قامت کے وقت تو اس کو کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو.....اور اگر قوم امام کے ساتھ ہو مسجد میں ہو تو ہمارے تینوں علما کے نزدیک امام اور قوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

[۱/۵۷،الفصل فی کلمات الاذان والاقامة]

ردالمحتار میں ہے:

یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح

کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بیٹھ جائے پھر جب مؤذن **حی علی الفلاح** پر پہنچے تو کھڑا ہو۔

[باب الاذان، ۲/۱۷]

علاوہ ازیں کتابوں میں کہیں حی علی الصلاۃ اور کہیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے متعلق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں

اقول ولا تعارض عندی بین قول الوقایة واتباعها یقومون عند حی علی الصلاة والمحیط والمضمرات ومن معهما عند حی علی الفلاح فانا اذا حملنا الاول علی الانتهاء والآخر علی الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاة ویأتی علی الفلاح ۔

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک صاحب وقایہ اور ان کے متبعین کا حی علی الصلاۃ پر قیام کے قول اور صاحب محیط ومضمرات اوران کے متبعین کا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے قول میں کوئی تعارض نہیں ہم پہلے کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کرلیں تو دونوں قول متحد ہو جائیں گے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ پوری کرلے اور حی علی الفلاح شروع کرے تو سب کھڑے ہوں۔ [۵/۳۸۰]

(۱۵) وتر کی نماز واجب ہے اور اس کی قضا بھی واجب

مجمع الزوائد للہیثمی میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال الوتر واجب علی کل مسلم ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔

[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۲/۲۸۳، رقم ۳۴۴۰]

فتاویٰ کی مشہور ومعتبر کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

عن ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه فی الوتر ثلاث روایات فی روایة فریضة وفی روایة سنة مؤکدة وفی روایة واجب وهی آخر أقواله وهو الصحیح کذافی محیط السرخسی

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وتر سے متعلق تین روایتیں ہیں ایک روایت میں فرض دوسری میں سنت مؤکدہ اور تیسری میں واجب آخری قول صحیح ہے (یعنی وجوب کا) ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔

[باب صلاۃ الوتر ۱/۱۱۰]

نماز وتر اگر وقت پر ادانہ ہوئی تو اس کی قضا واجب ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذااصبح احدکم ولم یوتر فلیوتر .

اور حضرت ابوسعید خدری سے مروی حدیث کچھ اس طرح ہے:

عن ابی سعیدالخدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن وترہ اونسیہ فلیصلہ اذااصبح او ذکرہ .

ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں:

وفی کل ذالك دلالة علی قضاء الوتر .

[معرفة السنن والآثار للبیھقی باب وقت الوتر ،رقم ،۱۴۲۱]

ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

مذھب ابی حیفة انه یجب قضاء الوتر .

ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ وتر کی قضاء واجب ہے۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،باب الوتر:۳/۳۰۱]

امام کاسانی فرماتے ہیں:

لزمه قضاء الوتر کمایلزمه قضاء العشاء . [بدائع الصنائع]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویجب القضاء بترکه ناسیااوعامداوان طالت المدۃ .[باب صلاۃ الوتر ،۱/۱۱۱]

(۱۶) نماز میں دوسرے مقتدی سے مل کر کھڑے ہونا چاہیے

حالت نماز میں ہر مقتدی کو دوسرے مقتدی کے کاندھے سے کاندھا اور قدم سے قدم ملانا چاہیے اور چار انگلیوں کا فاصلہ رکھنا ثابت نہیں،احادیث رسول وآثار صحابہ اور اقوالِ فقہاء سے یہی ثابت ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

قال النعمان بن بشیر رأیت الرجل منایلزق کعبه بکعب صاحبه

نعمان بن بشیر نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنے ٹخنوں کو اپنے ساتھی کے ٹخنوں سے ملائے ہوئے ہے۔

[۱/۱۰۰ باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف]

مزید بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن انس عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو برابر کرو میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم سبھی لوگ اپنے کاندھے اور ٹخنے اپنے برابر والے کے کاندھے اور ٹخنوں سے ملا دیتے تھا۔(مرجع سابق)

بخاری کی اوّل الذکر عبارت کی شرح فرماتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں:

"الزاق منکب بمنکب وکعب بکعب" کے معنی یہ مراد لئے ہیں کہ خوب مل کر کھڑے ہوں اور یہ اتصال صفوف میں مبالغہ پر محمول ہے انسان کے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ مونڈھوں سے مونڈھے اچھی طرح ملانے کے بعد بھی ٹخنوں سے ٹخنے ملانے میں کافی تکلف ومشقت اُٹھانی پڑے گی.... بالکل چپکنا مراد نہیں ہوتا ہے....تو اب "الزاق کعب بکعب" کا مطلب ہوا کہ ایک کے ٹخنے دوسرے سے اتنے قریب ہوتے جو نمازی کے حال کے مناسب ہے۔" [نزهة القاری شرح بخاری ۳/۱۸۳]

امام علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں:

روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه قال فی تسویة الصفوف ألصقوا الکعاب بالکعاب والمناکب بالمناکب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے آپ نے صفوں کو سیدھا کرنے کے سلسلے میں فرمایا ٹخنوں سے ٹخنے ملاؤ اور مونڈھوں سے مونڈھے ملاؤ۔

[تحفة الفقهاء، ۱/۱۱۱] وهکذا فی بدائع الصنائع ایضاً۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ورد کان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه۔

وارد ہوا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے اور قدم کو دوسرے کے مونڈھے اور قدم سے ملاتا تھا۔

[ص، ۲۰۶، کتاب الصلاۃ]

حبیب الفتاویٰ میں ردالمحتار کے حوالہ سے ہے:

ومعنی المحاذاة بالقدم المحاذاة بعقبه

قدم سے قدم ملانے کا مطلب ایڑی سے ایڑی کو ملانا ہے۔ [ص ۳۶۰]

مذکورہ بالاتحریر کا ماحصل یہ ہے کہ شرع میں ہر ایک مقتدی کا اپنے برابر والے مقتدی سے بغیر مشقت اس طرح مل کر کھڑا ہونا کہ دونوں کے بیچ خلا نہ رہے ضروری ہے قدم سے قدم چپکانا ضروری نہیں چار اُنگل کا فاصلہ رکھنا بھی مشروع نہیں ہے۔

(۱۷) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منھ پھیر لینا سنت ہے

بعد نماز قبلہ سے منھ پھیر لینا اور دعا کرنا دونوں باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے

عن البراء قال كنااذاصلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببناان نكون عن يمينه يقبل عليناىو جهه قال فسمعته يقول رب قنى عذابك يوم تبعث اوتجمع عبادك .

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے طرف کھڑے ہونا زیادہ پسند کرتے کیونکہ آپ (بعد نماز) ہماری طرف متوجہ ہوتے اور حضرت براء کہتے ہیں کہ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا وہ کہہ رہے تھے اے رب مجھے اس دن کے عذاب سے محفوظ رکھ جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا اور جمع فرمائے گا۔

[۱/۲۴۷ باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال]

اس حدیث سے صاف ظاہر کہ نماز کے بعد نبی علیہ السلام قبلہ سے انحراف فرماتے اور دعا فرماتے۔ اسی کتاب مستطاب کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے

عن عبدالله لايجعلن احدكم للشيطان من نفسه جزءاً لايرىٰ الا ان حقاً عليه ان لاينصرف الاعن يمينه اكثرمارأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينصرف عن شماله .

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی طرف سے شیطان کے لیے کوئی حصہ مقرر نہ کرے ضروری ہے اس کے لئے کہ وہ داہنی طرف پھر جائے اور بسا اوقات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف بھی پھرتے دیکھا ہے۔ [مرجع سابق]

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے بعد دائیں بائیں دونوں طرف پھرنا ثابت ہے۔ مزید امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابى الاوبر الحارثى قال سمعت اباهريرة يقول كان النبى صلى الله عليه وسلم ينحرف من صلاته عن يمينه وعن شماله .

حضرت حارثی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم اپنی نماز سے (فراغت کے بعد) دائیں اور بائیں پھرتے تھے۔ [معرفة السنن والاثار للبيهقي الباب الانصراف المصلی]

ہم ان ہی احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اس موضوع پر اور بھی احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جن سے صاف ظاہر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں یا بائیں یا سامنے متوجہ ہوتے اور پھر دعا فرماتے تھے۔

(۱۸) نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا جواز

مصافحہ مطلق سنت مستحبہ ہے چاہے کسی وقت ہو۔ ہاں خاص فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کی عادت مسنون نہیں البتہ نفس مصافحہ کے سبب سنت کا ثواب عامل ضرور پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام وفقہاء عظام نے فجر اور عصر ہی نہیں بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کے جواز بلکہ اس کے مسنون ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ کہ اس میں نفس مصافحہ ملحوظ وموجود ہے۔

علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ بخاری شریف کی شرح ''فتح الباری'' میں امام نووی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

قال النووی ''واما تخصيص المصافحة بمابعد صلاتي الصبح والعصر فقدمثل ابن عبدالسلام في ''القواعد'' البدعة المباحة منها قال النووی واصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليهافي بعض الاحوال لا يخرج ذالك عن اصل السنة .

[فتح الباری ، كتاب الاستئذان باب المصافحة]

امام نووی نے فرمایا صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کی تخصیص کو ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب قواعد میں ''بدعت مباحہ'' بتایا ہے اسی لئے امام نووی نے فرمایا کہ مصافحہ کی اصل سنت ہے اور لوگوں کا بعض حالتوں میں اس کی محافظت کرنا (یعنی پابندی کرنا) اسے اصل سنت سے نہیں نکال دے گا۔

صاحب ردالمحتار امام نووی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال الشيخ ابو الحسن البكرى ''وتقييده بمابعدالصبح والعصر على عادة كانت في زمنه والافعقب الصلوات كلهاكذالك كذافي رسالة الشرنبلالي في المصافحة ونقل مثله عن الشمس الحانوتي .

شیخ ابوالحسن بکری نے فرمایا: امام نووی نے مصافحہ کو صبح اور عصر کے بعد کی قید کے ساتھ اس لئے بیان کیا کہ ان کے زمانے میں یہی معمول تھا ورنہ مصافحہ تو تمام نمازوں کے بعد ایسا ہی ہے (یعنی سنت ہے) ایسا ہی شرنبلالی کے رسالہ میں جو مصافحہ کے بیان میں ہے اور ایسا ہی شمس حانوتی سے منقول ہے۔

[ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء ۹/۵۴۷]

نیز درمختار میں عصر کے بعد مصافحہ کو "بدعت مباحہ حسنہ" قرار دیا ہے [مرجع سابق]
علامہ طحطاوی بھی ہر نماز کے بعد مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

المصافحة فهي سنة عقب الصلاة كلهاو عند كل لقي

مصافحہ تمام نمازوں کے بعد اور ملاقات کے وقت سنت ہے۔

[حاشیه مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، ۵۳۰

امام نووی شارح جامع صغیر نے بدعت کی پانچ قسمیں فرماتے ہوئے فجر وعصر کے بعد مصافحہ کو "بدعت مباحہ" قرار دیا ہے لکھتے ہیں

البدعة خمسة انواع ooo مباحة كالمصافحة عقب صبح وعصر .

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (چوتھی) مباحہ جیسے صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا۔

[فیض القدیر شرح جامع صغیر، ۱، ۵۶۸

علامہ ابن حجر اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة .

نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز بدعتوں میں سے ہے۔ [فتاوی حدیثیہ، ۱/۱۵۰]

علاوہ ازیں منکرین کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے رسالہ نذور میں بھی فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کو "بدعت حسنہ" (اچھی بدعت) تحریر کیا ہے

همه اوضاع ازقرآن خوانی و فاتحه خوانی وخورانیدن طعام سوائے کندن چاه وامثاله دعاواستغفارواضحیه بدعت است بدعتِ حسنه بالخصوص است مثل معانقه روز عیدومصافحه بعدنماز صبح یاعصر۔

کنواں کھودنے اور دعا واستغفار اور قربانی اور اس کے مثل (جو احادیث سے ثابت ہوں) کے علاوہ قرآن خوانی فاتحہ خوانی کھانے کھلانا سب طریقے بدعت ہیں۔ خاص کر عید کے دن گلے ملنا فجر وعصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعت حسنہ ہیں) [رسالہ نذور بحوالہ فتاوی رضویہ جدید، ۸/۶۱۴]

حاصل کلام: مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا من حیث الاصل سنت اور من حیث الخصوص جائز اور نیک نیتی کے سبب محمود و مستحسن ہے، یعنی مصافحہ چونکہ مطلقاً سنت ہے اس لئے سنت اور خاص اسی وقت چونکہ حدیث سے ثابت نہیں اس لئے جائز کہ اس کے منع پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اور نیک ارادے سے مصافحہ کرنا اچھا اور پسندیدہ ہے۔

(۱۹) داڑھی منڈانا حرام اور اس کے مرتکب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

داڑھی کا مقدار سے کم رکھنا یا بالکل منڈا دینا ناجائز وحرام باعث عذاب شدید ہے اس کا مرتکب فاسق ہے اسے امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث شریف میں ہے:

قال ذکر رسول اللّٰه صلی اللہ علیه وسلم المجوس فقال انهم یؤفرون سبالهم ویحلقون لحاهم فخالفوهم .

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تو تم ان کی مخالفت کرو۔

[السنن الکبری للبیهقی، ۱/۱۵۱]

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عشر خصال عملها قوم لوط بها أهلکوا oooo قص اللحیة .

(قوم لوط دس عادتوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے ان میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔

[فیض القدیر شرح جامع صغیر، ۴/۴۱۱]

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وکان من عادة الفُرس قص اللحیة فنهی الشرع عن ذالك وقد ذکر العلماء فی اللحیة عشر خصال مکروهة بعضها اشد قبحا من بعض احداها ooooo حلقها

فارسیوں کی عادت تھی داڑھی منڈانا شریعت نے اس سے منع فرمایا اور علماء نے داڑھی کے سلسلے میں دس مکروہ عادتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض بعض سے بُری ہیں انہیں میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔[۱/۴۱۴]

علامہ مناوی فرماتے ہیں:

فلایجوز حلقها ولا نتفها ولا قص الکثیر منها کذا فی التنقیح

داڑھی کا مونڈنا اکھیڑنا اور زیادہ تراشنا (کہ حد شرع سے کم ہو جائے) جائز نہیں ہے ایسا ہی تنقیح میں ہے۔

[فیض القدیر شرح جامع صغیر ۱/۲۵۶]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ریش ایک مشت یعنی چار اُنگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۵۸۱]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب''

[مرجع سابق،۶/۶۰۳]

اور حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے .....اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہو اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی کما فی عامۃ المتون والشروح ولفتاوی من کراھۃ امامۃ الفاسق اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے'' [فتاوی صدر الافاضل ۴۲۴]

(۲۰) داڑھی کی شرعی مقدار

داڑھی کی کم سے کم مقدار ایک مشت یعنی چار اُنگل ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت مروان بن سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

رأیت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما یقبض علی لحیتہ فیقطع مازاد علی الکف .

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ داڑھی کو مٹھی میں لیکر ایک مشت سے زائد کو کاٹ دیتے۔ [سنن ابو دائود کتاب الصیام باب القول عندالافطار، ص ۳۲۱]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں علامہ مناوی فرماتے ہیں:

و کان بعض السلف یقبض علی لحیتہ فیأخذ ماتحت القبضۃ .

بعض سلف اپنی داڑھی پکڑ کے مٹھی کے نیچے کی کاٹ دیتے۔ [جلد ۵، صفحہ ۲۵۳ رقم ۶۹۳۳]

ملا علی قاری علیہ الرحمہ امام محمد غزالی کی کتاب مستطاب احیاء العلوم کے حوالے سے شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

ان قبض الرجل علی لحیتہ و أخذ ماتحت القبضۃ فلا بأس بہ و قد فعلہ ابن عمر و جماعۃ من التابعین و استحسنہ الشعبی و ابن سیرین .

آدمی کا اپنی داڑھی کو مٹھی میں لینا اور مٹھی سے زائد کو کاٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے عبداللہ بن عمر اور تابعین کی جماعت نے ایسا ہی کیا اور شعبی و ابن سیرین نے بھی اس کو اچھا جانا۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ۸/۲۸۵، کتاب الباس باب الترجل]

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

و کان ابوھریرۃ یقبض علی لحیتہ فیأخذ مافضل .

حضرت ابو ہریرہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے کر زائد کو کاٹ دیتے۔

[عمدۃ القاری شرح بخاری، ۱۵/ ۹۱،کتاب اللباس باب اعفاء اللحی]

مذکورہ بالا عبارات سے صحابہ اور تابعین کا ایک مشت داڑھی رکھنا ثابت ہے اس سے کم کا کہیں ثبوت نہیں اسی لئے علماء کرام خصوصاً احناف کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است

داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔[اشعۃ اللمعات]

(۲۱) مونچھیں بالکل صاف کر دینا بہتر نہیں

مونچھ سے متعلق حدیث میں "احفوا الشوارب وقصو الشوارب" دونوں الفاظ وارد ہوئے ہیں علامہ ابن حجر ان دونوں سے متعلق فرماتے ہیں:

فان القص یدل علی اخذالبعض والاحفاء یدل علی اخذالکل و کلاھما ثابت فیتخیر فیما شاء

قص سے مراد بعض (بالوں) کا لینا اور احفاء سے کل (بالوں) کا لینا اور یہ دونوں ثابت ہیں تو جسے چاہو اختیار کرو۔[فتح الباری شرح البخاری،۱۶/۴۷۹]

یعنی اگر چاہو تو بالکل صاف کرلو اگر چاہو تو کچھ باقی رکھو۔

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

فقال الطحاوی ذھب قوم من أھل المدینۃ الی ان قص الشارب ھو المختار علی الاحفاء قلت ارادبالقوم ھؤلاء سالما و سعیدبن المسیب وعروۃ بن الزبیر وجعفربن الزبیر وعبیداللّٰہ بن عبداللہ بن عتبۃ وأبابکربن عبدالرحمن بن االحارث فانھم قالوا المستحب ھو ان یختارقص الشارب علی احفائہ والیہ ذھب حمیدبن ھلال والحسن البصری ومحمدبن سیرین وعطاء بن ابی رباح وھومذھب مالک أیضاً وقال عیاض ذھب کثیرمن السلف الیٰ منع الحلق OOOOOO وقال الطحاوی و خالفھم فی ذالک آخرون فقالوا بل یستحب احفاء الشوارب ونراہ افضل من قصھاقلت ارادبقولہ الاخرون جمھورالسلف منھم اھل الکوفۃ و مکحول ومحمدبن عجلان ونافع مولیٰ بن عمروابو حنیفۃ وابویوسف و محمد رحمھم اللّٰہ فانھم قالوا المستحب احفاء الشوارب

وھو افضل من قصھا"

امام طحاوی نے فرمایا: مدینہ والوں میں ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ مونچھ پست کرنا بالکل ختم کرنے سے بہتر ہے میں کہوں گا کہ یہاں "قوم" سے مراد سالم، سعید بن مسیّب، عروۃ بن زبیر، جعفر بن زبیر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مونچھ بالکل ختم کرنے سے پست کرنا مستحب ہے اور اسی طرف حمید بن ھلال، حسن بصری، محمد بن سیرین اور عطاء بن ابی رباح گئے ہیں اور یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے اور حضرت عیاض نے فرمایا کہ بہت سے اسلاف مونچھ منڈانے کی ممانعت کی طرف گئے ہیں ..... اور طحاوی نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ان لوگوں کی بہت سے لوگوں نے مخالفت کی کہا ان لوگوں نے کہ مونچھوں کا بالکل ختم کر دینا مستحب ہے اور وہ مونچھ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے میں کہوں گا کہ ان کے "قوم الاخرون" سے مراد جمہور سلف ہیں ان میں سے اہل کوفہ، مکحول، محمد بن عجلان، نافع مولیٰ بن عمر، ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد ہیں اللہ رحم فرمائے ان سب پر ان لوگوں نے فرمایا کہ مستحب مونچھ بالکل صاف کر دینا ہے اور وہ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

[عمدۃ القاری شرح البخاری، ۱۵/ ۸۸، باب قص الشارب]

نیز امام نووی مونچھ منڈانے سے متعلق فرماتے ہیں:

قص الشارب فسنة ایضاً ٥٥٥٥ واما حدمایقصه فالمختار انه یقص حتی یبدو طرف الشفة ولا یحفقه من اصله واما روایات احفوا الشوارب فمعناها احفوا ماطال علی الشفتین ۔

مونچھ تراشنا بھی سنت ہے اور اس کی حد میں مختار یہ ہے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہونے تک تراشے اور بالکل نہ تراشے اور مونچھ کو تراشنے کی روایتوں کا معنی دونوں ہونٹوں سے جو بال لمبے ہوں انہیں تراشنا ہے۔

[شرح النووی علی المسلم، ۱/ ۴۱۴]

فیض القدیر میں ہے:

حلقه بالکلیة فمکروہ علی الاصح عندالشافعیة و صرح مالك بانه بدعة ۔

مونچھ بالکل منڈانا مذہب صحیح میں مکروہ ہے شوافع کے نزدیک اور امام مالک نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ [ج۱،ص/ ۲۵۵]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ فرماتے ہیں:

لیکن بودن مذہب حنفی افضلیت حلق شارب محل تردداست بآنکه ظاھر از کتب ایشاں

آنست که سنت قص اوست وساختن اومثل حاجب و گفته اند که به ناخذوعلیه الفتوے۔

لیکن مذہب حنفی میں مونچھ منڈانا محل غور ہے علماء احناف کی کتب سے ظاہر یہ ہے کہ مونچھ پست کرنا سنت ہے اور کہا گیا ہے کہ اسی کو لیتے ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔

[شرح سفر السعادۃ ۴۹۴ فصل در قص شارب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم]

فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

قوله"اخذمن شاربه"اشارة الى القص وهوالسنة فى الشارب لاالحلق وذكرالطحاوى فى شرح الآثار" ان السنة فيه الحلق ونسب ذالك الى أبى حنيفة وأبى يوسف و محمد رحمهم الله و الصحيح ان السنة فيه القص لما ذكرناأنه تبع للحية والسنةفى اللحية القص لاالحلق كذافى الشارب .

ان کے قول" اخذمن شاربه" کا اشارہ قص یعنی مونچھ کا پست کرنا ہے نا کہ حلق یعنی منڈانا اور امام طحاوی نے شرح آثار میں مونچھ کا منڈانا سنت بیان کیا ہے اور اسے امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح مونچھ کا پست کرنا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ مونچھ داڑھی کے تابع ہے اور داڑھی کا تراشنا سنت ہے نا کہ منڈانا، ایسا ہی مونچھ میں ہے۔[۲/ ۴۲۲، کتاب الحج]

- حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"لبوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ لبیں پست کرو کہ نہ ہونے کے قریب ہوں البتہ منڈانا نہ چاہیے اس میں علماء کو اختلاف ہے۔"[فتاوی رضویہ جدید،۲۲/۶۰۶]

الحاصل: عباراتِ بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ مونچھ منڈانا سنت نہیں بلکہ مونچھ کا تراشنا یعنی پست کرنا سنت ہے۔

(۲۲) قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں

غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے

الخبيثٰت للخبيثين والخبيثون للخبيثٰت والطيبات للطيبين والطيبون للطيبات"

[فتاوی رضویہ جدید،۲۰/ ۴۵۷]

صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

''یہاں کے کفار کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں'' [فتاوی امجدیہ،۳/۳۱۸]

(۲۳) مرنے کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینے کا حکم

ضرورتاً بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے لیکن شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

فتاویٰ نوازل لسمرقندی میں ہے:

والمرأة تغسل زوجها عند الضرورة لبقاء الزوجية من زوجه وهي العدة والزوج لايغسل زوجته .

عورت اپنے شوہر کو بوقت ضرورت غسل دے سکتی ہے شوہر کی جانب سے نکاح باقی رہنے کی وجہ سے اور وہ عدت ہے اور شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے۔[ص ۱۲۰ :باب غسل ا لميت]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

يجوز للمرأة أن تغسل زوجها اذا لم يحدث بعد موته مايوجب البينونة من تقبيل ابن زوجها أو ابيه وان حدث ذالك بعد موته لم يجز لها غسله و أما هو فلا يغسلها عندنا كذا في السراج الوهاج .

عورت کے لئے اپنے شوہر کو غسل دینا جائز ہے جب کہ نکاح کو ختم کر دینے والی کوئی بات ظاہر نہ ہو جیسے اپنے شوہر کے بیٹے یا باپ کو بوسہ دینا اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو عورت کے لیے شوہر کو غسل دینا جائز نہ ہوگا اور رہی بات شوہر کو تو وہ ہمارے نزدیک بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے ایسا ہی سراجِ وہاج میں ہے۔

[الفتاوی الهندية ، ۱ / ۱۶۰ ،الباب فی الجنائز،الفصل الثانی فی الغسل]

النہر الفائق میں ہے:

لايغسل الرجل امرأته

مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے گا۔[۱/۳۸۴]

درمختار میں ہے:

يمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر

ممنوع ہے شوہر کا بیوی کو غسل دینا اور چھونا البتہ دیکھنا منع نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

المـرأة تغسل زوجها لأن اباحة الغسل مستفادةباالنكاح فتبقى مابقى بالنكاح والنكاح بعد الموت باق الى أن تنقضى العدة ۔

عورت اپنے شوہر کوغسل دے سکتی ہے اس لیے کہ غسل کا جوازِ نکاح سے مستفاد ہے تو جب تک نکاح باقی ہے حکم جواز باقی ہے اور نکاح شوہر کی موت کے بعد عورت کی عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے۔

[الدرالمختارمع ردالمحتار، ۳/۹۰، ۹۱، باب صلاة الجنازة]

البتہ بوقت ضرورت شوہر بیوی کو بجائے غسل کے تیمّم کراسکتا ہے جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے:

الرجل فانه لايغسل زوجته لانقطاع النكاح واذالم توجد امرأة لتغسيلها ييممها

مرد اپنی بیوی کوغسل نہیں دے سکتا نکاح منقطع ہونے کے سبب اور جب بیوی کوغسل دینے کے لئے کوئی عورت موجود نہ ہو تو شوہر بیوی کو تیمم کرائے۔

[مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، کتاب الصلاة، ص، ۵۷۲]

(۲۴) قبر کے اندر عہد نامہ رکھنے سے عذاب قبر دور ہوتا ہے

عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز و مستحسن باعثِ برکت اور موجب نجات ہے۔ فتاویٰ بزازیہ لابن البزاز الکردری میں ہے:

وذكـرالامـام الـصفارلوكتب على جبهة الميت أوعلىٰ عمامته أو كفنه عهدنامه يرجى ان يـغـفـرالله تعالىٰ للميت و يجعله آمنامن عذاب القبرقال نصيرهٰذه رواية فى تجويزوضع عهدنامه مع الميت ۔

امام صفار نے بیان کیا کہ اگر میت کی پیشانی، عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے عذاب قبر سے محفوظ فرمائے گا۔

[فتاوی بزازیه مع الهنديه، کتاب الاستحسان، ۶/ ۳۷۹، ۳۸۰]

فتاویٰ رضویہ میں علامہ امام فقیہ ابن عجیل کے حوالے سے ہے:

''امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا ''اذا كتـب هـٰذا الـدعاءُ وجعل مع الميت فـى قبـره وقـاه الله فتنة القبروعذابه'' (جب اس دعاء کو لکھ کر میت کے ساتھ رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ میت کو فتنۂ قبر اور عذاب قبر سے محفوظ و مامون فرمائے گا) [فتاوی رضویہ جدید، ۹/۱۰۹]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت کا رسالہ منیفہ

'' الحرف الحسن فى الكتابة على الكفن '' ملاحظہ فرمائیں۔

(٢٥) دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا فعل مستحسن ہے

جائز و مستحسن ہے اور حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے۔

علاوہ ازیں اس کے جائز ہونے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں اللہ اور رسول کا ذکر مقدس ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا ذکر جب ہو جہاں ہو فائدہ سے خالی نہیں۔

مزید برآں کہ شرع میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہ ہونا بھی اس کے جواز کے لئے بہت ہے۔ پھر بھی ہم یہاں چند عبارات فقہاء و علماء بیان کرتے ہیں:

فتاوی شامی میں ہے:

قد يسن الأذان لغير الصلاة كما في اذان المولود oooo وعندانزال الميت القبر قياساً على خروجه للدنيا

اذان نماز کے علاوہ بھی چند مقامات پر سنت ہے جیسا کہ بچہ کے کان میں ......اور میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کی پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے۔ [ردالمحتار على درالمختار، باب الاذان، ۲/ ۵۰]

حاشیہ بیجوری میں امام ابن حجر علیہ الرحمہ کے حوالہ سے ہے:

قال ابن حجر ورددته في شرح العباب لكن ان وافق انزاله القبر اذان خفف عنه في السوال۔

ابن حجر نے فرمایا: میں نے شرح عباب میں اذان کے مسنون ہونے کا رد کیا ہے لیکن اگر میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد اذان پڑھی جائے تو سوالات قبر میں آسانی ہوگی۔ [فتاوی نعیمیہ، ۱/ ۴۷]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ جو دیابنہ و اہل حدیث کے نزدیک بھی مسلم ہیں، فرماتے ہیں:

عمل مشائخ است كه اذان برقبر بعددفن مى گويند

(دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا بزرگوں کا معمول ہے) [ملفوظات عزیزی فارسی ص ۸۴]

مزید تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کے رسالہ مبارکہ "ايذان الاجر في اذان القبر" کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں۔

هٰذا ما عندی والعلم عندالله تعالىٰ ورسوله صلى الله عليه وسلم ۔

كتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ: ۱۰ شعبان ۱۴۳۳ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی اوراس سے حاصل شدہ بچہ کا شرعی حکم

کیافرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز وعدم جواز کا شرعی حکم کیا ہے

(۲) کیا شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا سکتے ہیں

(۳) اس سے حاصل شدہ بچہ کے نسب سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

حافظ محمد گلفام رضا
متعلم مدرسہ مرکز اہل سنت دار السلام
محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی مردوعورت کے مادوں کو باہم مخلط کرکے اولاد کی تحصیل کے جدید طریقہ کا نام ہے۔ محققین ومحتاطین علماء نے بحالت مجبوری چند درج ذیل شرائط کے ساتھ اس کی اجازت عطا فرمائی ہے۔

(۲) دونوں مادے میاں بیوی کے ہی ہوں اس لئے کہ اللہ تعالی نے اولاد کے حصول کا ذریعہ میاں بیوی کو ہی بنایا ہے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

یاایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھازوجھاوبث منھما رجالا کثیرا ونساء .

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اوراسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اوران دونوں سے بہت سے مردوعورت پھیلا دیے۔[ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۴، سورہ نساء، آیت ا]

(۳) شوہر کے مادے کو خود بیوی اپنی اندام نہانی میں داخل کرے۔اس کا جواز درج ذیل فقہی جزئیہ سے ثابت ہے:

فی البحرالمحیط اذاعالج الرجل جاریته فیمادون الفرج فانزل فاخذت الجاریة ماء ہ فی شئ فاستدخلته فی فرجھافی حدثان ذلک فعلقت الجاریة وولدت فالولدولدہ والجاریة ام ولدہ .

بحرمحیط میں ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنی باندی سے بیرون شرمگاہ مباشرت کی اسے انزال ہوا باندی نے وہ مادہ منویہ لے کرکسی چیز میں رکھ لیا اوراپنی اندام نہانی میں ڈال لیا حمل ٹھہر گیا بچہ پیدا ہوا تو بچہ اسی

کا ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔[حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، ۲/۲۲۷،باب العدة]

وماقيل لايلزم من ثبوت النسب منه وطؤه لان الحبل قديكون بادخال الماء الفرج بدون جماع مع انه نادر"

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ نسب ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عمل زوجیت کیا ہو بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت بغیر وطی کئے اپنی اندام نہانی میں مرد کا مادہ منویہ داخل کر لیتی اور حاملہ ہو جاتی ہے البتہ یہ صورت شاذ و نادر ہی پیش آتی ہے۔

[البحر الرائق شرح كنزالدقائق، ۴/۲۹۲،باب ثبوت النسب]

(۳) اس مادے کو خود شوہر اپنی بیوی کے اندام نہانی میں داخل کرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورت کو دیکھنا اور چھونا بغیر ضرورت شرعی جائز نہیں ہے۔

(۴) منی نکالنے کے لئے خود اپنے ہاتھ کا استعمال نہ کرے یہ جائز نہیں فقہاء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "ناكح اليدملعون" (جلق کرنے والے پر لعنت ہے)

کے پیش نظر اس عمل کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

وكذاالاستمناء بالكف وان كره تحريمالحديث ناكح اليدملعون ٥٥٥الخ

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والا ملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے۔

[كتاب الصوم، مطلب فی حكم الاستمناء بالكف، ۳/۳۷۱]

(۵) بذریعہ عزل اسے حاصل کرے یا پھر عورت کے ہاتھ سے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ فتاوی شامی میں ہے:

يجوزان يستمنی بيدزوجته او خادمته

اپنی بیوی یا خادمہ کے ہاتھ سے منی نکالنا جائز ہے۔[كتاب الحدود، ۶/۳۹]

(۲) شوہر کے علاوہ اور کسی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا کر رحم میں ڈالنا ناجائز و حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لايحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخران يسقی ماء ه زرع غيره .

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے پانی سے کسی دوسری کھیتی کو سیراب کرے۔[سنن ابوداود، کتاب النکاح، ۱/۲۹۳]

(۳) شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کے مادہ کے ذریعہ بچہ کی پیدائش ہو جائے تو اگرچہ یہ عمل زنا کے مترادف ہونے کے سبب ناجائز و حرام ہے لیکن بچہ زانی کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ شوہر ہی بچہ کا باپ کہلائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

فانه لایلحق به ولا یرث

بچہ زانی سے منسوب نہیں ہوگا اور نہ اس کا وارث ہوگا۔[سنن ابو داود، کتاب الطلاق، ۱/۳۰۸]

بخاری شریف میں ہے:

الولدللفراش وللعاهر الحجر .

بچہ شوہر سے منسوب ہوگا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔[الصحیح البخاری، کتاب الفرائض،۲/۹۹۹،]

هٰذاماعندی والعلم عندالله تعالیٰ .هٰذالفتوی ماخوذمن الکتب الفقهیه المعدوده خصوصًاالکتاب المستطاب بلغة الاردیة ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور شرعی نقطۂ نظر'' لمفتی السیدضیاء الدین شیخ الجامعة النظامیه حیدر آباد)

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخه ۴/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

﴿کسی سنی کو بدمذہب کہنا اور کسی مسلمان پر بہتان باندھنا کیسا؟﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں زید حافظ وقاری حاجی اور اہل سنت پیغام رضا کا مہتمم ہے دیوبندیوں کو سنی بنانے کی غرض سے ان سے بات کرتا ہے ورنہ نہیں۔ کچھ دیوبندی سنی ہو بھی چکے ہیں زید کی سسرال سنی کے یہاں ہے جو کہ ہندوستان کے مشہور سنی عالم ہیں شیدائے اعلیٰ حضرت ہیں۔ زید نے سنیوں کی عیدگاہ کو دیوبندیوں سے واپس لیا۔ ساری مسجدوں میں نماز کے بعد صلاۃ پڑھوانا شروع کرائی۔ ردوہابیت زید کا محبوب مشغلہ ہے۔ کچھ لوگ خود کو سنی کہتے ہیں ان سے کسی بات پر بحث ہوئی تو زید نے کہا تم سے اچھے وہ لوگ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری حقانیت قبول کرتے ہیں ہم کو مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کا موقع دیتے ہیں۔ زید نے مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھ دی تو بکر نے کہا تم نے تکبیر کیوں پڑھی؟ تو زید نے کہا روز آپ پڑھتے ہیں آج میں نے پڑھ دی کیا ہوا؟ بکر نے کہا کہ آپ کے لئے جائز ناجائز سب حلال ہے کیا؟ تو زید نے کہا آپ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے ہیں اور شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے ہم آپ کی بات کو نہیں تسلیم کرتے ہم جائز و ناجائز کی تمیز رکھتے ہیں۔

کیا ان ساری باتوں کی بنیاد پر زید کے سنی ہونے میں کوئی شک ہے؟ جو لوگ زید پر الزام لگاتے ہیں اور اس سے متعلق جھوٹی باتیں گڑھ کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

نیز یہ بھی بتائیں کہ بکر مسجد کی دکان میں کرائے پر رہتا ہے اس سے سارے نمازیوں کو تکلیف ہے وہ آئے دن فساد کرتا رہتا ہے، اور اپنے ماموں کو ماں ، بہن اور بیٹی کی گالیاں بھی دیتا ہے کیا ایسی حالت میں بکر کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا چاہئے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی: الحاج قاری محمد حنیف نوری

سربراہ اعلیٰ دارالعلوم اہل سنت پیغام رضا سرلونظرپور ضلع مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

استفتاء میں درج مضمون اگر سچائی وصداقت پر مبنی ہے تو واقعی زید کے سنی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کی کوشش کرنا،

دیوبندیوں کو سنی بنانے میں کوشاں رہنا اور مراسم اہل سنت کو جاری رکھنے کے لئے جدو جہد کرنا نیز رد وہابیت کو اپنا مشغلہ بنالینا یہ ساری باتیں گواہی دے رہی ہیں کہ زید ایک سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔البتہ زید کا مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھنا از روئے شرع درست نہیں ہے۔فقہ حنفی کے مشہور ومعتبر مجموعۂ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ان اذن رجل واقام آخران غاب الاول جاز من غير كراهة وان كان حاضراويلحقه الوحشة باقامة غيره يكره وان رضى به لايكره عندنا كذافى المحيط"

(اگر کسی شخص نے اذان پڑھی اور دوسرے نے اقامت تو اگر اذان پڑھنے والا آدمی جماعت کے وقت حاضر نہیں تو بغیر کراہت جائز ہے اور اگر حاضر ہے اور اسے دوسرے شخص کے اقامت پڑھنے سے ملال ہے تو مکروہ ہے اور اگر وہ راضی ہے تو ہمارے نزدیک مکروہ نہیں ایسا ہی محیط میں ہے۔)

[فتاوی ہندیہ ۱/۵۴، باب الاذان]

اور جو لوگ زید پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں اور جھوٹی باتیں گڑھ کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں شریعت میں اسے بہتان کہتے ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"وان لم فيه ماتقول فقدبهته"

(جو باتیں تم بیان کرر ہے ہو اگر وہ اس کے اندر نہیں ہیں تو یہ بہتان ہے)[مسلم شریف]

اور بہتان بدترین جرم اور گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا"

(اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا)

[ترجمہ کنزالایمان، سورہ احزاب، آیت ۵۸]

حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"حضرت فضیل نے فرمایا کہ کتے اور سور کو بھی ناحق ایذا دینا حلال نہیں تو مومنین ومومنات کو ایذا دینا کس قدر بدترین جرم ہے" [تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، آیت ۵۸]

لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ زید سے متعلق جھوٹی باتوں کو بیان نہ کریں اور علماء ومفتیان کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر صلح کی سبیل پیدا کریں اہل سنت میں یہ آپسی اختلاف سنیت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل اہل سنت کے مابین اتفاق واتحاد اور محبت پیدا فرمائے۔

اور رہا بکر کا معاملہ تو اگر بکر واقعی نمازیوں کو تنگ کرتا ہے، فتنہ وفساد پیدا کرتا ہے اور اپنے ماموں کو گالیاں دیتا ہے تو وہ فاسق، سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔

قرآن میں ہے

"وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"

(اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے) (ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت ۱۹۱)

بخاری شریف میں ہے:

"سباب المسلم فسوق"

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

ایسے شخص کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے اہل کمیٹی کو چاہئے کہ جو شخص نمازیوں کی تکلیف کا سبب بنتا ہو فتنہ وفساد پیدا کرتا ہو ایسے شخص کو فوراً مسجد کی دکان سے نکال دیں۔

اور منکوحہ غیر کا نکاح پڑھانا حرام ہے۔ قرآن میں ہے:

"وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ"

(اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں) [ترجمہ کنزالایمان، سورہ نساء، آیت ۲۴]

اگر بکر نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا ہے تو بکر سخت گنہگار ہے بکر پر لازم ہے کہ علی الاعلان توبہ کرے۔ اور اس نکاح سے براءت کا اعلان کرے۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

مورخہ ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے اور نماز میں ان کی اقتدا کرنے والے شخص کا حکم شرعی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں کہ زید جو ایک حافظ اور حاجی ہے خود کو اہل سنت سے بتاتا ہے مگر دیو بندیوں سے خوب تعلقات ہیں سسرال بھی دیو بندیوں میں ہے ان کی اقتدا میں نماز بھی ادا کر لیتا ہے اور ان کے یہاں دعوتوں میں بھی شریک ہوتا ہے کچھ دن قبل خود اعلان کیا کہ دیو بندیوں سے بچو اور ان کے کفن دفن نماز جنازہ سے سنیوں کو روکا مگر خود ہی ایک دیو بندی عالم کی شادی میں شریک ہو گیا۔ وہابیوں نے زید کا بھی اور ہم سنیوں کا بھی خوب مذاق اڑایا۔ جب زید سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواباً کہا کہ چپ رہو ان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں۔ ایک دن مغرب کی نماز میں زید کا پائجامہ ٹخنوں کے کافی نیچے تھا نماز کے بعد جب زید معلوم کیا کہ کیا اتنا نیچا پائجامہ پہننا جائز ہے تو جواب میں کہا کہ میرے لئے سب جائز ہے سائل نے کہا تمہارے لئے سب جائز ہو گیا اور ہم ان پڑھوں کے لئے سب ناجائز بتاتے ہو تو زید مسجد سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ میرے لئے جائز ناجائز حرام حلال سب جائز ہے آپ اپنا دیکھئے۔ مسجد کے بہت سے نمازی اس واقعہ کے گواہ ہیں۔ اور زید داڑھی کٹواتا ہے کیا اس کی اذان واقامت درست ہے؟ اور زید جب کسی عالم کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ آئے دین کے غدار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہتا ہے کہ ان سے غلطی ہوئی تو اللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا۔ ان ساری باتوں کی بنیاد پر کیا زید کافر ہو گیا؟

نیز امام صاحب نے ایک ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس نے امام صاحب کے پوچھنے پر کئی لوگوں کے سامنے اپنے مطلقہ ہونے کا اقرار کیا۔ زید کا کہنا کہ کہ وہ مطلقہ نہیں ہے۔ اور اس بات کو لے کر زید امام صاحب کی مخالفت بھی کر رہا ہے تو کیا امام صاحب کی مخالفت کرنا از روئے شرع جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

مصلیان جامع مسجد سڈ لو نظر پور ضلع مراد آباد

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

استفتاء میں درج باتیں اگر واقعی حق ہیں اور سائلین اپنی ان باتوں میں سچے ہیں تو زید کے لئے شریعت کا بہت سخت حکم ہے۔

زید کا دیو بندیوں سے میل جول رکھنا ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنا اگر اس حد تک ہے کہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے متفق ہے اور انہیں مسلمان جانتا ہے تو پھر اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر ایسا نہیں بلکہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے دور ہے اور ان کے عقائد خبیثہ کو کفر ہی جانتا ہے اور ان کو کافر سمجھتے ہوئے بھی ان کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ سخت گناہگار ہے لیکن کافر نہیں،

البتہ دیوبندیوں سے میل جول رکھنے پر تنبیہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر جھڑک دینا ''ان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں'' مسلمانوں پر کافروں کو ترجیح دینا اور کفر کو پسند کرنا ہے اور یہ کھلا ہوا کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے ایمان کو اس کافر اکفر کے ایمان سے کم کہنا صریح کفر ہے، یہ کفر کو ایمان پر تفضیل دینا ہے، کافر میں ایمان کہاں اور وہ بھی مسلمانوں کے ایمان سے افضل'' [فتاوی رضویہ قدیم، ۶/۱۹۱]

صدر الشریعہ فرماتے ہیں

''شخص مذکور برائے آنکہ کفر را پسند کرد و کفر را بر اسلام ترجیح داد کافر باشد''

(شخص مذکور اس وجہ سے کہ اس نے کفر کو پسند کیا اور کفر کو اسلام پر ترجیح دی کافر ہو گیا)

[فتاوی امجدیہ ۴/۴۳۳]

اور زید کا داڑھی کٹوانا بھی از روئے شرع گناہ ہے اور ایسے شخص کو شریعت میں فاسق کہتے ہیں اور فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے فتاوی عالمگیری میں ہے:

" یکرہ اذان الفاسق "

[فتاوی عالمگیری، ۱/۵۴،]

نیز اس کی تعظیم کرنا اسے عزت دینا بھی جائز نہیں ہے۔

اور زید کا پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا از راہ تکبر ہے تو خلاف سنت ہونے کے ساتھ مکروہ تحریمی بھی ہے اس پر تنبیہ کرنے والے کے جواب میں زید نے جو یہ کہا ہے کہ '' میرے لئے جائز و ناجائز حلال حرام سب جائز ہے'' تو یہ جملہ کفر پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننا شریعت میں کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں '' حلال کو حرام، حرام کو حلال ٹھہرانا ائمہ حنفیہ کے مذہب راجح میں مطلقاً کفر ہے، جبکہ ان کی حلت و حرمت قطعی ہو جیسے جائز کسب و تجارت و اجارت کی حلت مشرکین وودادو انتقیادو اتحاد کی حرمت،.... اور اگر وہ حرام قطعی حرام لعینہ ہے، جیسے مذکورات جب تو اسے حلال ٹھہرانا باجماع ائمہ حنفیہ کفر ہے، اللہ عزوجل کفار کا بیان فرماتا ہے:

لایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ۔

جسے اللہ و رسول نے حرام فرمایا کافر اسے حرام نہیں ٹھہراتے۔ متن عقائد میں مسئلہ مصرحہ ہے، نیز فتاوٰی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

"من اعتقد الحرام حلالا او علی القلب یکفر هذا اذا کان حراما بعینه و الحرمة قامت بدلیل مقطوع به اما اذا کانت باخبار الاحاد لایکفر"

جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام مان لیا تو وہ کافر ہو جائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام لذاتہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر ثبوت خبر واحد سے ہو تو کافر نہیں ہوگا۔

بزازیہ وشرح وہبانیہ ودر مختار میں ہے:

یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی

(حرام قطعی کے تصدق سے کافر ہو جائے گا)[فتاوی رضویہ قدیم، ج۶ ص۱۰۹]

صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے مطلقا کہا ہے کہ میرے لئے سب ناجائز وحرام حلال ہے لہٰذا نصوص بالا کی روشنی میں زید پر حکم کفر عائد ہوگا۔

اور زید کا کسی بھی عالم کو دیکھ کر یہ کہنا کہ **"یہ آئے دین کے غدار"** اگر بسبب علم ہے تو کفر ہے اور اگر ذاتی رنجش کی وجہ سے ہے تو سخت گناہ اور اگر بلاوجہ ہے تو اس پر اندیشۂ کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"پھر اگر عالم کو اس لئے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق فاجر ہے اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ خلاصہ میں ہے "من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر" جو کسی عالم سے بغیر سبب ظاہری کے عداوت رکھتا ہے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔[فتاوی رضویہ قدیم، ۹/۱۴۰، کتاب الحظر والاباحہ]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زید کا یہ کہنا کہ **"ان سے غلطی ہوئی تو اللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا"** سراسر جھوٹ اور اللہ اور اس کے رسول پر کھلا افتراء ہے، اس لئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ جملہ انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک ومنزہ ہیں۔

امام اعظم فرماتے ہیں:

"**الانبیاء علیهم الصلاۃ والسلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر**"

(تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہیں) [فقہ اکبر، ص۸]

ملا علی قاری فقہ اکبر کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "**ای معصومون من جمیع المعاصی**" (یعنی انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک ہیں)[شرح فقہ اکبر ۶۸] اور جب نبی گناہوں سے پاک ہیں تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ کا کفارہ واجب کرنا چہ معنی دارد۔ لہٰذا زید کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھنا سخت گمراہی وبد دینی بلکہ کفر ہے۔

اور رہا امام صاحب کے نکاح پڑھانے کا مسئلہ تو جب امام صاحب نے معلوم کرلیا تو اب وہ بری الذمہ ہوگئے اب ان پر کوئی الزام نہیں ہے اس بنیاد پر یا کسی اور بلاوجہ شرعی کے زید کو امام صاحب کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ امام تو قوم کا رہبر ہوتا ہے اس کی مخالفت تو دور اگر کسی ادنی سے مسلمان کی بھی کوئی مخالفت کرتا ہے اور اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو از روئے حدیث وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقداذی اللّٰہ عزوجل"

(جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالی کو اذیت دی)[المعجم الصغیر للطبرانی، ۲۸۴/۱]

حاصل کلام:۔ استفتاء میں درج زید کے اقوال وافعال میں چند نا جائز، حرام فسق اور گمراہی پر مبنی ہیں اور چند کفر پر، لہٰذا زید پر لازم وفرض ہے کہ فوراعلی الاعلان توبہ، تجدید ایمان، تجدید بیعت اور تجدید نکاح کرے۔ درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ(ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح"

(متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔)

[باب المرتد، ۳۹۱/۶]

مزید امام صاحب سے معافی طلب کرے۔ اور آئندہ ایسے اقوال وافعال خبیثہ کفریہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی کوشش کرے۔

اور اگر زید ایسا نہ کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ زید کا بائیکاٹ کریں اس سے اپنے تعلقات ختم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ"

(اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔)

[کنز الایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۳ رشعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب المیراث

﴿میراث میں ماں باپ کا حق﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں اولاد کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی عبدالجبار محلّہ قانون گویان کاشی پور اودھم سنگھ نگر

۱۸ر جون ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ اولاد بھی چھوڑی ہے تو ماں اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ قرآن پاک میں ہے:

ولابویہ لکل واحدمنھماالسدس مماترك ان كان له ولد ۔

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو۔

[کنزالایمان، پارہ ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱]

اور اگر اولاد نہیں چھوڑی ہے تو ماں کو تہائی اور اگر ماں باپ کے ساتھ دو یا زیادہ بہن بھائی بھی چھوڑے ہیں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن میں ہے:

فان لم یکن له ولد وورثه ابوٰہ فلامه الثلث فان كاله اخوة فلامه السدس ۔

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا۔

[مرجع سابق]

ماں کو کل مال کا تہائی اس وقت دیا جائے گا جب ماں کے ساتھ میت مذکر کی بیوی یا میت مؤنث کا شوہر نہ ہو اور اگر ان میں سے کوئی بھی ہوگا تو ماں کو ان کا حصہ نکالنے کے بعد تہائی ملے گا کل مال سے نہیں۔

[تفسیر خزائن العرفان، پارہ ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱، حاشیہ ۳۱]

اور میت نے باپ کے ساتھ اگر اولاد چھوڑی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اولاد میں کوئی بیٹا یا پوتا نیچے تک چھوڑا ہے تو باپ کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر اولاد میں بیٹی یا پوتی نیچے تک چھوڑی ہے تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور ساتھ میں اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا وہ بھی بطور عصبہ ملے گا۔ اور اگر میت نے اولاد نہیں چھوڑی مگر دوسرے اصحاب فرائض وغیرہ چھوڑے تو باپ کو اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا بس وہی بطور عصبہ ملے گا

یا میت نے باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو بطور تعصیب سب مال ملے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الاب ولہ ثلاثۃ احوال الفرض المحض وھو السدس مع الابن اوابن الابن وان سفل والتعصیب المحض وذالك ان لایخلف غیرہ فلہ جمیع المال بالعصوبۃ وکذااذااجتمع مع ذی فرض لیس بولدولاولدابن کزوج وام وجدۃ فیأخذذوالفرض فرضہ والباقی للاب بالعصوبۃ والتعصیب والفرض معاوذالك مع البنت وبنت الابن فلہ السدس فرضاooooوالباقی لہ بالتعصیب ۔

باپ کی تین حالتیں ہیں میت کے بیٹے یا پوتے نیچے تک کی موجودگی میں بطور فرض چھٹا حصہ،اور ایسے ہی میت نے جب باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو کل مال ملے گا بطور تعصیب یا اولاد کے علاوہ دیگر اصحاب فرائض جیسے شوہر یا ماں دادی کو چھوڑا تو باپ کو اصحاب فرائض سے تقسیم کے بعد جو بچے گا وہ ملے گا،اور اگر باپ لڑکی یا پوتی کے ساتھ ہو تو چھٹا حصہ بطور فرض اور تقسیم کے بعد جو بچے گا باپ وہ بھی پائے گا۔)

[فتاوی عالمگیریہ کتاب الفرائض،۶/۴۴۸]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

میت کے وارثین میں ایک لاکھ روپئے کی تقسیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید کا انتقال ہوگیا اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوی اور ایک بچہ،ماں،باپ اور چار حقیقی بھائی چھوڑے ایک لاکھ روپیہ نقد چھوڑا اس روپیہ میں اور اس کے ماں باپ کی جائداد میں اس کی بیوی اور بچہ کا کیا حصہ نکلتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

حافظ عرفان مؤذن مدینہ مسجد چونا گلی کاشی پور اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں از روئے شرع شریف اگر بچہ سے مراد لڑکی ہے تو کل رقم سے لڑکی کو آدھا حصہ ملے گا۔

قرآن شریف میں ہے:

وان کانت واحدة فلها النصف ۔

اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا حصہ

بیوی کو آٹھواں حصہ

فان کان لکم ولد فلهن الثمن

(پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا (بیویوں کا) تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں)

ماں کو چھٹا حصہ نیز باپ کو چھٹا حصہ

ولابویه لکل واحد منهما السدس مما ترك ان کان له ولد ۔

(اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو)

[ترجمہ کنز الایمان پارہ ۴ رکوع ۱۳]

اور جو باقی بچے گا وہ بھی باپ کو بطور عصبہ ملے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

'التعصیب والفرض معاوذالك مع البنت ۔

باپ کو میت کی لڑکی کے ساتھ فرض حصہ اور بچا ہوا حصہ۔ [۶/۴۴۸ کتاب الفرائض]

اور میت کے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا وہ باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویسقط الأخوة والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق

لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ کی موجودگی میں بھائی اور بہنیں محروم رہیں گی۔

[الباب الثانی فی ذوی الفروض، ۶/۴۵۰]

درمختار میں ہے:

ویسقط بنو الاعیان وهم الأخوة والأخوات لأب وأم بثلاثة بالابن وابنه وان سفل وبالاب اتفاقا، الخ ۔

بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں بالاتفاق وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔ [فصل فی العصبات، ۱۰/۵۳۰]

لبِّ لباب یہ ہے کہ کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔ پانچ ۵ حصے میت کے باپ کو چار بطور فرض اور ایک

بطور عصبہ، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بارہ (۱۲) حصے میت کی لڑکی کو۔ یعنی ایک لاکھ روپے میں لڑکی کو پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) ماں کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اور قریب سڑسٹھ پیسے، اور باپ کو بیس ہزار آٹھ سو تینتیس روپے اور قریب چوتیس پیسے۔ اور اگر بچہ سے مراد لڑکا ہو تو کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔ چار حصے میت کے باپ کو، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بقیہ تیرہ حصے میت کے لڑکے کو بطور عصبہ ملیں گے۔ یعنی ایک لاکھ روپے میں بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) باپ کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اور قریب سڑسٹھ پیسے، اور ماں کو بھی باپ کے برابر۔ اور باقی جو بچے وہ سب لڑکے کو ملیں گے۔

اور صورتِ مسئولہ میں میت کی بیوی اور لڑکی کا کوئی حصہ ماں باپ کی جائداد میں نہیں نکلے گا۔

ھٰذا ماعندی و العلم عند اللہ تعالی

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۳ ربیع النور ۱۴۳۳ھ

جائیداد کا حق دار کون؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ تین سگے بھائی ہیں جس میں ایک کا انتقال ہو گیا ہے مرحوم کے ایک بیوی اور آٹھ بچے ہیں ۵ لڑکے اور ۳ لڑکیاں ہیں جس میں ایک لڑکا اپاہج ہے مرحوم کی جائداد کا حقدار کون ہے مرحوم کے بھائی یا بچے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری
محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں مرحوم کی جائداد میں بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہے مرحوم کی جائداد کے حق دار بیوی، لڑکے، لڑکیاں اور دیگر وارثین ہوں تو وہ ہیں۔ میت کے لڑکوں کی موجودگی میں میت کے بھائی محروم ہو جاتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

ویسقط بنوالاعیان وھم الأخوة والأخوات لأب وأم بثلاثة بالابن وابنه وان سفل وبالاب

اتفاقا، الخ ۔

بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔

[فصل فی العصبات، ۱۰/۵۳۰]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویسقط الأخوة والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق[الباب الثانی فی ذوی الفروض،۶/۴۵۰]

محیط برھانی لاامام برھان الدین ابن مازہ میں ہے:

الأخوة لایرثون مع الابن

بھائی لڑکے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔[۹/۱۰]

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

مآخذ و مراجع

القرآن الکریم

(الف)

احیاء العلوم .... امام محمد بن محمد غزالی ۵۰۵
اصول الشاشی .... اسحاق بن ابراہیم خراسانی شاشی ۳۲۵
الاعلام للزرکلی .... شیخ خیر الدین بن محمود زرکلی ۱۳۹۶
احکام جراحۃ التجمیل .... الدکتور محمد عثمان شبیر ....
اقامۃ القیامہ .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
اوفی اللمعہ .... ایضاً .... ایضاً
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب .... شیخ یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر ۴۶۳
اشعۃ اللمعات .... شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۱۰۵۲
الانتقاد الرجیح .... محمد صدیق حسن بھوپالی ۱۳۰۷

(ب)

بدور الاہلہ .... بھوپالی .... ایضاً
بنایہ شرح ہدایہ .... امام بدر الدین ابو محمد عینی ۸۵۵
البحر الرائق .... امام زین الدین بن ابراہیم بن نجیم ۹۷۰
بدائع الصنائع .... علاء الدین ابوبکر مسعود کاسانی ۵۸۷
بہار شریعت .... صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی ۱۳۶۷
البدایہ والنہایہ .... ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر ۷۷۴
بغیۃ الوعاۃ .... علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی ۹۱۱

(ت)

ترجمہ کنز الایمان .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
تفسیر قرطبی .... ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی ۶۷۱

تفسیرات احمدیہ .... شیخ احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون ۱۱۳۰

تفسیر خزائن العرفان .... صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی ۱۳۶۷

تفسیر نعیمی .... مفتی احمد یار خاں نعیمی ۱۳۹۱

تلخیص المعین .... شیخ محمد بن صالح عثیمین ....

تحفۃ الفقہاء .... امام علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی ۵۳۹

تنویر الابصار .... شیخ محمد بن عبداللہ تمرتاشی ۱۰۰۴

تیسیر شرح جامع صغیر .... حافظ محمد عبدالرؤوف مناوی ۱۰۳۱

تاریخ الاسلام .... شمس الدین محمد بن احمد ذہبی ۷۴۸

التاج المکلل .... محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی ۱۳۰۷

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی .... محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری ۱۳۵۳

تبیین الحقائق .... امام فخر الدین عثمان بن علی زیلعی ۷۴۳

تحفۃ الملوک .... شیخ محمد بن ابی بکر رازی ۶۶۶

(ج)

الجوہرۃ النیرۃ .... شیخ ابوبکر بن علی بن ابوالمفاخر ۵۶۵

جامع العلوم والحکم .... عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب ۷۹۵

جامع صغیر .... علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی ۹۱۱

(ح)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار .... شیخ سید احمد طحطاوی ۱۳۰۲

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح .... ایضا .... ایضا

حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ .... شیخ محمد بن عبدالہادی سندھی ۱۱۳۸

حبیب الفتاوی .... مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی ۱۳۹۵

الحرف الحسن .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰

الحاوی للفتاوی .... علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی ۹۱۱

حسن المحاضرۃ .... ایضا .... ایضا

(د)

درمختار .... علاء الدین محمد بن علی حصکفی ۱۰۸۸

دلائل النبوۃ .... امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی ۴۵۸

فیض القدیر .... حافظ محمد عبدالرؤوف مناوی ۱۰۳۱
فتاویٰ بحر العلوم .... مفتی عبدالمنان اعظمی ۱۴۳۴
فتاویٰ حدیثیہ .... احمد بن محمد بن حجر ہیتمی ۹۷۴
فتح الباری شرح بخاری .... شیخ عبدالرحمٰن بن رجب حنبلی ۷۹۵
فتاویٰ نوازل .... فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی ۳۷۵
فتاویٰ عالمگیری .... جماعت علماء اہل سنت ہندوستان
فتاویٰ صدر الافاضل .... سید محمد نعیم الدین مرادآبادی ۱۳۶۷
فتاویٰ رضویہ .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
فتاویٰ رشیدیہ .... مولوی عبدالرشید گنگوہی ۱۳۲۳
فیروز اللغات اردو .... مولوی فیروز الدین

(ق)

القول العجیب فی جواز التثویب .... مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں ۱۴۰۲

(ک)

الکشف شافیا .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
کشف الظنون .... شیخ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی ۱۰۶۷

(گ)

گلستاں .... شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی ۶۹۱

(ل)

اللالی المصنوعہ .... علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی ۹۱۱
لسان المیزان .... حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲
لغات کشوری .... مولوی سید تصدق حسین

(م)

ماہنامہ برہان دہلی .... سعید اکبرآبادی صاحب
مسالک الحنفاء .... علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی ۹۱۱
مسند الفردوس .... ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شہرویہ دیلمی ۵۰۹
المیلاد النبویہ .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
المقاصد الحسنہ .... شیخ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی ۹۰۲

منیر العین .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
مجمع الزوائد .... حافظ علی بن ابوبکر ہیثمی ۸۰۷
مراقی الفلاح .... حسن بن عمار شرنبلالی ۱۰۶۹
مرقاۃ المفاتیح .... شیخ علی بن سلطان محمد القاری ۱۰۱۴
معرفۃ السنن والآثار .... امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی ۴۵۸
ملفوظات عزیزی .... شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹
ملتقی الابحر .... ابراہیم بن محمد حلبی کبیری ۹۵۶
مثنوی شریف .... علامہ جلال الدین محمد رومی ۶۷۲
ملفوظات اعلیٰ حضرت .... مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں ۱۴۰۲
المستدرک علی الصحیحین .... محمد بن عبد اللہ حاکم نیساپوری ۴۰۵
موطا امام مالک .... امام مالک بن انس مدنی ۱۷۹
مبسوط سرخسی .... شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی ۴۸۳
مجمع الانہر .... شیخ عبد الرحمٰن بن سلیمان کلیبولی ۱۰۷۸
معین المفتی والسائل .... ابو الحسنات علامہ عبد الحی لکھنوی ۱۳۰۴
مشکوۃ شریف .... امام محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی ۷۴۱
محیط برہانی .... برہان الدین محمود بن احمد مرغینانی بن مازہ ۶۱۶
المعجم الکبیر للطبرانی .... شیخ سلیمان بن احمد طبرانی ۳۶۰

(ن)

نزہۃ القاری شرح بخاری .... مفتی شریف الحق امجدی اعظمی ۱۴۲۱
النہر الفائق .... سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم حنفی ۱۰۰۵
نفع السلامۃ .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
النیر الشہابی .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
نور اللغات .... مولوی نور الحسن نیر کاکوروی
نہایۃ الدرایات للجزری .... شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد جزری ۸۳۳
نوادر الاصول .... ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذی ۲۹۵

(ہ)

ہدایہ .... شیخ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی ۵۹۳

یادداشت

مطالعہ کے دوران کسی خاص مسئلہ کو محفوظ کرنے کے لئے کتاب کی کسی عبارت کو قلمزد کرنے کے بجائے اس صفحہ کا استعمال کریں۔

مضامین	صفحہ نمبر

گزارش

قارئین! یہ اللہ کا فضل واحسان اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے کہ میں دین کی خدمت میں کوشاں ہوں میری یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ اللہ اور اس کا حبیب ہی بہتر جانتا ہے
مجھے بارگاہ الٰہی سے جو یہ دین کی خدمت کی توفیق عطا کی گئی ہے یہ سب میرے والدین مرحومین کی دعاؤں کا ثمرہ ونتیجہ ہے جوانہوں نے ہر نماز کے بعد سجدہ ریز ہوکر بارگاہ الٰہی میں مانگی تھی۔اور ساتھ ہی ساتھ میری مشفقہ بہن جنہوں نے ماں کی وفات کے بعد اپنی زندگی کا اہم دور بچپن میری پرورش وتربیت کے لئے وقف کردیا۔قارئین سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد میرے والدین کی مغفرت کے لئے ،اور میری بہن اور ان کے شوہر واولاد کی لمبی کامیاب عمر کے لئے ضرور دعا فرمائیں نیز مجھے اور میرے اہل خانہ کو بھی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔

دعا گو

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی غفرلہ ولوالدیہ

ہماری چند دیگر مطبوعات



ناشر
اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور
Ph: 37352022